

محکمہ

نورالنبیر



منظوم شدہ مستندہ تعلیمات کے گراں قیمتے : لاہور، پشاور، کراچی، اسلام آباد

جاری طور : ۱۹۴۵ء • نئی فہرست : ۱۹۹۳ء

جہاں البیبر

افکار

سال : ۲۱۰ • شمارہ : ۱۴۳ - ۱۴۵

مندیہ
صہب الکنوی

نویسہ لائے	بجروئے مکرر سے	قیمت
۱۲ روپے	۴۸ ٹکٹ ۱۰ ڈالر	۳ روپے

مکتبہ افکار
راہ حسنہ روڈ کراچی

— سندھو افکار —

۱۱۲ • پرنٹرز انچارج : ملک - این - ٹریڈ

جوشی ملیح آبادی

غالب نام آورم

میرزا صاحب، میر تقی میر کے شکر شاعر تھے جس وقت کہ ان کے تمام معاصر محو خواب تھے، اور۔ یہ صرف میرزا صاحب کے کہ جاگ رہے تھے۔

حیرت ہے کہ اُس دورِ غزل گوئی میں وہ یہ نکتہ یاد رکھتے تھے کہ غزل کی سنگی، ذوقِ شعری کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

اگر میرزا صاحب اس دور میں ہوتا تو گوئیٹے سے مل کر لیتے۔ ان کو اپنے تہہ رنگ، حکم سے

شہرت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ فارسی میں، اردو سے کہیں زیادہ بڑے آدمی نظر آتے ہیں

اور جہاں تک کہ نکتہ آفرینی اور بے پردہ بازی کا تعلق ہے، ہم کہیں آدھے سے پس و پیش کے بغیر میرزا صاحب کو، ایمان کے تمام اکابرِ شہزاد کے سامنے، یہ نہ گز چیں کہ سکنے میں آدھے۔

بسم اللہ، اگر تابِ نظر ہمت کئے را !

جوشی
۱۳۱۲/۶

صبرِ خیال

۷۵	غالب ایک اور اعلیٰ خیالی شاعر	پروفیسر مسعود علی
۸۰	غالب کی شخصیت	ڈاکٹر وزیر آغا
۸۵	مفت تہذیب اور غائب	انجم عثمانی
۸۸	غالب معلوم سے معلوم تک	سحر انصاری
۱۰۰	یورپ میں غائب کا مطالعہ	آغا آفاقہ رحیمی
۱۰۵	غالب کا فارسی کلام	نکیر صدیقی
۱۰۸	غالب اور عظمت	لطیف اظہر
۱۱۲	غالب پریم کا اثر	نریش کمار شاہ
۱۱۷	بلائے جاں سے غائب	عبدالحق افروز

مجموعہ خیال

۳۱ - فارسی شاعری کے پانچ سو سال

۱۲۴	غالب کی فارسی شاعری	پروفیسر مرزا سلیم قریشی
۱۳۰	غالب کی فارسی تصانیف	مالک رام
۱۳۹	گلِ درخشاں	مالک رام

نقشِ ہائے رنگِ رنگ

۱۶۹	انتخاب کلام فارسی	سلم ضیائی
-----	-------------------	-----------

گذرِ گاہِ خیال

(۱۳ - منتخب مضامین)

۱۹۰	غالب کی عظمت	پروفیسر آل احمد سرور
-----	--------------	----------------------

سرور قیام - معرکہ مشرق و مغرب اور امن و چین

۱۳	پیش کشی آغا	غالب نام احمد
۱۵	صبا بھٹوی	امشاد
۱۹	سحر انصاری	واقعات غائب

گوہرِ نایاب

(۷ - نادر و نیا دکان تخلیقات)

۲۳	غالب - فردوسِ شمس	ڈاکٹر مولوی عبدالحق
۲۴	سوانح عمری کا ایک سبق	سلم ضیائی
۲۵	غالب کا زانچہ	غالب
۳۷	منجیق قصیدہ	ڈاکٹر مولوی عبدالحق
۳۹	روئے و مقدر مرزا غائب	ڈاکٹر عیادت بریلوی
۵۷	غالب کا ایک نادر خط	تسلیہ سرور
۵۹	غالب کی ایک غیر منسلک تقریر	غالب
۶۳	آخری خط	

روحانی خیال

(۱۱ - نئے مضامین)

۶۶	غالب شمس	ڈاکٹر عیادت بریلوی
۷۱	غالب - ایک مکالمہ	مبین احمد نقی - قمر الدین

۱۹۶	دیوان غالب اور اردو فن	دیوانت علی سندھی	۳۱۰	مشترک غالب
۱۹۸	غالب، حیات و شاعری	عنت ازمن	۳۱۶	غالب، لکھنؤ میں
۲۲۴	کے چند پہلو			
۲۲۹	غالب			
۲۴۱	غزل و غالب کا سناٹ	غالب		
۲۴۵	غالب کا ایک منظم خط	رفیق خاوند	۳۲۲	منظوم ترجمے
۲۵۱	غالب کا آغاز	مشرقیہ لکھنؤ	۳۲۳	اسے وسیع الملک
۲۵۳	غالب کی تحلیقات	عبدالغفور عروسی	۳۲۵	احوال و اقوال
۲۵۷	غالب کا فنم	محمد سعیدی	۳۲۹	لاٹانی ہے تو
۲۶۳	غالب کی عشق و شاعری	شبنم رومانی	۳۳۰	غالب، ایک نیا انسان
۲۶۹	غالب، ذوق اور تلخ	عزیز احمد لکھنوی	۳۳۱	مرزا غالب
۲۷۵	غالب کے خطوط کی ادبی اہمیت	آرشد اکبر آبادی	۳۳۲	تذکرہ غالب
۲۸۰	غالب کے خطوں کے گنجے میں			

انٹظار

رکھتہ رشک فارسی

۲۸۵	انتخاب کلام اردو	عبدالرحمن چغتائی	۳۳۳	الہی کتاب
-----	------------------	------------------	-----	-----------

اختیار غالب

خندہ ہائے گل

۳۰۳	مثنوی و مزارع	م. ل.	۳۳۶	ادبی خزائن
۳۰۴	مثنوی پسند غالب			

مدیر اشعار، مہیا لکھنوی ——— طابع، مشہور اسٹیشن پریس کراچی

فروری، مارچ ۱۹۶۶ء

دفتر، راجیس بھٹ، کراچی ——— فروری، ۱۹۶۴ء

عجب اتفاق ہے کہ غالب نمبر ۱۱۹ اعلان کرنے کے بعد تیسری کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ سن ۱۹۸۱ء کے حساب سے مرزا غالب کی وفات کو تین سو سال بیت گئے۔ ۲۰ فروری ۱۹۸۱ء کو غالب کا انتقال ہوا تھا جس کی رو سے ۲۰ فروری ۱۹۸۱ء سے ۲۳ فروری ۱۹۸۱ء تک تین سو سال پورے ہو گئے اور اس طرح غالب نمبر کے اعلان و شاعت کا تاریخی جواز بھی پیدا ہو گیا۔ گزشتہ تین سو سال میں دنیا کے بڑے بڑے شاعروں میں شکسپیئر کو چھوڑ کر شاید ہی کسی نہبان کے کسی شاعر پر اتنا تحقیقی کام کیا گیا ہو جتنا مرزا غالب پر ہوا ہے۔ ہر دور اور ہر صوبہ کے ہر شے انسان نے غالب کے نگاہی سلوب سے بعد وقت فیضان حاصل کیلئے اور ان کی میات و شعاعی کے تمام ڈھنگ پیچھے اور نئے سے نئے پہلوؤں کو نئے نئے زاویوں سے اُچاگر کرنے کی سعی و کوشش کی ہے۔ اس تمام عرصے میں غالب پر ہزاروں مضامین توڑے نراکت کیے ہیں اور ان کے رویوں کے مبیوں نئی طرز کے ایڈیٹیشن شائع ہو چکے ہیں بھر بھی غالب اور غالبیات سے دل چسپی کا سلسلہ قائم ہے۔ ایسا کہیں ہے ۱۱۹ اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ غالب درحقیقت ہر صوبہ اور ہر زمانے کے شاعریں رہی سبب ہے کہ ان کی شہرت، مقبولیت اور ادبی عظمت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ آئندہ نسلیں بھی ان کے فکر و فن سے اکتساب نور کرتی رہیں گی۔

غالب فیر کی تیار کی کے دور میں یہ دونوں حقیقت بھی سامنے آئی کہ تینوں سال کے عرصے میں غالب پر تنوع سے ناکام کئی نئی شائع ہوئیں لیکن صرف چار معاصرین (دھرم دھرم، اردو کے مہدی، دلی، علی گڑھ یونیورسٹی، علی گڑھ اور دھرم پاکستان، کراچی) غالب فیر پیش کرنے کا حوصلہ کر کے۔ اس تلخ حقیقت کے پیش نظر ہم نے انکار کے غالب فیر پر شہانہ روز گنت کی تاکہ ہم نہ صرف انکار کے مشہور بلکہ فیر جو فیض فیر اور فیض فیر کے وجود و ایت کو کچھ اور آگے بڑھا سکیں بلکہ غالب پر فیر کے لئے کچھ ایسے نئے گوشے بھی سامنے لاسکیں جن پر اب تک کسی کی نظر نہیں گئی تاکہ طلباء اور طالبات ادب غالب پر مزید تحقیقی کام کر سکیں۔

غالب قبر۔ صریح غلام سے نوائے سروش تک دس ابواب میں تقسیم ہے۔ ابتداء میں واقعات غالب کے عنوان سے غالب کی زندگی، شخصیت اور غزل کا سی وار مستند جائزہ غالب نماؤں کی بیات، سمیت پہلی بار انکار پیش کرتا

کا فخر حاصل کر رہا ہے۔ اس جائزہ کو جہاں سالانہ ادیب و شاعر اور افکار کے خصوصی معاون سحر انصاری نے بڑی محنت و جانفشانی اور پوری ذمہ داری سے مرتب کیا ہے۔ حیرت ہے کہ غالبیات سے دلچسپی رکھنے والوں نے تنہا اس نوع کا جائزہ مرتب کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی حالانکہ اس کے بغیر غالب کی ہمہ جہتی زندگی کا احاطہ ممکن نہیں۔ اس جائزہ کی ترتیب دیکھ کر میں مسلم دنیا کی ادبی و ادبیات خاں سیال نے بھی ہر ممکن دوسری اور اعانت فرمائی ہے جس کے لئے ہم بینوں حضرات کے ممنون ہیں۔

اس سیر میں غالب پر بارہ سٹے اور پندرہ پانچ مضامین بھی ہم نہایت فخر و مسرت سے پیش کر رہے ہیں اور اپنے تمام اہل قلم رفیقوں کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے وقت کی کمی کے باوجود جاری درخواست پر جلد توجہ فرما کر اپنے گرامتقد مضامین حفظ فرما دیے۔ مضامین کے علاوہ غالب فہر کو اور نیا و دو تین جلد کے سٹے ہم نے یہ بھی مزوری کہا کہ غالب پر جو مضامین ہر سال فوراً کے پیچھے ہیں، افکار میں شائع ہو کر پھول جو سٹے انھیں بھی یک جا کر دیا جائے کیونکہ یہ شمار سے تیار ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس حصے میں غلطی سے لفظ افکار کے منتخب مضامین ہیں۔ چند اجم مضامین ہم نے اپنے اردو کے مقبول و مالا اردو علی گڑھ میگزین اور دو نامہ نگار اور ہم قلم سے منتخب کئے ہیں۔ تاکہ غالب کی حیات و شاعری کا بھرپور احاطہ کیا جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ سات ماہ و دو گار تخلیقات ہیں فارسی شاعر میر تقی میر کی اور اردو کلام کا خاکہ نگار آغا شاعر کے خدوئے نیکا پیچھے اور اخبار غالب بھی اس فہر میں شامل ہے۔ جس میں ہم نے یہ کہ کیفیت تحریر آپ غالب فہر کو آج تک شائع ہونے والے تمام غالب فہر واد سے مختلف پائیں گے۔ بلکہ مدتی قلمدانہ سہی و کوشش کو بھی اپنا پسند فرمائیں گے۔

غالب فہر کے سٹے جن اہل قلم رفیقوں نے اپنی تازہ نگارشات سے نوازا ان میں دوستوں غرتیب و دیکھ میں ہاتھ بٹا یا ہم جن ساتھیوں نے رتوں کو جاگ جاگ کر اس فہر کو ایک ماہ کے قلیل عرصے میں مکمل کر لیا وہ سب دلی شکر کے مستحق ہیں۔ اہل ساتھیوں دوستوں اور رفیقوں میں حضور مشرقی عبدالرحمن چغتائی دکن کا محبوب شاہنشاہ کا رسولی کا رفیق، قاکر سید عبداللہ آغا انھار حسین، انجم ظہری، سحر انصاری، مسلم فیاضی، ادبیات خاں سیال، قاکر سید آغا، نظیر صدیقی، مشتاق خواجہ، احمد طاہر اور مشرقی اور بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

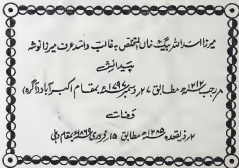
آخر میں ایک بات اور۔۔۔ غالب جیسے عظیم شاعر کے نہ جانے اور کتنے پہلو ہوں گے جو ابھی جاری توجہ اپنی طرف منتقل کر دیں گے اس سلسلے میں انکار کے قابل نہیں کہ اپنی زندگی کا معیار بھی جاری نظر میں رہی ہو گا کہ انسانی ثقافت کے سب سے بڑے شاعر میرزید کام کی گنج چھ میں پیدا کرے اور ادبی، ثقافتی اور تخلیقی کاموں میں غالب سے کچھ بڑا قبول کرے۔

۱۲
۱۲۶

سحر انصاری

واقعاتِ غالب

(زندگی، شخصیت اور فن کے مستند مباحث)



گولڈن ایک کی سفاکشن پر سونک ہوتا
(نقل از آئینہ اکابر محمدیہ)

فاتحہ کے چا میرو انصاری کے خاں کے
نے احم سے لکھوات پاؤں۔

ہاں ایک کہ تقریباً ایک سر کا ہوا تھا
کیا ہے کہ اس کے دوسرے سر انصاری کے تھا

۱۷۹۹ء ————— فاتحہ کے برادر خود میرزا اسعد بیگ
خاں کی ولادت

۱۸۰۲ء ————— فاتحہ کے والد میرزا اسد بیگ خاں
لاہور کی جنگ میں گولی کھا کر شہید
ہوتے۔

۱۸۰۵ء ————— فاتحہ کے چا میرو انصاری کے خاں

۱۸۶۱ء (۱۲۸۰ھ) ————— فاطمہ کے چھوٹے بھائی محمد علی خان نے جو عرصے سے بغداد الحزین سے وفات پائی ہو چکا تھا، وہاں پہنچ کر ان کی تدفین کروائی۔

۱۸۶۲ء (۱۲۸۱ھ) ————— مطہر علیہ الرحمۃ نے "موسمہ" کی تصانیف پر کتاب خانہ میں بیت الدولہ افغانستان خرید کر شائع کیا۔

۱۷۵۹ء (۲۴ جولائی)۔ قاضی مصطفیٰ علی شینہ دکنی سراج الدینی خیر
سکریا قاضی احمد علی خان کے صاحبزادے

۴۰۹ (۱۵) خرداد ۱۳۲۸

۱۵۵۹ء - قاضی برہان الدین کی تعینات
۱۵۵۹ء - (میرزا) نواب حسن علی شاہ
میرزا حسن علی کی طرف سے ایک مسجد کے
نام کی عبارت

ولا اعلام رسولی میر
لیع محتبان

سائے ہوا

۱۸۶۰ء کو راجہ رام چندر، نائب ماجھ سے ملے اور وہاں سے گوری بننے لگے۔

۱۸۶۱ء۔ لکھنؤ کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔

۱۰۶۱ هـ / ۱۶۵۰ ق —————

۱۸۶۱ء (۱۲۸۱ھ) — قلعہ بہاولپور کی اشاعت

[illegible]

نظامی کا پھود سے اشاعت

۱۹۵۴ء میں (ماہنامہ) ————— خاندانِ تہذیب کی تاریخ کا عشرہ اولیٰ
میں پانچ سو نو سو کل صفحات پر

مقدمہ اور پہلی بیرونی عالمی نظام کی حالت

[illegible]

۱۸۵۵ء ————— بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے
۱۸۵۶ء ————— مصلح نورا علیہ السلام کے "مرتبہ شہادتہ"

کے لئے ہے۔

اردو کوئی

فائب کے ارد گرد	اطلاعات کی
۱۰۰ ہزار کی	تعمیرات کے

گوارہ کھجور کی
پانی سے پکا

کونستانت	۵۱۰۰۰
۱۰۰۰۰	۱۰۰۰۰

۱۹۷۶ء کو فروری کے مہینے میں —————

۴۹۵۴ (۱۹۵۱) — د پښتو ژبې د ژباړنې د کړنو په باره

کتابخانه

۱۹۵۶ء کو — قاتل اور کُرد کے درمیان ایک نئی بات

کے ساتھ بیٹھ کر ان کی نفسی و
حرکت کی ترقی کی گئی۔

۱۸۶۲ء فروری — ہمارے شاہد حضرت زکریاؑ کی وفات پائی۔

۱۸۶۳ء — دیوان احمد کا پانچویں ایڈیشن ملیجہ میں حاضر کیا گیا ہے شائع ہوا۔

۱۸۶۳ء (۱۳۰۳ھ) — علامہ صاحب نام "دیلمی سرگزشت مظفر" فیضی نے گورنر صاحب نے قاتب کو انگریزی اخبار میں امر نامہ مستحق کیا

۱۸۶۳ء (فروری) — "لیات قلم" قاضی کی ملیجہ و گفتار مکتوب سے اشاعت

۱۸۶۳ء — قاضی مکتوب "ابہرگز" کی اشاعت

۱۸۶۵ء — "مختصر" کی اشاعت

۱۸۶۵ء (فروری) — قاتب پرستی قاضی

۱۸۶۵ء — قاتب اور قاتب کی وفات کی سرکاری

۱۸۶۵ء (اکتوبر) — قاتب کی ملیجہ کی اشاعت

۱۸۶۵ء (فروری) — "مختصر" کے دوسرے ایڈیشن میں قاضی و مکتوب کی اشاعت

۱۸۶۵ء (فروری) — "مختصر" کے دوسرے ایڈیشن میں قاضی و مکتوب کی اشاعت

۱۸۶۵ء — قاضی قاتب کی وفات کی اشاعت

۱۸۶۶ء — قاضی قاتب کی وفات کی اشاعت

۱۸۶۶ء (فروری) — قاتب و مکتوب کی اشاعت

۱۸۶۶ء — قاتب کی اشاعت

۱۸۶۸ء — قاتب کی اشاعت

۱۸۶۸ء — قاتب کی اشاعت

۱۸۶۸ء — قاتب کی اشاعت

۱۸۶۹ء — قاتب کی اشاعت

۱۸۷۰ء — قاتب کی اشاعت

۱۸۸۰ء کا دورہ — میرزا قاسمی خاں کا دل مسرت نہ
 ۱۸۸۰ء کا دورہ — میرزا قاسمی خاں کا دل مسرت نہ
 قرآن مجید کا تفسیر کا ایک نیا نسخہ
 یہاں سے لے کر —

گنجینہٴ معنی

حسب ذیل کتابوں کے نام غالب کی مخصوص تراکیب اور اسلوبِ سخن کے رشتہ دار محنت ہیں۔

- | | | | |
|----|------------------|-----------------------|---|
| ۱ | بالہ ہوسری | غالب کی کسر مرزا قاسم | تیرا اتمانہ حق مشائے زلفیہ اہم
تیری رشتہ بہ رقم جیشوار بالہ ہوسری
ہے آدمی بجائے خود کہ کھنڈ خیاں
ہم انجیس بجھتے ہیں غلط ہو کر مادمو
مقدور ہو کر غالب سے ہی چھوڑے اس ٹیم
کسے وہ گھبائے تیرا غماں کواں کے
لکھنؤ فرما دی ہے کسی کی طرفی تخریب کا
کاغذ کیا ہے ہمیں جس پر سیکر تصویر کا
دعوائے عزت دی و محبوب و مخالف
دستِ جبر سنگ آمدہ پیرا تو وہاں ہے |
| ۲ | مشرقیان سہاروا | غالب — شیخ پر | "غالب تندہ و ڈپر" پاکستان کے ممتاز
اور سہاروا میں الیہ کا مشہور و عام
ہے جو کہ لکھی میں آئے ہو کر کافی مشہور
ہوا۔ مرنو غلامی کی لکھی کے اعتبار سے
اس سے اچھا کہ کشتی کو اس آواز تک نہیں
کہا گیا |
| ۳ | گھنٹے گزرا یہ | غالب کی کسر مرزا قاسم | تیرا اتمانہ حق مشائے زلفیہ اہم
تیری رشتہ بہ رقم جیشوار بالہ ہوسری
ہے آدمی بجائے خود کہ کھنڈ خیاں
ہم انجیس بجھتے ہیں غلط ہو کر مادمو
مقدور ہو کر غالب سے ہی چھوڑے اس ٹیم
کسے وہ گھبائے تیرا غماں کواں کے
لکھنؤ فرما دی ہے کسی کی طرفی تخریب کا
کاغذ کیا ہے ہمیں جس پر سیکر تصویر کا
دعوائے عزت دی و محبوب و مخالف
دستِ جبر سنگ آمدہ پیرا تو وہاں ہے |
| ۴ | لکھنؤ فرما دی | غالب کی کسر مرزا قاسم | تیرا اتمانہ حق مشائے زلفیہ اہم
تیری رشتہ بہ رقم جیشوار بالہ ہوسری
ہے آدمی بجائے خود کہ کھنڈ خیاں
ہم انجیس بجھتے ہیں غلط ہو کر مادمو
مقدور ہو کر غالب سے ہی چھوڑے اس ٹیم
کسے وہ گھبائے تیرا غماں کواں کے
لکھنؤ فرما دی ہے کسی کی طرفی تخریب کا
کاغذ کیا ہے ہمیں جس پر سیکر تصویر کا
دعوائے عزت دی و محبوب و مخالف
دستِ جبر سنگ آمدہ پیرا تو وہاں ہے |
| ۵ | دستِ جبر سنگ | غالب کی کسر مرزا قاسم | تیرا اتمانہ حق مشائے زلفیہ اہم
تیری رشتہ بہ رقم جیشوار بالہ ہوسری
ہے آدمی بجائے خود کہ کھنڈ خیاں
ہم انجیس بجھتے ہیں غلط ہو کر مادمو
مقدور ہو کر غالب سے ہی چھوڑے اس ٹیم
کسے وہ گھبائے تیرا غماں کواں کے
لکھنؤ فرما دی ہے کسی کی طرفی تخریب کا
کاغذ کیا ہے ہمیں جس پر سیکر تصویر کا
دعوائے عزت دی و محبوب و مخالف
دستِ جبر سنگ آمدہ پیرا تو وہاں ہے |
| ۶ | نفس و دلِ خمدان | غالب کی کسر مرزا قاسم | تیرا اتمانہ حق مشائے زلفیہ اہم
تیری رشتہ بہ رقم جیشوار بالہ ہوسری
ہے آدمی بجائے خود کہ کھنڈ خیاں
ہم انجیس بجھتے ہیں غلط ہو کر مادمو
مقدور ہو کر غالب سے ہی چھوڑے اس ٹیم
کسے وہ گھبائے تیرا غماں کواں کے
لکھنؤ فرما دی ہے کسی کی طرفی تخریب کا
کاغذ کیا ہے ہمیں جس پر سیکر تصویر کا
دعوائے عزت دی و محبوب و مخالف
دستِ جبر سنگ آمدہ پیرا تو وہاں ہے |
| ۷ | لذتِ سنگ | غالب کی کسر مرزا قاسم | تیرا اتمانہ حق مشائے زلفیہ اہم
تیری رشتہ بہ رقم جیشوار بالہ ہوسری
ہے آدمی بجائے خود کہ کھنڈ خیاں
ہم انجیس بجھتے ہیں غلط ہو کر مادمو
مقدور ہو کر غالب سے ہی چھوڑے اس ٹیم
کسے وہ گھبائے تیرا غماں کواں کے
لکھنؤ فرما دی ہے کسی کی طرفی تخریب کا
کاغذ کیا ہے ہمیں جس پر سیکر تصویر کا
دعوائے عزت دی و محبوب و مخالف
دستِ جبر سنگ آمدہ پیرا تو وہاں ہے |
| ۸ | گراہستان کھل گیا | غالب کی کسر مرزا قاسم | تیرا اتمانہ حق مشائے زلفیہ اہم
تیری رشتہ بہ رقم جیشوار بالہ ہوسری
ہے آدمی بجائے خود کہ کھنڈ خیاں
ہم انجیس بجھتے ہیں غلط ہو کر مادمو
مقدور ہو کر غالب سے ہی چھوڑے اس ٹیم
کسے وہ گھبائے تیرا غماں کواں کے
لکھنؤ فرما دی ہے کسی کی طرفی تخریب کا
کاغذ کیا ہے ہمیں جس پر سیکر تصویر کا
دعوائے عزت دی و محبوب و مخالف
دستِ جبر سنگ آمدہ پیرا تو وہاں ہے |
| ۹ | خاموشی کی آواز | غالب کی کسر مرزا قاسم | تیرا اتمانہ حق مشائے زلفیہ اہم
تیری رشتہ بہ رقم جیشوار بالہ ہوسری
ہے آدمی بجائے خود کہ کھنڈ خیاں
ہم انجیس بجھتے ہیں غلط ہو کر مادمو
مقدور ہو کر غالب سے ہی چھوڑے اس ٹیم
کسے وہ گھبائے تیرا غماں کواں کے
لکھنؤ فرما دی ہے کسی کی طرفی تخریب کا
کاغذ کیا ہے ہمیں جس پر سیکر تصویر کا
دعوائے عزت دی و محبوب و مخالف
دستِ جبر سنگ آمدہ پیرا تو وہاں ہے |
| ۱۰ | خجندیہ گھنٹی | غالب کی کسر مرزا قاسم | تیرا اتمانہ حق مشائے زلفیہ اہم
تیری رشتہ بہ رقم جیشوار بالہ ہوسری
ہے آدمی بجائے خود کہ کھنڈ خیاں
ہم انجیس بجھتے ہیں غلط ہو کر مادمو
مقدور ہو کر غالب سے ہی چھوڑے اس ٹیم
کسے وہ گھبائے تیرا غماں کواں کے
لکھنؤ فرما دی ہے کسی کی طرفی تخریب کا
کاغذ کیا ہے ہمیں جس پر سیکر تصویر کا
دعوائے عزت دی و محبوب و مخالف
دستِ جبر سنگ آمدہ پیرا تو وہاں ہے |

۱۱

آشفست ریائی میری

رشید احمد مصطفیٰ

کیا بیاں کہ کے ملاوے رنگے پار
نگو آشفستہ جیانی میری

۱۲

غالب نام آدم

نامہ صیانتی

غالب نام آدم نام ولفا میری
ہم اسد اللہ ہم ولفا میری

۱۳

چشم نگراں

عزیز عارف

رخ کشو وند دل بہرہ سرایم پسند
دل رہو دندو دو چشم نگراں حنف

۱۴

دشدر اسکاں

عزیز عارف

سے کہی تھا کا دوسرا قدم بہرہ
ہم نے دشت اسکاں کوئی لفظ نہ آیا

۱۵

خود پسگ سے تک

نفس احمد کریم نقشبندی

حاشیہ صبر طلب اور تمنا سے تاب
دل کا کیا رنگ کہی غریب رنگ

۱۶

قطرہ پہاگر سے تک

غالب سہروردہ سمیں پر

دہم بر سوتا ہیں ہے عشق و کام رنگ
دیکھیں کیا گھر سے جو قطرہ پہاگر سے تک

۱۷

دینا رچھری

بھارت کے مشہور بھارتی کاروبار میں

کہاں تک دلفانی اس کے لیے کہی گئے تھے
میری نصرت میں دل پہ کیا تھی دینا رچھری

۱۸

کل نقشہ

نفس احمد کریم نقشبندی

نہ گھر نقشہ ہوں نہ پردہ ساز
میں ہوں اپنی مشگت کی آواز

۱۹

نظم کا کل

نظم احمد کریم نقشبندی

نوا آواز نقشہ نظم کا کل
میرا صبر و دل ہائے نوا ساز

۲۰

مشیر آرزو

باقی رہی

اسی میں ہوں امداد تم کی ہے شہر آرزو
توڑا جو تھوے آئینہ گمان در تھا

۲۱

ما تم یک مشہر آرزو

عبدالغفر خاں

کونسا آگاہ نہیں باطن ہر بندہ
ہے جگر فرو چہاں میں دلفانی

۲۲

صدقہ آخرا ندہ

عبدالغفر خاں

نہ گھر نقشہ ہوں نہ پردہ ساز
میں ہوں اپنی مشگت کی آواز

۲۳

گل نقشہ آگیتا غلی کا ترجمہ

عبدالغفر خاں

چند قصہ بیاں
مترجم جعفر منصور

۲۴

چند قصہ بیاں

مترجم جعفر منصور

چند قصہ بیاں
مترجم جعفر منصور

(۲۵)

ہزاروں خواہشیں ہمیش

عسا کہ جنر

ہزاروں خواہشیں ہمیش کہ ہر خواہش پہ دم نہ

(۲۶)

تفسر رنگ

اکرم تکار

بیت نکلے مرے ارمان تیرے کچھ بھی تم سنگ

(۲۷)

پونہ پونہ

جو گندہ پال

کافی ہے مرا خلقت عسائی و اختر

(۲۸)

سنگ و شے

بھنب لال پور

دل ہی تو ہے نہ سنگ و شے ہر شے کو

(۲۹)

غالب آشت سر

عبادت برین

اے ساکتان کو چہ دندار دیکھنا

(۳۰)

سحر مرنے تک (دندے)

غالب — ریڈیو پر

تم کو کہیں جو غالب آشت سر

(۳۱)

کہنے پر تیرا کوشش (کہانیاں)

لکھ کے مشہور ادیب و شاعر

غم بھی کا اسد کس کو ہو جو مرگ ملن

(۳۲)

موت سے پہلے

اندسے ایک دلچسپ ریڈیو پر

فحش ہر گئی جی جی ہے سحر مرنے تک

(۳۳)

سنگ گراں اور

کے سیر کرنا ہے

بلبل کے نام پر ہے میں خندہ ہائے سن

(۳۴)

دو دو چھوٹے مضمون

نکا مارتن

کھتے ہیں میں کو عشق غل ہے دلی کا

(۳۵)

اور پھر یہی اپنا

اخلاق احمد دہلوی

تبدیلات دینہ ظم صلیں مدوں ایک ہی

(۳۶)

وطن سے دور

مفتاح الدین نقصر

مست ہے پہچان آدمی تم سے نجات ہے کیوں

(۳۷)

بشر ہے کیا کہنے

حاجہ عسل حاجہ

برچہ سبکدست ہونے بعد سسکتی ہیں

(۳۸)

دلہا تا داں

کرشن موہن

بہرین نورانی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

غالب — ریڈیو پر

بڑے گل انانہ دل دو دو چھوٹے مضمون
جو تری جڑ سے نکلا سو پریشاں نکلا
نکرا میں پری وکشن کا اور پھر یہی اپنا
میں گیا رقیب آخر تھا جو رن داں چنا
اما دیا بغیر میں پھر کو وطن سے دور
رکول ہونے خدائے مری کیسے کاشم
دیا ہے دل اگر اس کو بھر ہے کیا کہنے
جو رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہنے
دلہا تا داں پتے ہما کیلے
آخر اس دور کی دعا کیلے

۳۹	دکھ سنگ	اور سجاد	دکھ سنگ سے پلٹا وہ جو کچھ چھوٹا ہے غم سحر سے ہر وہ اگر غم از غم ہے
۴۰	قائد پنجیسر	خیرم جعفری	د تالہ حاصل وہی بستی فراموش مبارک شہادہ فرخیز جو صد مسلم
۴۱	کافہ دیہریں	عنیں الرحمن اعظمی	نقش فسر یا دی ہے کسی کی شوقی و غریبا کافہ کافہ پر ہیں ہر سبک تصویر کا
۴۲	فردوسی گورکھ	موتش مسیانی	نعلین خام ساقی و ذوق مطہر چنگ یہ جنت لگاؤ وہ فردوسی کا شعر ہے
۴۳	طرب کا و قریب	کیم عرفی	کو تین گروہ مزدور و طرب کا و قریب بہ سحر آئینہ غائب گویا شہریا

غالب

(غالب کے اکلام و اساتذہ کے اشعار سے حصے چند کا بلجے ذکر کیا ہے)

(۱۰)

۱۔ یادگار غالب (۱۹۵۷ء)	مولانا ابوالحسن علی	۱۲۔ خطوط غالب	۱۔ ایک نام
۲۔ حیات غالب (۱۹۵۷ء)	ادب فہرست محمد رفیع	۱۳۔ اہل خطوط غالب	۲۔ مرزا محمد علی
۳۔ محاسن غالب (۱۹۵۷ء)	ڈاکٹر عبدالحق احمد	۱۴۔ مکتوبات غالب	۳۔ امتیاز علی عرفی و احمدی
۴۔ غالب (انٹرنیٹ)	ڈاکٹر سید عبدالحق	۱۵۔ باقیات غالب	۴۔ وجاہت سحر
۵۔ غالب (اردو ترجمہ)	مترجمین عبدالحق	۱۶۔ غالب کے خطوط	۵۔ ہمیشہ پرستاد
۶۔ غالب	غلام رسول بھر	۱۷۔ نامہ غالب	۶۔ آفاق میں آفاق دہلی
۷۔ غالب (اردو ترجمہ)	سید محمد اکرم	۱۸۔ احوال غالب	۷۔ عماد الدین احمد
۸۔ احوال غالب	سید محمد اکرم	۱۹۔ نقشب غالب	۸۔ مرزا علی الدین احمد
۹۔ حکیم فرادہ (۱۹۵۷ء)	سید محمد اکرم	۲۰۔ افلاک غالب	۹۔ علیہ علیہ حکیم
۱۰۔ حیات غالب	سید محمد اکرم	۲۱۔ غالب	۱۰۔ فیروز علیہ الدین
۱۱۔ ذکر غالب (۱۹۵۷ء)	اک نام	۲۲۔ مشاعرہ غالب	۱۱۔ نبی احمدی

۲۳۔ غالب ام آدم	نادیم سیٹا پوری	۴۲۔ نکات غالب	نفاذی بابوی
۲۴۔ منکر غالب	پرچوی چستدر	۴۳۔ قلیل اصحاب	اسد علی اہری
۲۵۔ مقام غالب	مبارک لڑائی رخت	۴۴۔ مرکز شعر غالب	مرزا محمد بشیر میرجوری
۲۶۔ غالب مشکین	میرزا یگانہ چنگیزی	۴۵۔ متفرقات غالب	سرمحمد حسن دہلوی
۲۷۔ غالب گلروئی	ڈاکٹر شوکت سہروردی	۴۶۔ مکاتیب غالب	احسن
۲۸۔ غزلہ کلام غالب	ڈاکٹر ملک سہروردی	۴۷۔ غالب کے خطوط	مرزا سید قاسم حسین
۲۹۔ غالب کا ادب	خواجہ حسن نظامی	۴۸۔ طالع غالب	عائدت بیاناوی
۳۰۔ فرنگی غالب	استاذ اعلیٰ بریلوی	۴۹۔ آثار غالب	سلیم محمد کریم
۳۱۔ اہل بیت غالب	لیک حیات	۵۰۔ اشعار غالب	عبادت اللہ
۳۲۔ بیان غالب	آغا محمد آفر	۵۱۔ ردغ غالب	مستقیم علی
۳۳۔ شرح دیوان غالب	نظم طباطبائی	۵۲۔ غالب کی باتیں	شمس کمال
۳۴۔ مطالعہ غالب	سید سلیمان	۵۳۔ مرزا غالب کی شروعات	عبادت اللہ
۳۵۔ مرقع غالب	خیر محمد دہلوی	۵۴۔ غالب اداس کی شاعری	احمد اہل امیر دہلی
۳۶۔ ردغ غالب	ڈاکٹر محمد الہیہ قادری	۵۵۔ غالب کی نادر تحریریں	نعلیق حبیب
۳۷۔ مرکز بحث غالب	ڈاکٹر محمد الہیہ قادری	۵۶۔ غالب کے لطیف	مفتی اعظم دارالعلوم
۳۸۔ دیانت غالب	عبدالحق شفیق امروہی	۵۷۔ نگار خانہ غالب	عبدالحق امروہی
۳۹۔ نولہ غالب	الک عام	۵۸۔ ولایت مراد (شعر)	طارق سعید آبادی
۴۰۔ مطالعہ غالب	آفرینگری	۵۹۔ ردغ کلام غالب	میرزا تقی علی گاہی
۴۱۔ آخر غالب	قاضی عبدالودود	۶۰۔ دیوانہ غالب کا شعر	سید منظور علی غفر

چند اہم شاعرین غالب

● حالی	● نفاذی	● نیا دہلوی
● آسی علی	● سید محمد علی	● غلام عبدالکیم
● حسرت	● بیخود دہلوی	● ڈاکٹر محمد آفر
● نظم طباطبائی	● بوٹھری لیلی	● یوسف سلیم چشتی
● حیات	● آفرینگری	● شاعرانہ دہلی

۶۱۔ غلط طریقہ غالب	مرثیہ غلام زبیر ہیر	۶۹۔ غالب اسرار کی شاعری	۱۔ رئیس کاوش آباد
۶۲۔ انتخاب غلطیہ غالب	عبادت بریلوی	۷۰۔ غالب	محمد یونس خان مسعود
۶۳۔ شروع دیوانہ غالب	مشق احمدی	۷۱۔ تجویز اکرام غالب	سید درویش الدین علی
۶۴۔ دوجانہ ڈکٹ	پروست سلیم شفیق	۷۲۔ انتخاب غالب	امیر احمد علی
۶۵۔ مرثیہ غالب	شہاب الدین مصطفوی	۷۳۔ مرثیہ غلام	حضرت رحمانی
۶۶۔ مرثیہ غالب کی شاعری	نجمہ دیوبند	۷۴۔ اسرار علیہ قلب	دعوتی سجاد دہری
۶۷۔ انشا و غالب	مرثیہ غلام علی	۷۵۔ غالب سے سندھ کے ساتھ	احمد جمال پاشا
۶۸۔ جانہ غالب	دیوانہ غلام علی	۷۶۔ غالب کے قلم سے	شکر علی خاں
	انعام اللہ علیہ غلام	۷۷۔ مرثیہ غالب دکنی پورہ میں	سے حمید



۱۔ غالب اور مطالعہ غالب	۸۔ بچانہ غالب	۱۔ کوشش جلالی
۲۔ غالب آشفتمر	۹۔ غالب کوں ہے؟	سید قندت لغوی
۳۔ ذکرہ فکر غالب	۱۰۔ غالب کے بارے میں شخصیت	لطیفہ اشرف
۴۔ غالب کا چھاپہ داریان	۱۱۔ مقام غالب	میرزا کلیم
۵۔ غالب کی اردو شاعری	۱۲۔ غالب	پروست رحمانی
۶۔ غالب انسا و غلام علی	۱۳۔ غالب کی کہانی غلام علی کی بہانی	صبر علی
۷۔ غالب کے قلم سے انعام اللہ علیہ	۱۴۔ غلام علیہ غالب	سحر انصار

غالب پر چند خاص نمبر

۱۔ غلام علیہ	غلام علیہ	مرثیہ غلام علیہ
۲۔ غلام علیہ	غلام علیہ	مرثیہ غلام علیہ
۳۔ غلام علیہ	غلام علیہ	مرثیہ غلام علیہ
۴۔ غلام علیہ	غلام علیہ	مرثیہ غلام علیہ
۵۔ غلام علیہ	غلام علیہ	مرثیہ غلام علیہ

دیوان غالب اردو کے چند نمونے

۱۔ دیوان غالب	مترجم	۸۔ کلام غالب (نسخہ نثری)	عبدل قسودانی
۲۔ دیوان غالب جدید	نسخہ جدید	۹۔ دیوان غالب	بالک دم
۳۔ دیوان غالب	ظاہر المبین	۱۰۔ دیوان غالب	عشقِ مہجوری
۴۔ دیوان غالب	نکاحی المبین	۱۱۔ دیوان غالب (دیوانی کمال)	علی مسعود جعفری
۵۔ مرقعہ غالب	مستور عبدالرحمن چٹائی	۱۲۔ دیوان غالب	مستور عبدالرحمن چٹائی
۶۔ نقشِ چٹائی (دیوان غالب)	مستور عبدالرحمن چٹائی	۱۳۔ دیوان غالب	مستور عبدالرحمن چٹائی
۷۔ دیوان غالب	نسخہ المبین	۱۴۔ انتخابِ غالب	مستور عبدالرحمن چٹائی

تصانیف غالب

۱۔ خیانتِ اردو	ترجمہ	۱۲۔ لٹریچر فی	مستور عبدالرحمن چٹائی
۲۔ گزشتہ	ترجمہ	۱۳۔ نامہ غالب	طیغِ آمل
۳۔ دیوانِ اردو	طیغِ آمل	۱۴۔ عشقِ کاشانی (طیغِ بہار طبع دم)	مستور عبدالرحمن چٹائی
۴۔ دیوانِ فارسی	۔	۱۵۔ نکات و لطائفِ غالب (نکاحی)	مستور عبدالرحمن چٹائی
۵۔ پنج آبگ	۔	۱۶۔ قیغِ تبر	مستور عبدالرحمن چٹائی
۶۔ مہرِ خسوف	۔	۱۷۔ سببِ صبح	مستور عبدالرحمن چٹائی
۷۔ کاوند نامہ غالب	۔	۱۸۔ کلیاتِ شرف	مستور عبدالرحمن چٹائی
۸۔ دستِ بوس	۔	۱۹۔ عہدِ ہندی و کتابتِ اردو	مستور عبدالرحمن چٹائی
۹۔ قانعِ بہار	۔	۲۰۔ اردو کے مثنوی و کتابتِ اردو	مستور عبدالرحمن چٹائی
۱۰۔ کلیاتِ شرفِ غالب	۔	۲۱۔ سببِ بارِ دود	مستور عبدالرحمن چٹائی
۱۱۔ عشقِ مہجوری	۔	۲۲۔ دعاءِ الصباغ (طیغِ شرف و کتبِ سن و سال)	مستور عبدالرحمن چٹائی

مترجمین غالب

۱۔ پروینِ سحر	انگریزی میں	۴۔ عبدالرحمن طاهر سحر (اردو میں)	اردو میں
۲۔ صوفی نذیر احمد	۔	۵۔ رفیقہ خاتون	اردو میں
۳۔ صوفیہ سجاد	۔	۶۔ ساجدہ کمال و نور علیہ السلام	اردو میں

گوهرنایاب

دنا درویشکار

- ☐ فوراً نوشتہ شدہ عنوان نام تحریر کے کا ایک ورقتے
☐ غائبیت کا از اسلحہ
☐ مانتہ بقول قصیدہ
☐ روشداد و مستخدم مرزا غائبیت
☐ غائبیت کا ایکے شاہ و خط
☐ غائبیت کے ایکے میں مطبوعہ و تھری
☐ شاہیہ کا افزوئے خط

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

مرزا غالب

(خود نوشتہ ستوانہ عمر مجھے کا ایک سے وقفے)

جب بھوپال کے سرکاری کتب خانے میں مرزا غالب کے قدیم کام کا نسخہ ڈاکٹر انجمن دہلی اردو کی جانب سے اس کی ترتیب و نسخہ کلام ڈاکٹر صاحب دہلی بھونوی مرحوم کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس کے لئے بہت سی نئی نئی چیزیں بھیجی گئی تھیں۔ میں جلد ان کے ایک عجیب چیز خود مرزا صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اپنے حالات تھے جو انہوں نے کسی تذکرہ نویس کی مرافق پر لکھا تھے۔ یہ ورق کہیں سے سید انکار عالم مرحوم کے ہاتھ لگ چکا تھا۔ اور انہوں نے اپنی عنایت سے مرحوم بھونوی کو بھیج دیا تھا۔ اگرچہ یہ حالات انہوں نے اس طرز لکھے ہیں۔ جسے کوئی غیر شخص لکھتا ہے لیکن عبارت ڈرنگ صاف چارہ ہے کہ اس پر دسے ہیں خود مرزا قوشہ پائیا کر رہے ہیں، دوسرے ایک دو ہائیو وہ لکھ گئے ہیں۔ وہ مرزا کے دل کی ہیں، وہ دوسرا شخص کیا لکھ سکتا تھا قیصر نے خدا ان کا ہے، میرے پاس ان کے خط تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے ایک مشافہت پائی

ان حالات کے پڑھنے سے کم سے کم ایک بات قہقہے ہو جاتی ہے اگرچہ ان کے کلام اور مقامات میں لکھا ہوا اس کا ذکر آچکا ہے اور ایک صاحب نے جو مرزا صاحب کی صفت دہلی اور صاحب قلم کی نسبت دہرہ دیالات کے دوسرے، جو شخص حق قائم کیا تھا اس کی تردید خود مرزا صاحب کے الفاظ سے ہو رہی ہے۔

سید انکار عالم مرحوم نے ان حالات کے ساتھ "پیر" صاحبان جلد ۱ نمبر ۱ کا بھی ایک مطبوعہ ورق بھیجا تھا جس میں "تذکرہ سلاطین عالم" کا

غالبے کا زائچہ

تاریخ محمد علی

غائب کا یہ ناکچہ کلیات نظم و آرا سے لڑکھٹو لکھو مطبوعہ تاشقند میں مضافات کے محاذی شائع ہوا تھا جس مسئلہ کے مطبوعہ نسخوں میں موجود نہیں اور مسئلہ کا نسخہ میرزا کا طرح سے نہیں لکھا۔ یہ حال اس میں شبہ نہیں کہ یہ تقریباً اسی قوم ہے۔

”ناجیہ طالع و طارت سوارات مطالعہ جوامع، نائب قلم العالی کر“

الوقت شب چهارم و من پیش از طلوع صبح روز یکشنبه

”چشمِ نعلیہ مطالعہ آوازِ نعلیہ روئے دارد و شبِ انجمِ ابرو و منقہ نیز طالعِ قوس است که خطمیں دردی و آفتاب و زنب
در طالع واقع“

غالب پر لکھنے والے عام طور سے سب سے پہلے غزل لکھتے ہیں۔ ادا غالب کی دوسری تحریروں میں صاحبِ عالم اور وہ کاتھیا پر غزل لکھنے کے متعلق اس کی آواز نہیں اور صاحبِ ذیل لکھتے ہیں کہ میں نے غزل لکھی ہے۔

طالب^{۱۲۱} پر زخماں دی فرجایم ایب
ہم جمیہ عدو دارم و ہم زوقیہیب

آریخا دوات من از عالم قدس ہم "غوریں غور" آدمی "الفاظ"

پہلے غلام مر کے قتل چھپ جانے کے باوجود کوئی خبر نہیں پیدا کر سکی تھی کہ اس کے بارے میں غلام خاں کوئی افشاں کر رہا تھا۔ یہ افشاں غلام خاں نے ۱۸۷۱ء میں ہی کیا تھا۔ غلام خاں نے ۱۸۷۱ء میں ہی اپنے دوستوں کو بتا دیا تھا کہ اس کے بارے میں غلام خاں کوئی افشاں کر رہا تھا۔ یہ افشاں غلام خاں نے ۱۸۷۱ء میں ہی کیا تھا۔

یہ لیکن مت نہیں بھولے اس لئے "ظلمی" واقعہ کبھی نہیں ہوئے۔ لیکن ہے اور ہر قوم اس پر کٹھن ڈال سکتی۔

فالب کے نامہ جہاں شہوت اہل علم انھیں کو کلمہ سے بھی بڑھ کر کچھ بھی تھا اور نہ سولہ سو کے علاقے کو فتح کیا بلکہ ان کا انھیں نہایت فالب
 ویرانہ تھا۔

اس مسئلہ پر ایک دلچسپ بحث ہے کہ نائب کو جس قسم کے اختیارات، سارے مشائخ و علماء کا اور ان کے اصولوں کے لیے اصولی فیصلے کا کیا حق ہے؟

ہم پر حق مٹا کر وقتوں و نجاتی و محیتم

نیت و در علم و دانش است

یہ تاجک کہ جس نے بنالوا اور گلیا کے پچھلے اوڑھن میں کیوں نہیں ڈال کر لیا، اس کے پاس میں ہوا انعامات خاصہ غرض میں نہیں ڈالنے کے لیے اس نے

غالب

منصبی قصیدہ

مگر مرا دل کا نسر بود شبیر میلاد
 بہ طالع نہ عدم آدم بہ یافز وجود
 خروش مرگ کہ طوفان نا امید کی ہاست
 طالع نشاء بیم ہلاک طالع وقت
 بیم ناخسر و خشم خدائی مستولے
 نفسا عارض اسوار شکل زانچہ را
 گوی زانچہ کابین نسوز ایست از اسقام
 خود اصل طالع من جزوی از کمالیست
 خراج نہر بطالع اگر بہ فادہ نشانی
 ولی الہا کہ غریب ہاست نہ ہوا در قوس
 تو مرغی از اثر انتقام ہاروت است
 بہ صغیر ہی قنطہ را اشارہ باشد
 چہ دام روع و دعال را گذارش بہ وبال
 نہ ہر دہیکر تیرا شکار گشتہ بچہ
 بخت در شدہ ہم مشتری ہم مریخ
 یک ہیئت پیمرے کہ ناگز از غرورنا
 یک بہ صودت ترکی کہ از پے یغنا

کہ غلتش دہد از گور اہلو عصبیا یاد
 کہ رفتہ بود بہ نذرانہ عدم شداد
 غریب یاس کہ مرگے بہ نو مہار گہاد
 ہجوم عرض بلبلے تازہ عرض بلا د
 سہیم دشمن و بیو جا دیدہ حساد
 کند ز دود دل درو مند اخذ بلاد
 گوی زانچہ کابین جامعیت از احضاد
 کز دست نافک غم را جزا گوئد کشاد
 ہم انطاف طبع و ہم از عفاکے نہاد
 نشست بر رخ نقد قبول گرد گہاد
 کہ مر بطالع من جسورخ نہرو را جا داد
 ہفاک دحلہ دام و کیس گر صیاد
 چو صفر رنج دالم را فرا یس اش احمداد
 نسرورخ اخگر رخ شندہ و کئے نہاد
 یک کفیل صلاحت و یکی دلیل فساد
 بر کنج سومرہ داماندہ باشد از اداد
 ستیز جوئے در آید نخبان زباد

قر به نور که کاشانه ششم باشد
سیاه محشود و سپید ز سبیل کجوان
بدین دو نفس عجز تا چه شکل مستقل
بجهار میں کہ ہوسام پنجیں پایہ
کنند چہ ترک سنگ پر کشی استخوان
ز حوت ہیبت طوفان روح پرده کشا

مرا چہ سایہ سیاہست روز دشت تاریک
کہو در کج شمع و قرطاس پیسین سازم
نفس بہ لرزه ز باد غیب گلگشتہ
تو اے ستارہ ندانی کہ زخیم اذکار
ترا غیبت بسرمایہ گروانی گروہ
من دیگے تو نفع اوم و تا پسیل
فغان و حوصلہ دل شرارہ و ذخرا
من و ستم دل رنجور و انقضا طیب

ستارہ را ہمدرد را زان قنای قضاست

فلک کجای و طالع چہ و ستارہ کدام
غزل سہام و در ہر و جہیم از اندوہ

چہ نور خویش کند دستگاہ ختم زیاد
چنانکہ از اثر خاک تیسرہ گرد باد
کشیدہ اندر تریخ خویش دوا دما د
بہ ہفتیں درہ کجوان ہفتیں بنیاد
کنند چہ بند و رنج بر دین استمداد
عمیان نہ صورت چہ نہ انیس مر مراد

مرا چہ شعلہ ساقی است دود و دل غمخوار
گجے بہ ماتم دلش آگے بہ حسرت داد
نگاہ خیسرہ ز بنگامہ الم آباد
تو اے سپہرہ سخی کہ قرسم از بیداد
مراد میست بہ نیروی تیشہ نسرہاد
من و جفلے تو شاگرد و سبیل استاد
غبار و نا صیہ بخت جو ہر د فلاد
من و خطر رگ مجنوں و لشتر فساد

چنانکہ جنبش مزدانہ انامل نراد

کنم شکایت دشمن ز دوست شرم باد
قرانہ سخیم و بر خیزم از مرفیاد

بیگشوق عیان سخن بگرداند

بیا کہ نیست دعای بدید بیان و سواد

کا تھی۔ مغرب کی بیانی کی سیدہ بی بی تو آخر کار اسی کے داخل کر دیا۔ آئندہ کے تحقیقات میں دلی کے بعض اہل علم حالات میں اس بات کے اصرار کے لئے بلائے گئے تھے کہ جو مقدمہ دہلی کے عدالت کے ثبوت میں پیش کئے میں آئی اوراق قلم و دست نام مفہوم ہوتا ہے، یا نہیں، انھوں نے مختصر عزم کو مندرجہ پکانے کے لئے ان مقروءات کے ایسے معنی بیان کئے جن سے عزم پر کوئی الزام عائد نہ ہو۔ ان مولویوں کا مرنا سے دن جتنا تھا کسی نے پوچھا "حضرت انھوں نے آپ کے یہاں شہادت کیوں دی۔" انھوں نے اپنا قصہ سن کا یہ شعر پڑھا۔

بہ ہرچہ در گھر کی جڑ بہ جنس حاصل نیست

جہا رہے کئی میں شرافت نبی است

اس مقدمے کی پوری مسئلہ کی اتفاق سے میں دستیاب ہو گئی ہے اور مولوی میں تمام و کمال شائع کی جا رہی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس مقدمے کے تمام حالات بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔ اس مقدمے کے دوران میں مولوی ضیا اللہ علی کی پیشی کے وقت کسی نے حاکم عدالت کے کاتب کا کہنا کہ "تو تھے حضرت ادا کی میں" نہیں کر سکی تھی پلٹے پلٹے اپنے گھر آیا جی ہمارا اس زمانے میں دہلی سے جی اگر خیر ہی اپنا رخصت ہو گئے تھے اس میں جہا رہی شہادت کو ایک خود بھی تھا میں کا کتبہ نگار جسے تھپ سے لکھا ہے۔

"میں سخت حیران و پریشان ہوں کہ اس سبب کثرت مولوی ضیا اللہ علی کو کس بنا پر کر دیا اس رعایت سے کاتب کے ساتھ خود ہی ہوئی کہ سوامی میں بنیت معزز میں، بنیت گورنر کے دربار میں، انھیں مولوی ضیا اللہ علی سے اونچے درجے پر جھکا گیا تھا یہ پورا اگر خیر ہی تھا۔" سالہ اردو اکوڑ کے پہلے میں ہم شائع کر چکے ہیں۔ اس علمی حلقے کا ترجمہ یہ مرحلہ بھی مقدمہ تھا۔ اس کی سبلی جاننے سے مقدمے کی پوری کیفیت صحت کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔

مسودے کی عبارت کفر کے لکھ ہے۔ دہلی کا مقام پر ایک آدمی نے لکھا ہے کہ اس کے متعلق ثبوت میں حسب ضرورت مراجعت کر دی گئی ہے اور جہاں شہادت اور ان کو سین میں سوالیہ (۹) علامت بنا دی گئی ہے

بیش گاہ صاحب امی سرشت

چونکہ مقدمہ ہات نو چار دی خبری مشراٹھان صاحب پیش ہو تھیں یہ مقدمہ ان صاحب بہادر کے اجلاس میں پیش ہوا اور صاحب عزت وغیرہ کو کہاں صاحب بہادری جانتے ہیں یہ خط ہند مت مشراٹھان صاحب بہادر پیش ہوا ہے

۲۰ میر شمس الدین

صاحب داد صاحب عالی خان سرخپہ لعل و اسماں صاحب ڈیٹو کفر بہادر دلی و ام آقا بہادر عرض مدارے تعظیم و تسلیم کن کر میں کہ مجھے ایک شخص پر ادا لیت حریفی کا نشانہ کرنی منظور ہے اس واسطے اگرچہ میرے مدارے عزت آپ کو خوب معلوم ہیں لیکن چونکہ اس دعوے کے بیان میں اگر بیان میں حق کا فروغ ہے لہذا عرض کیا جا رہا ہے کہ میں تمام لائق ہوں اور میرا خود عالم کے بہترین فرما ہے کہ "آپ اور میرا سبب شفقت و رحمتوں کا نو کر رہا ہے کہ میرا میرا عبداللہ علیک تھاں بہادر سرکاری قتل داری سے پہلے ایک ڈاکو میں لگا گیا تھی میرا عبداللہ علیک تھاں بہادر جرنیل ایک بہادر کا رفیق مع چار سو سوار کے سرکش میں نہ کی

حکم ہے۔

فیاض موری کی ہائے اور کئی چھ کتاب پیش کرے
بشاپ عالی۔

۱۵ دسمبر ۱۹۶۵ء

جو حالِ حرکت و اقدام میرے نوکری کا اور نہت ہیں، اس کی تصریح و دفاع سرکاری اور مذہب و عقائد کے پیشانی حکام، خصوصاً سیکریٹری
گورنمنٹ پنجاب و وزیر اعلیٰ کے ذریعہ ہند سے ہوتی ہو سکتی ہے۔ مگر اس میں اللہ کی راہ میں، حالِ مدد میں کیا گیا کہ ایک کتاب
"فائض اللہ علیہ" برہان مضبوط و حکیمانہ تعریف کی اس میں ایسا الفاظِ شائستہ، جگہ شام، غلط نسبت، سوکھ قیود، کچے ہیں
اور اس کتاب کو چھپوا کر شہر کیا ہے کہ میں سے ایک نامی کو نقصان پہنچے گا باعثِ ہوا و بارِ ارضیت کہ میں کی تعریف و فخر ۹۹ تعویذات
ہند میں درج ہے و قریب میں آکر ہے پس دعا علیہ و کتاب اس پر جو کہا میں کی سزا تعویذات ہند کے ۵۰۰ اور ۵۰۰ میں قرار پائی ہے۔ لہذا
ایمانداروں کے ہر تحقیقات و معروضہ قند کے دعا علیہ کو سزا سن، جو دولت و فخر و فرائی جاوے کہ آئندہ عزت و امان سرکار کی مظلومیت
کا جو ہے۔ نرا وہ دعا ہے۔

تفصیلی الفاظِ شائستہ و فخر و کتاب کہ میں سے آئندہ حیثیت کا ہوا و فخر نمبر مضبوط،

نمبر صفحہ	الفاظ مزید حیثیت
۱۳	ہاں ہے چارہ چہ حرکت باکرونی کردہ است
۱۴	پیشِ حاکم وقت و فخر زخمِ نہائی خوشی و انما یہ
۲۳	ایں خرمینِ لندنی و سیرِ پشتِ خودِ نہادہ است
۲۴	ہو دشنامِ پردازم
۳۰	میانِ خونِ جیشِ غوطہ خور و
۴۲، ۶۷	کلِ کبریا پادشاهی درجی جا قسمر بہ کارِ مرد و
۴۶، ۵۱، ۵۲	سبلی و گردنی ہاں ہاں سے اونیا و نہند
۵۱	قصدِ باید کشا و سماجِ قس و نو گرد و
۶۱، ۶۲	ہی بعلی
۶۶، ۶۷	از حجابِ کبریا پادشاهی بہ دلیارِ میدہ است
۷۰	معرضِ از ہی عضو و فخر و دہ است
۱۳، ۱۴	

طاووس کی اور بہت جگہ ایسا الفاظِ غیبی، غلط کتاب سے خارج رائے عالی ہوں گے۔

کتری عرض اللہ و کل اللہ فی حق و سرکاری طرفہ نرا تو شہ معروفہ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۵ء

شہ یہاں سے غالباً سندھ و جنرل الفاظِ شائستہ میں ۵۰ جواب کا مطلع

یہ ممکن نہیں۔ ۲۳ جنوری ۱۲۵۷ء
دستخط

صاحب والا خاقان عالی شان سرچشمہ عظمیٰ دامادان ٹیپو کٹر بہادر و علی زاد شوکت

بعد تعظیم و تکریم و انجمن آراء و فی الجملہ صحت کثیر الاوقات انعام میں ہے کہ تم کو فی الجملہ عظیم ہے کہ میں نے یہ دعوات غرضی
عزیز الدین صاحب کے عدالت نوٹ داری میں غرضی ثابت پیش کیا اور کالات تہہ قصد جی ہو گیا اور میری خط میں وکیل کے حضور میں گزرا
اسپتہ نے وہ مقدمہ تجویز کے واسطے صاحب والا مقدمہ کا کتب صاحب بہادر کے سپرد کیا۔ میری خواہش تھی اس میں لکھی کہ وہ مقدمہ آپ تجویز
کرتے۔ اب یہ مقدمہ گزرا رہی استدعا کرتی ہوں کہ کافات مقدمہ وہاں سے منسلک نہ جائیں اور حضور کے سامنے پیش نہ جائیں تاکہ
رحمہ اللہ میں دعا ہے کہ آپ کا حکم شہادہ کو جائے اور بعد اس کے حاضر ہونے کے یہ صاحب اس کے واسطے یہ وکیل کے مقدمہ تجویز ہو کر میری دعا کا
ہوا اور دعا میں کو سند سے سخت لے تاکہ پھر کوئی ٹھوڑا آدمی نہ آئے کہ ایسے کلمات غرضی نہ سزا دے۔ یقین ہے کہ آپ اس پر غور فرما
تدبیر کی عرض قبول کر لیں گے۔ اور یہ بات محمد میری والدہ دینی فرمائیں گے فقط

راحمہ اللہ خاں غالب
۲۳ جنوری ۱۲۵۷ء

جو کہ ہمارے تہہ جی اس فیصلے سے ہو گیا

حکم ہوتا ہے کہ

میرے بعد یہ حضور صاحب ٹیپو کٹر بہادر پیش ہووے

تقریر ۲۰ جنوری ۱۲۵۷ء
دستخط

انجمن گاہ مسٹر اور میری صاحب بہادر

حکم ہوتا ہے کہ

۵ فروری ۱۲۵۷ء

پر سوال کے واسطے دعا ہے کہ اس میں حق ہووے۔ فقط

غرضی مولیٰ امین الدین دعا ہے کہ باج مقدمہ ثابت غرضی مرزا اسطغر خاں غالب مدنی کے معروضہ تہہ جی راہ فروری ۱۲۵۷ء
(اس کی نقل کی چند اس ضرورت نہ تھی اس واسطے نہیں کی گئی)
اطلاع نامہ مولیٰ امین الدین اس کی نقل نہیں کی گئی

انجمن وکیل مدنی

۴۴ میرا عزیز الدین وکیل مرزا اسطغر خاں عین مرزا نوٹ

تاریخ اتفاق میں امین الدین نے صلہ ۱۴ میں لکھا ہے کہ صاحب بہادر میں چلے کہ یہ حرکت نامہ دینی کہ وہ است تہہ دیگر معروضہ غرضی

ہے "پیشِ حاکم وقت نہت زخمِ بہانی خوشی دا غائب" تا کو پڑھ کر کہہ "صفحہ ۲۲ کی سطر ۱۱ میں ہے "ایں خوشییں خند و خیر دا بر پشتِ خود بندہ است" صفحہ ۲۰ میں ہے "سیرانِ نونِ حسیٰ خودِ خود" صفحہ ۲۲ کی سطر ۱۱ میں لکھا ہے "گالِ اکبر کا بار کاودی" کا سطر ۱۱- صفحہ ۲۰ کی سطر ۱۱ میں لکھا ہے "سکھ و گردی دا لہجہ" اور یہاں دہخند "صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے "تھکد یادِ کشاد" تا جو پڑھ کر کہہ "صفحہ ۲۱ کی سطر ۱۱ میں لکھا ہے" (۱) غلطی... صفحہ ۲۲ کی سطر ۱۱ میں لکھا ہے "آزخراہِ اکبر کا دیوے" دلی رسیدہ است "صفحہ ۲۱ کی سطر ۱۱ میں لکھا ہے "مقرر غرضیں موصود تھے ویدہ است" ملا وہ اس کے جو جو لکھے اور لکھا ہے وہ غلط ہیں گزارش ہے۔

خلاصہ

اگر ایں غلطی تہمتِ راجا حاکمِ صنعت کی وید، پڑھا ہے گویم گوشِ گوشِ کار ہے۔

صفحہ ۱۳۷
سطر ۱۵-۱۶

لفاضِ خواجہ جن اور دستِ ہر کس ما نشانِ مہر دم
مقرر غرضِ خایہ راجہ گرفت، اگر ہائے ترکیب نامِ خوشی گزشتہ بندہ
جستجو غرضِ مایا و کردہ است در قصہ بوزنِ راہِ انجسار
آوردہ است

۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸

گوشِ لبِ چرا گویم دستِ خواجہ برید و زبانِ پتلا خواجہ
کشید

۱۳۹

گوشِ اوازِ نا گوش بر کند یا بہ سودا نشی بیخے زندہ

۱۴۰

ان الفاظ سے اور عبارت سے ازاں کیفیت ظنی میرے ٹوکل کا ہے۔ میرے ٹوکل کے بزرگ ہائے کبریا باد کے تلے
فہرست گماں کن و داخل کروں گا۔

یہ انکارِ ہمارے اجماعِ سلامت میں بدعتِ حکم ایں جانبِ تحریر جو کہ نظر کو بزرگانِ ادب سے کو وہ بھٹا ہے پھرتا یا
گیا۔ اگر کیا، سمجھ ہے، مدعا علیہ نے سوال نہیں کیا۔

حکم ہے کہ وہی فہرست گماں کن و داخل کرے۔ سوائے "مقا طع الفاظ" کے باقی کتاب میں وہی ہیں۔ چنانچہ وہی ہیں۔
بر قریب ۱۹۶۵ء

جناب حالی

مجھ تکہ صحت کو نقلِ الفاظ ہائے گورماندہ مدنی و اس کے گورنے کے لئے مطلوب ہیں، لہذا بذریعہ گزارش درخواست بنایا اور
نقلِ جملہ الفاظ ہائے گورماندہ مدنی قندہ کو عطا ہو جاویں۔ فقط

مولوی امین الدین

سلہ ایں غلطی در حقیقت ہر وہ علت از سرِ تنک و کج نشانِ می دم

نجات نامہ از جانب مولوی امین الدین اسی انجمن سہا کے وکیل (نقل نہیں کئے گئے)
نہرست گواہان مولوی امین الدین مدرسہ کس پٹیا لہ

۱	مولوی ضیا الدین صاحب	۲	مولوی سعید الدین خان صاحب	۳	حکیم شمس اللہ خان صاحب
۲	پروفیسر عرفی مدرسہ سرکاری۔	۱	استاد محمود (۹) صاحب سیکرٹری اعظم	۶	مولوی نور حسین صاحب
۳	محمد حمید الدین خان صاحب عزت محمد فہیم صاحب	۵	مولوی امیر احسن صاحب		
	مولانا قمر الدین صاحب				

نہرست گواہان مرزا اسد اللہ خان خاں

۱	مولوی فٹلی سعادت علی خاں صاحب	۲	ماسٹر چارے لال صاحب سیکرٹری
۲	مدرسہ کالج دہلی	۳	مولوی لطیف حسین صاحب مدرسہ
۵	مولوی نصیر الدین صاحب مدرسہ		
	مدرسہ دہلی		
	مشائخ حکیم چند صاحب مدرسہ کالج دہلی		

اطلاع نامہ ۱۰ مئی ۱۹۰۱ء گواہان فریقین کے جن کی نقل نہیں کی گئی۔

نام پیر الدین ولد مولوی امین الدین قوم شیخ ساکن پٹیا لہ عمر ۵۰ برس پیشہ مدرسہ
چلانہ کے

میں نے دیا نہیں کہوں کہ میں ان انا میں عینی مدعی کا ہوں۔ یہ کتاب قاطع القاطع تفتیش میری ضرور ہے۔

سوال — فرو قرار وادجوم تم کو رسائے جاتے ہیں تم رنگب نما قرار دادہ کے جوتے یا نہیں؟ تمہارا کیا جواب ہے؟
کوہنگر صفائی کرو گے؟

صفحہ ۷۶ میں لکھا ہے "اگر سے انخرایہ اکبر کا پیر جو ہے بدیہی دیندہ۔" یعنی اس کے یہ ہیں کہ اس کا پیر اکبر کا پیر سے ایک تو وہی ہیں جو پہنچا
سوائے اس کے اور کچھ سنے میرے نزدیک نہیں ہیں۔

صفحہ ۷۷ میں لکھا ہے "غزو" لغوی معنی اس کے ہیں جسم کا کوئی حصہ مگر یہاں مراد غزو تامل ہے بدیہی مراد مگر معترض نے اس غزو سے مراد
غزوے میں اور یہ بیان محقق کا سمجھا ہوا۔

صفحہ ۱۰۲ میں لکھا ہے "یہاں کہ جو گرم گوشش ی برے" معنی یہ ہیں کہ نال کو کیا کہوں کان لکھا ہے "گوشش" یعنی نصیر بہ طعن معترض ہے
صفحہ ۱۰۳ میں لکھا ہے "نہایت طراوت میں اناراست ہر کس را حقان می دم" اس کے معنی میں نہیں سمجھتا۔

صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے "خایہ" یعنی اگر کثرت اس مقام پر "خایہ" کے معنی غزو تامل کے ہیں، اگرچہ معنی اس کے خایہ مراد بھی ہیں۔
صفحہ ۱۰۵ میں جو نقطہ صحت سوانح آ لکھا ہے اس سے مراد قصہ ہے۔

صفحہ ۱۰۶ میں لکھا ہے "جہنم خوس را پیر کردہ است و در قس ہر ذرا بہ اظہار آورده" معنی یہ ہیں کہ خوس کے کوٹے کو پیر لکھا ہے۔
اور ہند کے ناچے کو قاتل لکھا ہے۔

یہ اظہار چار سے اتمام سمیت ہیں، یہ دلائل حکم ای جانہ تحریر ہو کر اظہار کو بہ زبان اردو میں کوں سمجھتا ہے پڑھ کر متا گیا، اگر کیا
صحیح ہے۔ یہ دلائل کے سوال کا جواب لکھا گیا۔

اظہار گرامر مدنی بہ اقوال صاحب: اجلاس مشرا و بری صاحب بہادر مرقوم ہر ۱۰ دین ۱۳۵۶
نام میرزا لطیف حسین ولد حکیم محمد حسین خاں شیخ مدرس عربی قدسی ساکن کوچہ حکیم بقا، انڈیا طرہ ۳۰۰ ص ۱۔

بیان ہے

صفحہ ۱۰۷ میں لکھا "حرکت نکر دلی" "دلی" کے معنی میں غن و فتنہ غریب کو کوئی پٹے سے بے غنہ ہے۔

سوال کا جواب ہے۔ ان الفاظ کے معنی اور بھی ہو سکتے ہیں۔

جواب تحت غلطی معنی اور بھی ہو سکتے ہیں گس مقام پر بھی معنی ہیں۔

صفحہ ۱۰۸ "زخم نہانی" کے معنی اس مقام پر "اسام نہانی" کے ہیں اور ضرب سے وہاں لکھا ہے "اسام" سے ضرب ہوئی ہے۔

صفحہ ۱۰۹ میں لکھا ہے "متر معنی" اس کے معنی کہ حلیہ "بدقون" یعنی اس کا کہ معنی نہیں دیتا اس طرح میں لکھا ہے "بدنام" بدنام
یعنی اس کے معنی ہیں کہ گایاں دون۔

صفحہ ۱۱۰ میں لکھا ہے "میان خویض خویض غور" "خویض" یعنی دریاؤں کو کہلائی کہتا ہے "ناپاک" ہے لگائی نہیں ہے نہ کدورت ہے
اس کے معنی نہیں ہو سکتے۔

صفحہ ۱۱۱ میں لکھا ہے "ہر سوراخ پہننے نہ" اس مقام پر سوراخ کے معنی مقصد کے ہیں۔ عقلی معنی مجید کے ہیں "سوراخ" کے معنی
کی نصیر بہ طعن معترض ہے۔ گس مقام پر میرزا دالست میں معنی مقصد کے ہیں۔

صفحہ ۱۱۲ میں لکھا ہے "کمال اکبر آردی" اگر ضم سے پڑھا جاوے تو کمال اکبر لگتی ہے پڑھا جاوے تو معنی "فروش" اور "پیر" لکھا ہے
لکھا ہے "پیر" گردنی ہا ہا "پیر" اور "پیر" معنی یہ ہیں: "پیر" اور "پیر"۔

صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے: ”دستِ مایہ میں دلایہ مایہ و تمام یاد رکھنا ہے“

یعنی وہ جس کی فکر فطری ہو۔ اور کچھ سمجھ نہیں ہوتے۔

صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ ”تقصیر بابت کشادہ جوش و خروش“ یعنی تصدیق کرنا چاہیے تو جوش و خروش کا ہونا ہے۔

صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے ”فطری“ اس کے معنی یہ ہیں کہ ”فطری“

صفحہ ۱۵ میں لکھا ”مستخرج از بی“ مستخرج سے مراد ”مستخرج“ ہے۔

صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے کہ ”یعنی جو کچھ کو شش ہی پر ہے“ ”کو شش“ کی تفسیر ”مستخرج“ ہے۔

صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے ”کیا مت لکھا ہے“ ”کیا“ کا مطلب ”کیا“ ہے۔

سوال مدعا علیہ — ازار کے معنی اوزار ہیں؟

جواب — مجھے معلوم نہیں۔

صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے ”تفہیم“ ”تفہیم“ کے معنی ”تفہیم“ ہیں کہ ”مستخرج“ ہے۔

کہ ”تفہیم“ کو کس واسطے دیا اور ”تفہیم“ کا ”تفہیم“ کی جگہ ہے۔

صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے کہ ”تفہیم“ ”تفہیم“ کا ”تفہیم“ ہے۔

تفہیم کی جگہ کی طرف وہ شخص کو دیکھو اور ”تفہیم“ کا ”تفہیم“ ہے۔

صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے ”کو شش“ ”کو شش“ کا ”کو شش“ ہے۔

”کیا“ کی جگہ ”کیا“ ہے۔ ”کیا“ کا ”کیا“ ہے۔

جواب — ایسی عبارت صحیح ہو۔

سوال مدعا علیہ — ”تفہیم“ آپ نے دیکھی؟

جواب — میں نے دیکھی۔

”تفہیم“ کا ”تفہیم“ ہے۔ ”تفہیم“ کا ”تفہیم“ ہے۔

سوال کا جواب لکھا گیا ہے۔

تفہیم کا ”تفہیم“ ہے۔

نام میرزا نصیر الدین ولد محمد علی الدین خرم سید ساکن کوچہ چنڈتہ عمر ۳۳ سال پیشہ روزگار

کھانا ہے۔

”تفہیم“ کا ”تفہیم“ ہے۔ ”تفہیم“ کا ”تفہیم“ ہے۔

”تفہیم“ کا ”تفہیم“ ہے۔ ”تفہیم“ کا ”تفہیم“ ہے۔

جواب لکھا گیا ہے۔

سوال مدعا علیہ — آپ مدعی کے شاگرد ہیں؟

جواب — میں شاگرد نہیں ہوں۔

صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے ”بدستام پر دھم“ یعنی اس کے یہ ہیں کہ گاہیاں دونوں

صفحہ ۲۰ میں لکھا ہے ”میں نولین فیض غور خود“ یعنی نولین فیض کے وہ ہیں کہ بکثرت کوا، ہوا، اذام، ٹھنڈی سے پیدا ہوتا ہے یہ بھی نہایت

لجس ہے اور تباہ کن ہے اور ایسا لفظ آج تک استعمال میں نہیں آیا۔

صفحہ ۲۰ میں لکھا ہے ”گوش اداں جاگوش“ یہ کشتی یا سورنشی سے لے کر ”سورنشی“ سے مراد مقصد ہے اور یہ ہے ”عام حواس ہیات کو

پہ میں کے سمجھیں گے۔

صفحہ ۳۲ — ”کولن کبرا ادا“ قسم سے ملو کھار سے ہے اور ”نولین“ سے ملو ”خراب کش“ سے ملتا ہے۔ اس مقام پر دونوں جملے ہر یک

میں ہے یعنی ”نولین“ سے ملو ”خراب کش“ سے ملتا ہے۔ ”نولین“ میں ”نولین“ سے ملتا ہے۔ ”نولین“ میں ”نولین“ سے ملتا ہے۔

صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے ”تصدیہ کشایہ“ کا جو لفظ ”تصدیہ“ اس کے معنی ہیں کہ ”مخفی ہو گیا ہے“ ”تصدیہ“ کوئی چاہیے۔

صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے ”از غراں کبرا ادا“ سے ملو ”ریدہ است“ یعنی ”نولین کبرا ادا“ سے ملو ”ریدہ است“ سے ملو ”ریدہ است“ سے ملو

صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے ”مسترض ازہی“ ”مسترض“ سے ملو ”ریدہ است“ سے ملو ”ریدہ است“ سے ملو ”ریدہ است“ سے ملو

صفحہ ۱۲ میں لکھا ہے ”گراں“ ”گراں“ سے ملو ”گراں“ سے ملو ”گراں“ سے ملو ”گراں“ سے ملو ”گراں“ سے ملو

اس خین کی ہر طرف تہمت نہیں ہو سکتی۔

صفحہ ۱۳ میں لکھا ہے ”نصافت خواہ میں اتان راست“ ”نصافت خواہ“ سے ملو ”نصافت خواہ“ سے ملو ”نصافت خواہ“ سے ملو

لکھا ہے ”نصافت خواہ“ سے ملو ”نصافت خواہ“ سے ملو ”نصافت خواہ“ سے ملو

اس کے بعد صفحہ ۱۴ میں لکھا ہے ”مسترض خایہ“ ”مسترض خایہ“ سے ملو ”مسترض خایہ“ سے ملو ”مسترض خایہ“ سے ملو

میں جو کوئی ہے گا وہی اس کے معنی ہونے لگے گا۔

صفحہ ۱۴ میں لکھا ہے ”جستجو خوس“ ”جستجو خوس“ سے ملو ”جستجو خوس“ سے ملو ”جستجو خوس“ سے ملو

اور بند کے چھٹے کوا دیکھا ہے۔

صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے ”گوش درین“ ”گوش درین“ سے ملو ”گوش درین“ سے ملو ”گوش درین“ سے ملو

کاتے کا اور زبان ساتھ کسی کے کچھ لگا۔

سوال ان طرف وکیل مدعی — یہ الفاظ کس کی طرف بیان کئے گئے ہیں؟

جواب — وہ بچہ دیکھ کر یا کتا کتا ہوں کہ نسبت مرزا اسلاٹ کے ہیں۔

یہ الفاظ نوشتہ اچھا گاہ ہمارے اجتماع سماعت میں رہا یہ حکم میں جانب تحریک ہو کر ”نولین“ کو زبان مدد میں کوا دیکھا

ہے ”نولین“ کو دیکھا۔ ”نولین“ سے ملو ”نولین“ سے ملو ”نولین“ سے ملو

۴۴ میں حکم چند دلدل نام ویاں قوم پیر ساکن کھاری کوئی عمر ۳۶ برس کی۔

بیان ہے کہ

صفحہ ۱۳ میں کتبہ ہے حرکت نامہ کی کردہ است اس کے معنی ہے کہ جو حرکت کرنے کے لائق نہیں ہے وہ کہہ دینی افعال کیا ہے دوسری جگہ لکھا ہے ”نعم جنائی“ کوئی دعا غایت ”نعم جنائی“ ہائے خصوص سے مراد ہے۔ میری باتیں میں بھی تھے کہ میں نام لوگوں کو میں نہیں کہہ سکتا ہوں اگرچہ میں نے یہ سنے ہیں کہ جن کے لفظ ہوتے ہیں وہ سبھی میں نے سنے ہیں۔

سوال مدعا علیہ — تمہاری تعریف پر مرزا نے تصدیق کی ہے

جواب — ہاں کہی ہے اور دیگر کام نے بھی کہی ہے

صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے ”مشرقی علی“ اس جگہ مرزا اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے کہ ”میان خورین“ خود خود اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے ”بسمو خشی“ کے معنی ”سورج“ کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”کمال اکبر“ اگر لفظ عربی ہو تو ”معنی“ مستحق اور اگر یہ ضمیر ہو تو ”میں“ لکھا اور اگر یہ فتح ہے تو ”میں“

کے کتب دوسری جگہ لکھا ہے ”میں“ اور دوسری جگہ ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”مگر خدا“ اگر لفظ عربی ہو تو ”میں“ لکھا اور اگر یہ فتح ہے تو ”میں“

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”میں“ اس کے معنی میں جو تھے لفظی ہیں۔

صغیر ہم میں کھیلنے لگاں گھر آباد کیا ہے سچے فروغی، مگر اس شخص کے واسطے جو دائم الخمر و عیوب ہے بلکہ مرگنہ کا شکار و گناہ کے کش ہے جو شراب و نیچر سے اس کے نزدیک عیب ہے۔ مگر وہی دائم الخمر ہے اس واسطے اس کی نسبت کچھ فحش نہیں ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے "بیل و گرنہ کی پامال سے اور نیچر و نیچر" یعنی یہ عیوب ان کے آپس اور واسطے ہی ہے۔

منوادی کا ہے کہ قصہ پایہ کشادہ غادر و دزد مرگے کہ ہر شخص کلام نہیں ہے۔

منصور! میں جتنی بھی غصہ کرتی ہوں اس کے لیے یہ ہیں لڑکیاں۔

صفحہ ۶۶ میں لکھا ہے "از غرائب کتب کبرا بدو جو ہے بر دلی رسیدہ است" یہ صفت ایسا نام ہے کہ اس جگہ معنی زمین کے تمام اچھے طرح
 ہو سکتے ہیں۔

صوفیہ میں کہا ہے "نقطہ" درجی عضو اس ازجی عضو کی ہمیں طرف قریب چرتی ہے عضو سے مل کے طرف لگ کر کی کافی نہیں ہے۔

صفحہ ۱۲۷ میں جو لکھا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خوب اس کو سزا دینا۔

صلو ۱۳۱ میں لکھا ہے: "نظارۂ دارا اس کے تھنے عربی میں چادر کے بی گرجہ کا میں پاجامے کو کچھ بی بہ کتاب فارسی اور کچھ چادر
تو بہ سنو چادر بی سمجھا جاوے گا۔"

سنہ ۱۳۶۲ میں غلط "خارج" لکھا ہے، یہ بھی صنعت ایبٹ آباد ہے مگر اس مقام پر جسے ہیڈنگ مرنے کے ہیں۔

صفحہ ۱۴۳ میں جو لکھا ہے اس کے معنی ہیں اور ایسے مقام پر یہ عبارت کہیں آتا ہے کہ جو حرکت یہ مہاجرین میں آتا ہے جس کے قریب

مسئلہ ۱۷۷ میں جو عبارت لکھی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ حاکم خوب سزا دے گا۔

عہارت متخاڑہ کو ہم لطافت اور خوبیاں پانا کرتے ہیں اور ایسی قوموں میں دشنام یا ہتک نہیں سمجھتے۔

یہ اظہار گواہ کا ہمارے احکام سے اجازت میں ہدایت حکم کی جانب تشریح ہو کر مظهر گو یہ زبان اردو میں گوارا سمجھتا ہے۔ پتہ دکر مستند کیا گیا اقرار کیا صحیح ہے۔ دعا علی نے سوال نہیں کیا۔ فقط

چاہے پتہ نہ ملے، اگر کوئی شخص ہے۔ دعا علیہ نے سوال نہیں کیا۔ فقط

(انہار گوار، علی دھالیہ بہ اقرار حاکم بہ اجلاس منسٹر اور برجن صاحب بہادر واقع ۳ مارچ ۱۹۴۶ء)

نام سید الدیوبی والدہ کا نام رشید الدیوبی قوم شیخ ساکن نئی امام عرقین، بھیرس کا

4

ہیں۔ ان دونوں میں اس کتاب کو دیکھا ہے، صفحہ ۱۳ میں لکھا ہے کہ محرکات: تاہر و فکر و طاقت۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ "حرکت" بمعنی جہا اور "تاکر" قی" بمعنی جاساؤ گئے اس کے اور کچھ حصے میں ہے خیال میں ہمیں اتنے نقطہ "زخم جہانی" کے حصے "زخم پوچیہ" ہیں، یعنی "زخم اندرونی" اگر یہ میل ملے تو کوئی اور حصے ہوں تو مجھ کو معلوم نہیں۔" حضرت! کشیدہ کے معنی ہیں کہ کچھ ساما گیا ہے۔

صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے کہ ”قریباً“ اس کے معنی بدقتوں کے ہیں۔

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے کہ میان خون حیض غوطہ خوردگار اس کے منہ سے پانی کی بجائے کہ وہ سراسر افروزی کہیں ہے کہ میں میں چھنسی گیا۔
مذمت اس کا کہتے ہیں کہ ایک چیز میں چھنسی گیا۔

لے میر محمد حسین نے کئی بار چارہ غلامی پر لگا دیا تھا پر کارائی تھا کچھ نہیں ہوا۔ دست و پانوں

سوال: ذوقِ شاعری۔۔۔ ریاض الرجال کے معنی کیا ہیں؟

جواب:۔۔۔ ہر گوئی کے

صفحہ ۲۰ میں لکھا ہے کہ گوشت اور ہڈی گوشت پر کھنکھاہٹ اور سوکھنے سے ذوقِ شاعری کے خیر کی خیریت طوط گوشت ہے، معنی اس کے تحت نقل کیا۔

سوال: وکیل دیکھا۔۔۔ اگر سوکھنے کے خیر کی خیریت طوط گوشت پر تو کبھی ایسے الفاظ سخت ہو گئے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔۔۔ کچھ سخت الفاظ نہیں ہیں۔

صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے: "کمال پر کڑواؤ اردو میں کمال سے فروش کو کہتے ہیں مگر یہ کتاب نظر میں ہے" اس واسطے کہ مجھے نے نو خیز نقوش پر موفی و شکر طرزا کے ساتھ یہ ہوا کلام ہے۔

سوال: وکیل دیکھا۔۔۔ تحت نقلی معنی کیا ہیں؟

جواب:۔۔۔ صاف ہیں۔

صفحہ ۶۸ میں لکھا ہے کہ "ذوقِ شاعری" ہر لائق شاعر کا اور ہر لائق شاعر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی شاعر کے نفس میں اگرچہ ایسا ہے کہ اس کو مستحق کے باوجود اندھ کو کہ لائق شاعر ہیں۔

صفحہ ۷۵ میں مستحق میں ایسا عضو حد سے دیدہ و مستحق یعنی یہ لائق شاعر کا طبع پرمان یعنی اس جگہ معنی عضو کے عضو کا معنی لکھا ہے اور لگتا ہے کہ اس عضو کو دیکھا ہے نصف اس کتاب کا لگتا ہے کہ مستحق نے اس عضو کو دیکھا ہے۔

صفحہ ۷۵ میں جو عبارت لکھی ہے: "ایسی چیزیں تھمت، ماحکم نصف، لکھنے میں چھ لکھنے کو خوش می برے" اس کے معنی صاف ہیں اور معنی اس کے تحت نقل کیا ہے اور سرے نصف لکھا ہے کہ حاکم سزا کرتا ہے اور شے نہیں۔

صفحہ ۱۳۱ میں لکھا ہے: "بہداشت خواجہ میں انذار است ہر کس مانتان می دہد" "انذار" معنی تہجد کے ہیں، اور تہجد کے نہیں؟ صرف معنی بہشت ہے۔

صفحہ ۱۳۲ میں لکھا ہے: "غایہ" کا اس کے در معنی ہیں، ایک ہی صفت کے دو سرے قصیدہ طرح پر کہ اس مقام پر لفظ غایہ خود "اس واسطے" معنی اس کے اس مقام پر تہجد کے ہیں۔

صفحہ ۱۴۳ میں لکھا ہے: "جستجوئی سبایا و کرد و است و نقص پوزندہ و انذار و دودا" اس کے معنی حرکت انوار کا کہ ہر دود کا لکھا ہے اس میں جو لکھا ہے اس کے معنی تحت نقلی صاف ہیں۔

سوال: عدالت۔۔۔ جو فقرے آپ نے پڑھے ہیں آپ ان کو کیا سمجھتے ہیں؟

جواب: میں فقروں کو عدالت سمجھا ہوں، بحث میں ایسا ہی فقرہ ہوتا ہے، فقیہ یا بد نامی کو کہا نہیں ہے، نہ کسی کو کہا نہیں ہوگا۔ یہ لکھا، گوہر کا ہاں ہے، اس صاف میں یہ صاف میں، اس جانب خود ہو کر نظر کر یہ زبان اردو میں کو وہ کہتے ہیں، پتھر کا بنا دیا گیا، آخر کیا جمع ہے، کھنکھاہٹ کے سوال کا جواب لکھا گیا، فقط

صفحہ ۱۴۵ میں لکھا ہے: "ایسی چیزیں تھمت، ماحکم نصف، لکھنے میں چھ لکھنے کو خوش می برے" اس کے معنی صاف ہیں اور معنی اس کے تحت نقل کیا ہے اور سرے نصف لکھا ہے کہ حاکم سزا کرتا ہے اور شے نہیں۔

اگر کہیں بادشاہ کے ہنگام ولادت ہو تو قرآن پڑھا ہوگا۔ بشرط آنے کے ہر جگہ قرآن مجید
یا اوستا لکھنا یا سنائیے اور اگرچہ عالمی ہو کہ نظر اس کے قرآن موجود ہے جو تو قرآن اخلاقی
محبت میں و عشرت کرنا ہے اور مجھے — قرآن اس کے اندر ہے جو موجب غیر ادنیٰ
عالم و انتقال مصلحت ہوتے ہیں۔ ازانے ہر ایک قرآن تھا کہ قرآن کے درمیان میں ہم ہر
تھے اس سرحد و شاکہ کے خاتمہ آگے دیکھو — فقہ فخریہ و بادشاہ صاحب قرآن
ہوتا ہے یا استاد افراد جاہ و جلال و قوت عالم کیلئے ہے — قرآن وہ ہے جس
قرآن اس سرحد و شاکہ کے خاتمہ آگے دیکھو — صاحب قرآن مراد ہے شاہنشاہ
ہے۔ سو میں قرآن کے سلاطین کرتے ہیں و فقہ صاحب قرآن کہلاتے ہیں امیر و بادشاہ
حق کام اساتذہ سے معلوم ہوگا کہ خاتمانے اپنے آپ کو صاحب قرآن کہا ہے۔
اس حدوت فقیر نے لکھ لکھا ہے

مزدگر فرزند صاحب قرآن

ادبیات سے قرآن فرمیں ملتے ہیں ہے صاحب قرآن کہنے کے۔ فقہ

اصداق

خبر مشرق اکبر سنہ ۱۸۶۶ء

ان دوست استاد پرنگت کو بیچ ہوئے

میرزا پرتھوی پور کے مبلغ مینا پور ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء
پرتھوی۔ پرتھوی۔ مجاہد طلبہ۔ پرتھوی۔ پرتھوی۔
مکرم پرتھوی لکھنؤ احمد صاحب نادیمہ مقبولہ خان
انوار

(نور سے)



تحسین سروری

غالب ہے کئے ایک غیر مطبوعہ پر

میں نے ایک دوکان کے دوکان قیام میں، وہاں آتا رہا کہ کبھی کبھی بعض خوشنقش کرتا۔ پہلا، اس میں غالب کی ایک ایسی تحریر و صائب ہوئی جو اب تک اس کے مسرور قریب سے مشاغل ہے۔ دوکان کے صاحب نے اسے ایک کتاب میں بچھا لیا۔

مجھے پہلے ایک کرم فرما کر اس کی اطلاع ملی کہ ایک صاحب نے اپنی بعض ہمارے قریب رہا تھا کہ ایک صاحب نے اس کی ایک ایسی تحریر و صائب ہوئی جو اب تک اس کے مسرور قریب سے مشاغل ہے۔ دوکان کے صاحب نے اسے ایک کتاب میں بچھا لیا۔

۱۸۸

میں نے ایک دوکان کے دوکان قیام میں، وہاں آتا رہا کہ کبھی کبھی بعض خوشنقش کرتا۔ پہلا، اس میں غالب کی ایک ایسی تحریر و صائب ہوئی جو اب تک اس کے مسرور قریب سے مشاغل ہے۔ دوکان کے صاحب نے اسے ایک کتاب میں بچھا لیا۔

مجھے پہلے ایک کرم فرما کر اس کی اطلاع ملی کہ ایک صاحب نے اپنی بعض ہمارے قریب رہا تھا کہ ایک صاحب نے اس کی ایک ایسی تحریر و صائب ہوئی جو اب تک اس کے مسرور قریب سے مشاغل ہے۔ دوکان کے صاحب نے اسے ایک کتاب میں بچھا لیا۔

میں نے ایک دوکان کے دوکان قیام میں، وہاں آتا رہا کہ کبھی کبھی بعض خوشنقش کرتا۔ پہلا، اس میں غالب کی ایک ایسی تحریر و صائب ہوئی جو اب تک اس کے مسرور قریب سے مشاغل ہے۔ دوکان کے صاحب نے اسے ایک کتاب میں بچھا لیا۔

مجھے پہلے ایک کرم فرما کر اس کی اطلاع ملی کہ ایک صاحب نے اپنی بعض ہمارے قریب رہا تھا کہ ایک صاحب نے اس کی ایک ایسی تحریر و صائب ہوئی جو اب تک اس کے مسرور قریب سے مشاغل ہے۔ دوکان کے صاحب نے اسے ایک کتاب میں بچھا لیا۔

ہر چندہ میں دقت سامنے لگے۔ ہندوستان میں اس وقت ابن ابراہیم علم و فن کا شہسوار تھا جس کے پاس کتاب بھیجی گئی۔ اور اسے دعائی لکھا کہ ان سوانح پر اپنی رائے لکھ کر کتاب کے آخر میں درج کروا دیں۔

میر نے یہاں ہی کتاب پر چونکہ اصحابِ تعلیم و فن کی رائے ہے ۱۷۵۵ء - ۱۷۵۶ء کے مابین ہو گئے۔ ان کے وقت کے آخر تک مغل برسرِ ناکاہ کی تصویر ہے۔ جس کے ختم ہونے کی وہی ششگلِ بردارِ دلِ شہسوار ہے۔ غائب کے خطوط کے عکس اسے شائع ہونے کے چند سالوں کی تصویر فراہم کر رہی ہیں۔ ان کی ہر ایک بعد از بینا اور نیا اصلاح کی ترقی و نشان کو دیکھتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسی تصویر کی شکل کاٹھڑ ہے۔ جس میں صورتِ تیز نگاہ ہوا ہے۔ غالب یا ساراہین احمد خان کا لکھا ہوا تمہرا سدا سے قبل اس کے دیکھنے میں نہیں آتا۔ کتاب کے نسخے کے زیرِ مبادوئے کتب کی طرف اس زمانے کی مروت و لاکھٹ لکھی گئی ہے۔ جس پر نگار کو کئی کئی تصویروں پر لگا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کتاب دیکھنے کے بعد حیدر آباد میں آئی تو پھر کس اور کون سے بھیجی گئی۔ اب نہایت کئی تصویریں سامنے ہیں۔

اب سب دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اس کتاب نے اپنے اصل اسرار و معنی کو پاس کرنا ہے۔ اور حضراتِ انجمنِ فیض سے انکار کرنا ہے کہ اس اختلاف کے سزاوار نہ تھا۔ ادب و علم پر چاہی تو جس طرح کہ ہوں کہ میں فنِ تاریخ و معاشیہ جگہ نہ ہوں۔ دلیق ان ہی جزا پر نہیں لکھتے ہیں۔ بشرطِ افسوس کہ وہ اس کے اندر قلعے بغیر لکھے ہیں۔ کچھ کی کوئی ترقی و ترقی دیکھ دیا ہو گا۔ ان حضراتِ مبارک فیاض نے کچھ لکھنا ہے بہت کچھ لکھ کر دیا۔ میں نے سراسر قلعہ و غزل و شادی و رانی میں صرف کیا۔ افسوس کہ وہ تو اس ابدانِ اودے کو تو اس زمانے میں یا شاید

: ۱۸۱

بہارِ اودے واقعہ میرزا مستبان گیلک
آت دست شمار آئےد احباب و (۱۲)
معین دانی سداوی متین از حضرت (۱۳)
صدیق دانی بہشتی مشغول از آحاد (۱۴)

: ۱۸۲

ایضاً
از بردار سیر جوئے حیات
حضرات از کوکب ستار

: ۱۸۳

اور دہلی قلعہ کی حالت خارجی متعلقہ مطلع اور وہ، انبارِ گھنٹی میں چھاپے گئے ہیں اور وہ جلد بھر جلد ملاد چند ہی بیچ گئے ہیں۔ افسوس کہ اب اس میں اگر وہ چاروں جہتوں کے ایک تصویر پر ایسا چھاپا ہو جس میں غیبِ افسانہ کا دکھائے ہو اس ضرور ہو گا۔ اس میں خاصہ کیا ہوتے۔ اب یہ اتنا حکم ابنا ہے جس کی توجہ سے اس کے خصوص میں اس کی کوئی تصویر لکھی گئی ہے۔ اس نے کچھ لکھی نہیں دیکھی۔ اب جو دیکھے تو انہی سے زبان چلی بھرا کہ ایک گروہ تانے والے کے چار سو عدد آواز کے مستور کے پاؤں سے لکھا ہے۔ جس نے غائب کو اب صاحبِ وجہ الدین خان بہادر خلق اپنے دھوے میں مشغول ہے اور حضرت عید صاحبِ میر لکھا گیا تھا۔ اپنے دھوے میں تھا۔ میں جہاں ایک جہت اختیار کر لی تو دوسری جہت دلیق کو کہ وہ بھی افسانہ کثیر اور سب داخل و غریب کی جواب دہی۔ اور ان کے دلائل کو کوئی دلائل سے رد کر دیں۔ امید کہ حضرت طرفین بموجب یہ مقدمہ لایکھنا

ان میں ایک سبب اُن کو آگے بڑھنے سے روکتا ہے۔ لیکن میں نے کچھ غور نہیں کیا۔ اتفاق سے تو کامیابیات نظم و نثر و سرورِ نشاط و نشاط و مطبوعہ
نظم و نثر میں وہ قطعہ بھی مل گیا اور اصل یہ ثابت ہے۔ دفعہ آخر ان کی :
"تاریخ دفعہ نثر و نثر کہ کہ نظر بصورت و مکتبہ خزانہ سلووا اسیدانست باجان متحی کہ بلو نا اصل و مطبوعہ۔"

باسمہ حق صراحتاً را
آرٹھٹھٹھ چوں نماند باقی
چلتے ہو و برقعہ پیوست
۲ تاریخ گزشتہ را سلووا است

۱۳۶۰

- ۱۴۴ -

(۱۳۸۹)

نائب ۱۳۸۹ خزانہ و ذیقعدہ ۱۳۸۹ ۱۰۰ فردی ۱۳۸۹ ہوا۔ ڈکٹو نے ۱۳۸۹ تاریخ ۱۳۸۹ میں نکالی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ
ذیقعدہ ۱۳۸۹ سے چند ہی ماہ قبل نائب نے یہ تحریر بھی تھی اور دفعہ آخر جوتے ہوئے ۱۳۸۹ سال گذر گیا۔ حتیٰ کہ ۱۳۸۹ خزانہ و
اسی نشاط و نشاط میں تو کامیابی قطعہ بھی ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ساری بحث میں نائب و دیگر الیہ کا پتہ ہماری راہ
ان کے دلائل کو تسلیم کر لیا گیا۔

رسالہ کہ در تحقیق حین آخر سلووا تو خزانہ شد و ہوا با ان آن تقریب استنباط نگارش یافت :

من برستم من برستم من برستم
خان مجھے آجہ فرما یہ بھاست
و معنوی حق تو اس گفتن و کما
آخر سلووا الیہ تاست

و سوائے اوقاف و رموز کے، اصل اقتباسات مجسمہ نقل کئے گئے۔

روگرد او مقدمہ و نائب
(مکتبہ ۵۵۵۵)

جناب عالی

جو کہ مجموعہ مدنی کا مقدمہ بہ نام مولوی امین الدین بابت ذرائع شہادت عرفی حسب مسئلہ دفعہ ۱۳۸۹ تعینات ہے جو عدالت ہے
چنانچہ یہ لٹاؤ چند گراں سوائے شہر باجم و ضامنہ کی ہوگی اب مجھ کو کچھ دعویٰ بابت مقدمہ باقی نہیں، مقدمہ داخل دفتر ہو جائے

عزیز

عزیز الدین وکیل مدنی ۲۳ مارچ ۱۳۸۹

انہ ختم گاہ اور برحق صاحب ہوا

مقدمہ فارسی اور کائنات داخل دفتر و خزانہ

لے عبارت مشکوک ہے۔

نائب نے ۶۲

الم

آفریے فط

دو یو اڌ غریبیم فیس جو د خلقت پر اثر

لہذا قدمہ واقعہ کو غائب نام یا ریتہ نام

اہم قسم کے فرائض نہیں۔ جیسا کہ آرائے کہ دماغ نہیں جو کہ گونا گونے
و فائنات خواہے ہوتے لیکن یہ سب قابل ازالہ چیزیں ہیں۔ اراض
و جہان سے علوق آتے ہیں اور وہ بھی ان سے کہ جہاں وہ تھے جاتے
ہیں۔ جو اشخاص واسطہ اجلا طرح کے کرتے ہیں بعد اصلاح کچھ دیتے
پہنچتے ہیں۔

ان ماحولیت سے بچ کر اکیلے میں کوئی نہ رہنے لگے۔ انھیں یہ احساس تھا کہ
 بچے کو کھانا، ٹیبلٹ، دوا وغیرہ دینے سے روکا جائے گا۔ انھیں یہ احساس تھا کہ وہ
 دوسرے گھبراہٹ میں میرا حال کیسے دیکھیں گے۔ دوا دینے کے سارے عمل کے ساتھ
 میرے لیے آخر کے حقیقت یہ ہے کہ دوسرے ہندو کے ہر
 حصے کے ہندو سامع اور ملتے اشتہار میں مبتلا ہوا اور وہ دوسرے ملتے
 نوزاد افزا رہے۔ مسٹر والٹ کا ہلائے جانے کا وہ بولے ہوئے
 بڑھتے ہوئے اور ان کے بڑھتے ہوئے۔ بعد کے اشتہار میں سامعہ کا
 حال ہے کہ ایک ختم کار ختم کار ختم کار ختم کار ختم کار ختم کار
 جو دوسرے آتے ہیں۔ ختم کار ختم کار ختم کار ختم کار ختم کار
 لگے دیتے۔ میں ان کے ختم کار ختم کار ختم کار ختم کار ختم کار
 ہے کہ جو کہ ان کے ختم کار ختم کار ختم کار ختم کار ختم کار

پاؤں، قد، سر، منہ، دھڑ، ڈٹو یا تھپتھپاتے ہوئے کہا ہے۔ رشتہ سے
دوست لگا رہ گیا، دوست و دشمن، وضع و بصر، ہرے یا طافے فراہم سے
ہوئے میر تقی میر کا مطلع درود ہوا ہے :-

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بیکار ہیں

اقتدار دہے ہر چارے کو نہیں ہم

فطرت کے معنی انکا ہے جسے رکھ دیتا ہو وسط و سہولے مانا ہوئے آج کے
ہوئے اپنے فطرت کا تھا ہے۔ فطرت سے جسے نہیں کھینچ دیتا۔

ما صاحب اکمل الاطشہ اور صاحبہ اثر سے الاطشہ کہنے پر ہمیشہ کہہ رہے
ہوئے تھے کہ میں اور میرا عالم ہوتا ہے اندرون میں رہتا ہے میرے کلام
کے بعد نہ کہے کہ اسے اعتقاد کر اپنے اطوار میں چاہے جسے دیگر صاحبہ
بطور اور ادا تھا اسے اخبار اگر اسے خبر دے کر اپنے اخبار کے اوقات میں وہ
کہہ دیتے تو فخر سے کہا اسے منہ پر لگا۔ اسے ٹکڑے کے ٹکڑے سے متصور
ہوئے کہ میرے احباب میرے عالم سے اطلاع نہ لیں اگر فطرت کا ہے اس کا
طرز میں سمجھ کر نہ لیا، اس کا گرد ہو کر تو شکایت نہ فرما لیں۔ میں خود منہ سے
کہہ دیتے کہ اسے جسے بھی تاثر نہیں رہا اندرون میں خوشنودوں کے کلام
کو تاثر کا ہے بالکل کٹا ہو گیا نہ اس سے بات نہ طاقت، ہر ایک کی ایک دے
بتولے غرابہ منہ پر

میں دفن کرتا ہوں لیکن دل دفن کرتا نہیں

اگر کبھی صاحبہ کو میرے طرف سے کہہ رہے ہوں تو تعالٰیٰ اللہ جانے
فرمائے۔ اگر جانے ہوتا تو صاحبہ سے دعا ہے کہ کبھی بیکار نہ ہو، اسے جو
ہر دعا ہو تو دعا کے طرز سے کہہ کر اسے کہے۔

فاتیہ



رعنائی خیال

(نئے مضامین)

ڈاکٹر تیز محمد اللہ

غالب شناسی

ایکے کلیں، ایکے اسلوبے میاتے

غالب شناسی سے ایک نئے پگڑا کھنسا ہوا۔ غالب اپنے زمانے میں کیجے نہیں گئے۔ یہ زبان کی صفائی کا دور تھا۔ مضامین جیسے بھی ہوں روز بروز گلہ بان میں ایسی طرح برتتے ہوئے کہ خوش ہوں۔ یہی کہہ کافی تھا۔ غالب مدد سرو کا زبان پر بھی غاوت سے مگر ان کے پاس یہ کہہ نہیں لے سکتے تھے ان کے پاس اسباب کی کچھ نئی شکلیں تھیں، کچھ نئے زاویے تھے وہ ایک خاص اسلوب حیات کے مالک تھے ان کی شاعری کا اسلوب حیات کی پہلی خاصیت تھی۔ زبان کی صفائی کے اس دور میں غالب کا لہجہ سے ذہن کا ہر اچھک کر پلٹا پٹا۔ ان کے پسند فراموشی پرست سے لوگ تھے جنہوں نے غالب سے محبت کی مگر غالب کے کام اور نقطہ نظر سے محبت کرنے والے زیادہ نہ گئے۔ غالب اپنے لہجے کے بعد دریا منت ہوئے۔ اور اس میں سے مغربی طرز فکر نے بھی حصہ لیا۔ کچھ حصہ کسی گم گشتہ ادبی ہیرو کی جستجو سے بھی یا جس کا مقصد تھا کہ مغربی ادبوں کی محبت کی غفلتوں کی نشاندہی ہو۔ کاش۔ ہم یہی کہہ سکیں کہ ہمارے عہد کی شاعری اور پہلا کچھ بھی آنا غیر آباد نہ تھا میرا کہ مجھ کو یاد ہے، آجکل ایسی اتنی کی حسرتیں ملے کہ بے تحاشے ایسے میں غالب ہی ایک ایسا ادبی ہیرو تھا جس کے پاس بہت کچھ تھا۔ اعلیٰ فکر، ایک نقطہ نظر، ایک تخلیقی جوہر، ایک کلچر۔ ایک اسلوب حیات، ڈھونڈنے والوں نے اسے پایا۔ اور غالب شناسی کی ایک صداقت کا آغاز ہوا، غالب شناسی امر نا غالب پر احسان نہیں، اپنی تہذیب کا نبوت و رفا ہے،

بداد ملتی بخوردی نے نسخہ حمید یہ کے مقدمے کے طور پر جو کچھ لکھا

اسے خود ادب الہیہ کا رتبہ حاصل ہوا۔ یہ ہمارے ہی تہذیبی زندگی کا ایک عظیم واقعہ تھا کیونکہ اس کی مدد سے ہمارے اس ادبی آئینہ کو تسکین ملی جو ہمارے ملک کے مغرب پسند طبقے کی بے درد عقید کی وجہ سے غروں اور زخم خوردہ ہو کر احساس ساز بنی سے مفلوب ہو چکی تھی۔۔۔۔۔

سر سید احمد خاں ہمارے قومی رہنما اور ہمارے ادب و فکر کے مصلح تھے مثلاً اصلاح کے جو شعس میں وہ قومی ادب کے عیوب کی جو فہرست پیش کرتے رہے اس سے یہ تصور پیدا ہوتا چلا گیا کہ ہمارا گوشہ ادب اور ہمارے گوشہ شاعری صاف پاکانہ ہے مگر وہ بد فہم لائق ہے برتر تھی۔

مولانا محمد حسین آزاد قدیم شاعری کے مداحوں میں سے تھے مگر اپنی تقریروں میں وہ بھی کبھی کبھار اس اعزاز سے سخیں سر اُٹھاتے رہے کہ اپنے ادب کے بارے میں آخری بیجا ہمتا تھا کہ یہ داغ دار اور عیب دار ادب ہے۔

مولانا حالیؒ سرسیدؒ کی پیروی کرتے تھے اس نے اردو کی اپنی شاعری کو اچھا کہنے کے باوجود تحقیق اور تنقیر کی بھی ایک صورت نکال پٹے تھے۔ بلکہ خود زبان اردو کے متعلق اس اعزاز سے بات کرتے تھے گویا یہ کچھ ہی نہیں۔

یہ سب باتیں اس شاعرؒ کے بارے میں کہی جا رہی تھیں جس کے بڑے فاضل و فاضل تھے سوادِ دل و مستحقِ تکریم و تکریم اور غالبؒ تھے۔ یہ سب بیجا کی باتیں تھیں ان سب سے صرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ قوم ایک بیرونی ہلچل چمک دیکھ کر ہمت اور مدد عیب جو رہی تھی کہ اسے اپنے آسمان کے آفتاب بتاتا نظر نہیں آتے تھے۔

عزیز (لاہور) نے قدیم اسکی نفسانی اور سیاسی زندگی و صنعتِ نظر سے کام لیتے ہوئے مرحومیت کی اس حالت کو دور کرنے کی کچھ سعی کی۔ اقبالؒ بھی اسی ادبی گروہ کے اندر نمودار ہوئے۔ انھوں نے غالبؒ کو دوشناس کرتے ہوئے کہا:-

نکو نماں پر تو کتا ہستی سے یہ دوش ہوا
پے پیر مرغِ خلیل کی رسائی تا کہا
لطیف گویا کی دیش تیری ہسری کھن نہیں
ہو تھیں کا نہ جب تک فکر کامل ہم نہیں

اس تعارض میں اقبالؒ نے غالبؒ کو گونے کا ہم آہی قرار دیا۔ اور اس حوالے سے غالبؒ کی بلند کی مرتبہ کا تصور دلا دیا

یہ تعارض اقبالؒ کی شاعرانہ زبان میں تھا۔ بخوبی کا مقدمہ تقریب تھا۔ اس لئے بخوبی کے تعارض نے اور ہی سناں پیدا کیا۔ اس نے غالبؒ کی دساتھ سے اپنے ادب اور ادبی قد و بل کے بارے میں اعتماد پیدا کیا اور یہ یقین پھر پیدا ہوا کہ پرانی شاعری میں انہی ایک جاہل مدحیت رکھتی تھی۔ اور وہ ایک جاہل ہندو رب کی نمائندگی کرتی تھی بخوبی کے بعد غالبؒ نے اس ایک روایت پر ایک کا ایک رنگ اور ہندو رب کی ایک نشان میں لکھی:- غالبؒ ایک ہندو رب، ایک اسلوبِ حیات کے نمائندہ شخص تھے۔ یہ ہندو رب ساری خشکیوں کے باعث منتشر ہوئی جا رہی تھی مگر اس کی بنیاد پر آغوشِ مستحکم تھیں کہ تزلزل کے بعد جس کا اس کی شمع جاریاں قائم تھیں۔ اس کے روشنی خط و خال اس کی روح کی خوشبو اور اس کے صدقہ مشیورے پھر بھی دریا تھے۔ غالبؒ اس ہندو رب کے نشان تھے۔ صوبہ اس سلیقہ اور شانِ کمال اس ہندو رب کی جہاں باقی قادیان تھیں۔ مرزا غالبؒ اس جمل (دینی جہاں) میں اور جہاں آفرین کے دل وادہ بھی تھے اور اس کے مصدقہ ادھاق بھی!

یہ خود ہندو رب کا سلا مگر میں یہاں اس ہندو رب کے ایک منظر اس کے ایک پہلو کا ذکر کر رہا ہوں۔ غالبؒ کی شاعری زندگی کے متعلق ایک نقطہ نظر پیش کرتی ہے۔ اس نقطہ نظر کا اعتراف یا اس کی تحسین غالبؒ نے اس کی پس منظر ہے۔ غالبؒ نے اس کے پس منظر

گر ہر معنی فرسی جلو و صورت چمکست
خیم زلف و شکن طرف کلاہت دریا ب

ہمت کے یہ نادر ہے، انساں اور شاعری کے لئے نئے نہیں مگر غالب میں اسلوبِ حیات کی ناکندگی گزرا ہے اس نئی
حسن کے نازکی مانند عشق کی غیور سی بھی ایک ستم حقیقت ہے۔ یہ تصور عام شاعرانہ تصورات سے الگ چیز ہے کیونکہ
عشق حسی کو نیاز مند بیان کیا جاتا ہے۔ مگر غالب غنوداری، تخلیق اور وضع واری کا ایک اور ہی تصور پیش کرتا ہے۔
وہ اند ہے کہ تخلیق غالب کے کلام کا ایک مستقل لکھ ہے مگر عشق کی غیور سی مند جو فریل شعر میں حسن کی بیضا رنگی
کا استحکام کرتی مستانی دیتی ہے۔

پوچھت رہا تھا انداز امتحانے حسن دست مرہم و جان خوار رہیں غلام ہے
حسن کو مستغلام بنے نیاز کی کاغذ کا ہے گراں کے دعوئے کو کون مانے گا جب ہم دیکھتے ہیں کہ حسن خود اور چیزوں کا
عاجز اور ضرورت مند ہے۔ اسے اپنے آپ کو خراب کرنے کے لئے دیکھتے ہیں کہ نازک ہے۔ ہاتھوں کو حنا کے رنگ کا لہ
رخسار کو خاندے اور گل گوئے کی ضرورت پڑتا ہے۔ تو پھر یہ مستغنی کہیں ہوا یہ بھی اپنے طرز سے حاجت مندی چھوڑا۔
عشق کی غیور سی کی غالب نے کامیاب و کالت کی ہے۔ اور جب عشق پیچھے شہید ہاڑے میں تخلیق و پاس و حسن کا سبق
دیا گیا ہو تو زندگی کے باقی اعمال و مواصل میں تخلیق کی اہمیت کیوں نہ ہوگی؟

عشق کی غیور سی ستم گر زندگی میں حسن کی حواصیت ہے اس سے کہے انکار ہوگا۔ غالب کے کام میں حسن کو
نظم و بحر اور ربط حیات گرا دیا گیا ہے۔ حسن صرف جسم اس کی ایک مدد و نہیں بلکہ کائنات میں چار سو بیس ہوا ہے
وہ جس کی کشش سے

دورہ دورہ سا فرے غائر تر ہو گیا ہے

اور یہی نہیں خود غلی زندگی میں ایک خاص قریب ایک خاص حسن پیدا کرنا۔ حسن ہی کی ایک صورت ہے۔ غالب کی
نظریں خیال میں اور حسن عمل کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ (تجربہ خیال میں ہی حسن عمل کا
ساخیال)۔ حسن پرستی کا یہ مسلک (مترے معنوں میں نہیں۔ اچھے معنوں میں) سیدھا ہنگ کے اس افسانہ
اجداد تاجہ جو کس بھیجی کی برتری کی خاص علامت ہے۔ غالب ایک ایسے انسان کے طلب گار ہیں جو حسن کا احسان رکھتا
ہو اور خود غیور ہو۔ اس غیور سی کے اندر سے حسن کا رطلال دنگوہ پیدا ہوگا۔ ورنہ وہ پیچہ بٹ نمودار ہوگی
جو مرد و حسن کا قبا ہی ہے۔

امید خطر طبعی بجا کو شہی اور مقاومت کے تصور کے ساتھ عشق غیور اور حسن پر جلال کا نقش ہم دیکھ چکے ہیں۔
یہ بھی دیکھئے کہ غالب میں اسلوبِ حیات کا متفق ہے اس میں عقل و تہذیب اور وہ دور کی بھی ایک اہم زادی ہے۔
اور یہ غالب، منکر غالب سے الگ نہیں، شعر گوئی اور شعر نوی کوئی بھی منزل نہیں جو خود مستعدی اور وید ویدی کی
منزل سے بہت دور ہو۔ ہمارے شاعری میں عقل و عشق کے کاسبے کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے کہ عقل کوئی بھی چیز
نئے ہے جس کا شاعری کے ضمن میں ذکر بھی نہیں آچا ہے، یہ تصور اپنی جگہ پر حجاز بھی رکھتا ہوا تب بھی غالب کو جلال

دیہ وادی، شاعری چچی کی ایک آگے کی منزل ہے۔

غالب کے اس نقطہ نظر کے تحت — ایک ہندوستان ادب شناس بھی ہوگا اور خود ہندو بھی ہوگا۔ نکتہ دہی اور دانش مند کی اس کی فلاں صفت ہوگی۔ وہ زندگی میں حسن کا بھی طلبگار ہوگا اور دانش کے خالق سے بھی بہو مند ہوگا۔ اور یہ اگر غالب کو اقبال کے قریب لے جاتا ہے۔

میں نے ابتدا میں بخیر ہی کا ذکر اس لئے کیا تھا کہ اس کے نقطے سے پہلے غالب تک جہیں پہنچایا۔ اس کے بعد اس اسلوب حیات کے دل کشا اور خود افروز راویے ہم پر کھولے جو ایک اپنی ہندو کی لازمی صفت ہے۔ اگر ہم مغرب پسندی کے بحرانا میں اس شاعر سے خالق رہتے تو ہم اپنی ہندو کی اس عظیم نشاندہ کی بھی شناخت سے غاصر ہتے؟۔ بخیر ہی نے غالب شناسی کا وہ واہ و گھوڑا، اے کے بعد غالب شناسی ایک ہندو بن گئی۔ اور اب ایک اسلوب حیات ہے۔ جو شخص غالب شناس نہیں اسے ذوقی لحاظ سے الجھا ہوا سمجھنا چاہئے۔ غالب نے میں قسم کے انسان کا تصور پیش دیا وہ ایک ایسے خوش ذوق خوش معاش دانش ور کا تصور ہے۔

بھ زبردہ رہن آتا ہے۔ وہ مسرتوں اور مصیبتوں کو لازماً نہ حیات خیال کر کے زندگی کا استقبال کرتا ہے۔



جیسی مزا کی طبیعت میں دُرّ کی اور زہی میں
جود اور سرعت انفال تھی اسی طرح ان کا
حافظہ بھی نہایت ہی قوی تھا۔ ان کے گھر میں کتاب
کا کہیں نشان نہ تھا ہمیشہ کرائے کی کتابیں ملتا
چلتے تھے اور ان کو دیکھ کر دل پس بیحد ہوتے
تھے مگر جو لطف یا کام کی بات کتاب میں نظر
آجاتی تھی، ان کے دل پر نقش ہو جاتی تھی۔ فارسی
کلام میں وہ کوئی نقطہ یا غادرہ یا ترکیب پس نہیں
برستے تھے جن کی سند اہل زبان کے کلام سے نہ
دے سکتے ہوں۔

فیض احمد فیض مختار زمن

غالب ایک مکالمہ

فیض احمد فیض سے یہ سوالات انگریزی میں کئے گئے تھے اور ان کے جوابات بھی انگریزی میں حاصل کئے گئے اسے پاپیئر سرورس نے یہ انٹرویو انگریزی رور نامہ "ڈائی" کے لئے مرتب کیا تھا تاکہ انگریزی میں طبقہ بھی غائب سے واقفیت حاصل کر سکے۔ ذیل میں اس انٹرویو کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

(نثار زمن)

زمن :- فیض صاحب، مرزا غالب کا شمار صف اول کے شعراء میں ہوتا ہے، اور ان غالب جب پڑھتے ہیں ان کی محسوس ہوتی ہے کیا آپ کو اس خیال سے اتفاق ہے؟ اور اگر ہے تو آپ کی دانہ میں غالب کی عظمت اور اس کے کام میں ان کی بعد متواتر کار کیا ہے؟

فیض :- متوجہ تہ تازگی عظیم شاعری کی خصوصیات ہیں مگر میرٹھ سے شاعری عظمت کے اسباب کیساں نہیں ہوتے لیکن بعض خصوصیات مشترک ہوتی ہیں غالب کی عظمت کا راز بھی خالق تبار سے ہم آہنگی میں مضمر ہے۔

زمن :- آپ حقیقت کی کیا تعریف کرتے ہیں؟

فیض :- میں حقیقت کو دو ہی معنی میں استعمال کرتا ہوں یعنی سچائی کے کسی خاص حوالہ میں انسانیت کا فخر اے آپ اس دور کا روح کا نام بھی دے سکتے ہیں، سچی احساس میں کہہ سکتے اور حقیقت پر سچائی کے عنوان سے بھی پکار سکتے ہیں۔ ایک ہی خیال کو دو کرنے کی یہ مختلف صورتیں ہیں، جب کہ ایک فخر ہے کہ ہے۔ ایک بڑا معنی ایک خاص دور کے شاعری اور انسانیت کا وسیع پیش کرتا ہے، اسی لئے ان شعراء کا کام یہاں فخر ہے کہ انسانی تحریات کا دور کو تازہ کر کے دکھائی دے گا، اپنے تابوں میں کر لیا آئے گا، مری دنیا کی پانی پانی ۴

جہاں کا اپنے زمانے میں تھی اس کے کہ انسانی تحریات کا سلسلہ پیشہ جاری رہا ہے اور بڑے تعلیم شعراء کے تحریات جاری رہا

کے تقریرات ہی کی ایک کڑی پرکھ تھی، ان تقریرات کیا ہیں؟ چند سالوں کی اس حدیث اس، حصولِ اذنی اور صدقہ و درود اور خوشی، جسے نہ صرف ہم سمجھ سکتے ہیں بلکہ انھی باتیں میں ہم خود بھی ان تقریرات میں شریک ہو سیم ہوتے ہیں، جہاں تک ہمارا تعلق ہے یہ بات غالب کے مسئلے میں ہمارے لئے تو خاص طور پر صیح ہے۔ اس کی مثال دینے جاگیرِ ولادت نظام کے سماجی دور میں غلام کے آخری دو سال کا کیا کیا۔ ستر چوبیس صدی عیسوی کے وسط سے اسی سو ستر صدی عیسوی کے وسط تک درود شامی کے کلاسیکی دور میں ہی تقریرات ہوئے، اس کی شاعری میں ان کا پتہ موجود ہے۔ وہی سے لے کر اس کے اپنے زمانہ تک اردو کے تمام بڑے شعراء کا جو نمونہ تھا، غالب نے اسے ملج کر کے اس پر اور سان رکھی مگر آپ اس تمام نمونہ میں ایک فقرے میں ان کا پتہ چاہتے ہیں تو اسے جاگیرِ ولادت نہ جہاں تہیت کا نام دے سکتے ہیں۔

زمین :- تو کیا آپ کے خیال میں اس دور کے شعراء میں میں غالب بھی شامل ہے جاگیرِ ولادت نظام کے پرست اور اس کے احکام کے خلیفہ تھے۔

فیض :- میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ شعراء اس تہذیب، ان اقدار اور اس پر سے نظام زندگی کو دم توڑتے ہوئے دیکھ رہے تھے جس کے وہ ماری تھے۔ لیکن انکی نظریات دنیاوی سیاسی اسباب پر نہ تھی جو اس انقطاع کے زمرہ تھے اور نہ وہ آپ تک اس صورت اور سماجی نظام کے ڈھانچے کو دیکھ سکتے تھے جو اس نظام کی جگہ لے رہا تھا جس کے وہ ماری تھے۔ ان کے اس سوڈہ بیزاری میں ان خصوصیات نظر آتی ہیں۔

(۱) - جانشین پجاری چیزوں سے لگاؤ اور محبت جو ان کی نظروں کے سامنے ختم ہو رہی تھیں اور سماجی عقل کو بدل رہی تھیں۔ اس صورت حال نے ان کے دل میں سوڑ و گداز اور درد و سال کا عنصر پیدا کر دیا

(۲) حال کے خلاف بے اطمینانی، بدگمانی اور عدم اعتماد میں کا مطلب تھا انفراتفری اور بغضوں کے لئے اقتصاد کا بد حالی اس سے جو خلیفہ میں سر پیدا ہوئے وہ یہ ہیں: مادی محبت، دنیا کی انسانی زندگی کے بے شافی کا خیال جان و مال کو پر کاوا اور دنیاوی طور و جاہ کو بیکار محض سمجھنا۔

(۳) - اور آخر میں امید و بیم - امید خصوصاً غالب کا حصہ ہے۔ مگر عام طور ان دیکھی چیزوں اور نامعلوم مستقبل کے شوق غم کا پایا یا جانے عام موڈ تھا۔

غالب اس عہد میں آخر میں پیدا ہوا اس لئے پرانے تقریرات کا پتہ نہ پڑی کیا مگر ساتھ ہی اس نے ایک نئے ڈھنگ کا شعور بھی گھڑا اس نے کہ تقدیر کے رحم میں ایک نیا دور جنم لے رہا تھا۔ یہی وہ بات ہے جو غالب کو دوسرے شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔

زمین :- کیا آپ غالب کے عقائد اور نظریات میں بھی کوئی تبدیلی دیکھتے ہیں؟

فیض ۱۔ ہاں ضرور۔ میں نے جو کچھ اب تک کہا ہے وہ غالب کا جذباتی اور تحریراتی پہلو ہے۔ لیکن دوسرا پہلو اس کی خاص طرز اور اپنے شخصی اس کی شاعری کی تکنیک اور مفادہ، شاعریوں کو گنتی و جملے سے اخراجیت اور پہلو دار طریقہ اختیار کر کے بنتی ہے۔ اول تو یہ کہ اپنے تحریر کو بلا واسطہ اور صاف وسیع سے طریقے سے بیان کرنا بعض مواقع پر سیاسی مصلحتوں کے خلاف مبتلا ہے دوسرے یہ کہ سننے والے شعروں کے مقابلے میں ماہر پچانے طریقوں کے ذریعہ انہماک خیال کننا زیادہ آسان ہے دوسرے یہ کہ شاعر کے لئے حقیقت داخلی اور جذباتی شے ہوتی ہے لیکن غالب کے بیان کی داخلی اور ذاتی طرف کار میں سبھی احساس کا عنصر موجود ہے۔ اس لئے اس کا کلام تنگ نظریہ و تنگ بینت تک محدود ہونے کے بجائے کل صوبہ کا احاطہ کرتے ہوئے ہے غالب کی طرز اور اس کا ذکر کرتے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس نے غزل اور باتوں کے اردو شاعری کو اپنی نسبت اور صف میں کچھ بے شمار کر دیا۔ اس نے استعمال سے کاغذ استعمال یعنی - *and a poet* شروع کیا دیکھتے جنت نکلاہ و فروغ کو شے۔ اچھی شاعری کا وہ عنصر صحت یعنی تشبیہ و استعارے سے محروم آفریقہ غالب کے بیان بدلتے آتم پائی جاتی ہے۔

ان سب کے علاوہ غالب نے شاعریوں کی قسم رانی سے شاعری کو کثرت و لائق اس لئے کہ اس نے وہ انشلی خبیثہ وادیاں ترک کر دیں جو شاعریوں کے ان سامعین پر جو کاذب عمل معلوم و شعروں ہے اثر انداز کی کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ اس طور پر اس نے بلند نمونہ کی شاعری کا راستہ چھو لیا۔

ہم شاعریوں میں غالب وہ چوتھے شخص ہیں جس نے شاعر کا تجربہ بحیثیت ایک غیر سرکاری سماجی قانون ساز کے چھان لیا۔ حالانکہ شاعر کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ شاعر صرف ایک دیواری مصائب یا عام فاشیوں کے قسم کا ذریعہ ہے نہ خود ہے۔

زمین ۲۔ غالب کے قصائد کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

فیض ۱۔ اس کے قصیدے عنصر دوزی پیدا کرنے کا قدیم کھس کا تعلق اس کی عظیم شاعری سے نہیں۔

زمین ۱۔ فیض صاحب کیا آپ اکثر غالب کا کلام پڑھتے ہیں؟ اور کیا آپ کا اپنی شاعری کا اس کا کوئی اثر پڑا ہے؟

فیض ۱۔ دیوان غالب کا ایک نمونہ میرے سر پر ہے رہتا ہے۔ میں اکثر ایک بعض حالات میں دروازہ اس کا کمرہ کھولتا ہوں۔ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ غالب کا منتہی ہو گیا۔ میں اپنی شاعری میں اسے شعوری طور پر غور سے مطالعہ کرتا ہوں۔

زمین ۲۔ فیض صاحب سیاسی طور پر برجستہ منہ دوں کا تقسیم ہو گیا۔ لیکن ہمارے ثقافتی ورثے اور ہندی روایت کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ اب ہم اس مسئلے میں کس منزل پر کھڑے ہیں؟

فیض ۲۔ دراصل سوال یہ ہے کہ ہمارے ثقافتی اور سیاسی مسائل اور بنیادی گتھیوں کا حل کیسے تلاش کیا جائے؟ بس لیکن ایسا ممکن کوئی بھی اس کام کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس کا اطلاق غالب پر بھی نہیں ہوتا۔ تو اسے پھر لیکن پھر تازہ

کا محاذ ہے۔ میں یہ طے نہ کر سکتا ہوں کہ ہمارے کچھ ادبی شخصیات کی تاریخ کہاں سے شروع ہوتی ہے، لیکن آپ جہاں سے بھی شروع کریں، ہند کی تاریخ کا ایک حصہ ہماری تاریخ کا بھی حصہ ہے اور ہماری تاریخ کا ایک حصہ ہند کی تاریخ کا بھی حصہ ہے۔ یہ بات ایمان اور عرب کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے۔

تفاتی دور کے تاریخ اور جغرافیہ سے متعلق ہوتے ہیں اور وہی کچھ کی حدود ہیں۔ جغرافیائی حدود داخل ہوتی ہیں لیکن تاریخ کی حدود کے قائلے ضروری نہیں کہ جغرافیہ سے ہیں۔ ہمارے جغرافیہ کی عمر ۱۲ سال ہے مگر ہماری تاریخ پانچ ہزار سال پرانی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اپنی تفاتی دور تاریخی ہستیوں سے متعلق اہم تاریخوں کا ایک کچھ درست کرنا چاہیے۔ یہ ایک وسیع میدان ہے جو لوہن قاسم سے قائم عظیم، خسرو سے اقبال تک میں میں ابو الفضل فیضی میر اور غالب بھی شامل ہیں۔ اور تان سین سے روٹن آریگم تک۔ پچھلا ہمارے ہیں اپنے بڑے بڑے مفکر، مصنفین، مصنفین اور نظریہ نگاروں کو یاد رکھنا چاہیے جنہوں نے ہمارے کچھ کو متاثر کیا ہے۔



غالب زندگی بھر آتش بھلا اور سرگرم نالہ اپنے شہر بارہے۔ اس صورت حال نے آگ اور اس کے تعلقات کو ان کے مزاج میں کچھ اس طرح داخل کیا کہ وہ غصہ، شعور کی طور پر ان سب کی پرستش کرنے لگے اور آتش پرستی ان کی شخصیت کا ایک بنیادی جز بن کر ان کے فن کا بھی ایک حصہ بن گئی۔ چنانچہ اپنی ذہنی کیفیت کے بیان اور زندگی کے مختلف معاملات و مسائل کا ترجمانی میں انھوں نے آگ اور آتش وغیرہ کے اشاروں سے بڑا کام لیا ہے اور ان اشاروں اور علامتوں نے انھار و ابلاغ میں ان کی بڑی مدد کی ہے۔ ان کی شاعری میں ان اشاروں اور علامتوں کی حیثیت مستقل پیکروں کی ہے اور انھوں نے عمومی طور پر ان کے فن میں ایک نیا رنگ و آہنگ پیدا کر کے اس کو انفرادی خانے سے جھکا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی



میر فیض احمد علی

خائب

ایکے مابعد الطبیعیات کا شاعر

خائب کی زندگی ایک ایسے دور میں گزری جو انقلاب سیاسی میں جان فدا کی مثالیں اور انقلابی تحریکات اور انسانی ترقی اور احساسِ نفاذ اور اصلاح سے عیاں تھا۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں معصوم و فداوارین جبری سمجھوتوں سے برسرِ پیکار ہو رہی تھیں اور واضح حقیقتوں اور سہانے خوابوں میں جنگ ہو رہی جو وہاں تضادات زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ غفلت رفتہ رفتہ کے عالم نے احساسِ نفاذ پر پردہ ڈال دیا تھا تمام فلسفہ حیات تبدیل ہو چکا تھا۔ سماج کے روایتی تصورات اور اخلاقی نظام کو اہل برطانیہ کے نافذ کردہ نئے سیاسی نظام کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مستقبل پر ایسے حالات کی قیادت ہو کر رہا تھا جو انسانی سے بالکل مختلف تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت مسلم ہو چکی تھی اور خائب کی شاعرانہ زندگی کے تمام عرصے میں وہ اپنے وطن اور انگریزوں کے سامنے بھٹا رہا تھا۔ وہاں کے حالات میں پیدا ہونے اور اُن کا سال وفات معلوم نہیں ہے۔ شاہ عالم نے اٹھارہویں صدی میں انگریزوں اور وہاں اور مسلم ثقافت کی سرحد کشا اور اختتام و انصرام جہاں کچھ گوسونچ دیا تھا۔ اس کے مطابق انگریزوں نے مسلمانوں میں عداس میں مدد نہ کی اور انگریزوں میں خود کو اعلیٰ اور مسلمانوں میں پہلے انگریزوں کا قیام عمل میں آیا۔ غار کا کوسا کوسا پشت ڈال دیا گیا اور یہ کتے کے شہسور و منسوب کی روشنی میں اگر نہ کیا کہ بہت آہستہ آہستہ انگریزوں کی پالیسی کا آقا و کمرہ لگایا۔

مسلک بادشاہ کو اس تمام ایسے میں ایک مجبور و مظلوم کی حیثیت حاصل رہی اور اس نے اپنی زندگی خاص و عبادت و ریاضت اور اپنی سرور و سستی میں فنِ شاعری کی ترویج و ترقی کے لئے وقف کر دی۔ برطانوی استبدادیت کے ان آہستہ لیکن تیز رفتاری سے بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف مسلمانوں نے نصرت کا اظہار کیا اور ہندوؤں نے برطانوی تعلیم کو برضا و رغبت قبول کر لیا۔ ناچم قرآن پاک کا بلی ہر اردو میں ترویج کیا گیا اور شاہ ولی اللہ شاہ مجدد المشرق شاہ مجدد اعجاز اور مولانا حفیظ شہید نے اسلامی مسائل پر مسائل لکھے جن کا مقصد وہی کاغذ اور تعمیر تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دہلی کے بعد ان کے کتب خانوں کے مقلدین کو وہاں قیام سے کر مسلمانوں کی لگائی۔

سماجی حالت قابلِ مذمت تھی۔ لوگ نہ وال کا بارہ ماضی اور اڑاں تقریبات میں ملوث تھے اور ٹھانڈوں اور صوفیانہ مشرب کی ایک ہی سانس میں سر پہ ستر تھی گارے اور انہی پندرہ دہ ہر ٹھانڈوں کے گوشوں سے ہرگز وہاں اللہ کے عزرات پر حاوی رہتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وقت آئے ہر مسئلہ میں بادشاہ وقت کی انفرادی اور مجموعی مروجہ مسلم متواضعی کے خواہر و سید کی

کے باوجود انھوں نے آزادی کے لئے جدوجہد کی صلاحیت کا مظاہرہ بھی کیا تھا۔ ان قومی سانحوں کے سلسلے میں عامر جہان یہ شخص قومی ترانہ کی جالی اور مصائب کو دلانے کا حق رکھنے والی شخصیتوں کو ترجمہ کی کا شاعر بنایا جا سکتا ہے۔ البتہ انھوں نے خدہ سہی رنجنا کی اور خاک و گھسٹ جیسے شاعروں میں اس درجہ ان کے خلاف مشہور و معل پیدا ہوا۔

قالبِ فن کا قوم کا ہے لبوں اور گیسپر سوا بہ کڑھتے تھے، اور ٹھسے رنج اور حقیقت پسندی کے ساتھ انھوں نے اس کا اظہار بھی کیا ہے:

دل کو نیا دل حسرت دیدار کر چکے
وہ کہیں تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
پے عشقِ حشر کو نہیں سکتے ہے اعدایان
طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
شہدِ بے گناہ ہے سر پہ دہل دوش
صغرا میں اے خدا کو کا دیوار بھی نہیں
گنجِ نقشِ عداوت اختیار اک طرف
یہاں دل میں ضعف ہے جوں یار بھی نہیں
ہے یہاں کے احساس کے ساتھ ساتھ آوازِ صر تو تھیر کی خواہش بھی باقی مانتی ہے:

ہوا ہوں عشق کی خاکِ رگزی سے شرمندہ سوائے حسرتِ تعمیرِ گھر میں خاک نہیں
جب تک بادشاہِ وقت پر شکر ہوں، ہامید کی شعاع بھی باقی رہے گی، یہاں تک جس سے بدلتی نون کی سرچسپی کا بھی خاکہ ہو گیا،
ہمارے شعروں میں اب مدحِ دل کی کس آواز کھلے گا کہ، عرضِ چمنو میں خاک نہیں

اس اہل بد نظیر سماجی نظام میں تقدیر کا بدشیر خیر بھی اور تضادات اس میں بدست ہر چک سے خائب کا مخصوص مزاج تحلیل
تخلیل پہنچ کر اس غلافت اور زندگی کی محبت سے معمور تھا۔ اس صورت حال نے ان میں ایک خاص قسم کا تشنگ پیدا کر دیا جس میں
دو عالموں کا اضطراب اور حقیقت پرانہ مشابہت کا احساس بھی۔ ان کا زندگی کا کشش اور روحانی معائنہ سے عبارت بھی اس میں قوی جزیریت
دوسرا ایک مشغور سماجی اہم کیا تھا۔ بد نظیر اور بد نظیریت اور نفس کا ہفتہ اس تھا ان میں باقی رہا جس نے ان کے نفسیاتی
اتحاد کے احساس کی اور ہی خوشی کر دیا۔

نہیں کہتا ہے کہ اس شکل سے گزری نہ ہو۔ ہم بھی کہتا ہیں کہ اگر کسی شخص کو خدا کے لئے جان و مال کی قربانی کرنی ہو تو اسے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کی قربانی کی کیا وجہ ہے؟ اگر وہ صرف خود کو بچانے کے لئے یا صرف دنیاوی فائدے کے لئے قربانی کرے تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی۔

ماہ میرا ہم ملیں کہاں نرم میں ہوا ہلکے کیوں
اٹنے پھر آئے درگاہہ اگر روانہ ہوا

ان کی دنیا کی لکھنا انہیں وسعت و فراغت اور اس حقیقت کے کواہم و اوتھوں سے کوئی سروکار نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کی شاعری کو وہ محض نہیں سمجھتے بلکہ ان کی شاعری ان کی زندگی میں گھسٹنے پرستہ و استخوان چھوہی۔ اس کوئی نہ سماجی نظام کی مشکلات کے تمام احساس کے ساتھ ہی کرنا انہیں خود بھی بے لکھنا نہ رہا۔

کوئی امید پر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی

رہے اب اس کا چکر چرائی کوئی نہ ہو
جس سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو

جسے درود پارسا اک گھر نایاب چاہیے
کوئی مصائب نہ ہو اور داسیاں کوئی نہ ہو

کوئی توجہ اور کسی بڑی جستجو انہیں سرگرداں رکھنے لگی،
 جڑیہ گہوار تو کوئی نہ ہو تھیں اور

اور اگر مزاحیہ تو نو حرمواں کوئی نہ ہو

یہ ہے کہ جس کو ایک توقع غالب
جاوہر رکشش کا انکرم ہے ہر کو

لیکن غالب کی شاعری کا عام رجحان غنائی و عاشقانہ تھا اور چند باقی سادگی سے عبارت ہے اور انھیں ایک قسم کی غور و مری کے ہلچلے جہاز سمجھا جاتا ہے۔ اس کی مثال انگلستانی شاعر جان ڈن کے یہاں ملتی ہے۔ لطیف غزلیات اور ہر ایک بیٹن ان کے یہاں مہیا ملنے کی حد تک ہے۔ جو دماغ ان کی غیر معمولی ذہانت سے صحیح طرح سادگی سے بھی لکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ غور و مری کا اندازے کی پروا نہیں کرتے اور پیچیدگی اور وقت پسندی میں انہیں لطیف آتا ہے ان کے یہاں ہر چیز غزلیات، جذبہ احساس اور فکر کا ایجنہ ہے۔ خام سونا، اخراج پسندی کا کارخانہ جس کا مدینے آتا ہے:

جب نشہ سے جاوے چلے ہی ہم آگے
کلپٹا کے سر پاؤں سے چھو کر آگے

اس شکر گڑھ کا ماحول کی جڑیں دوسروں کے بیٹے پر ہمارے لیے کھدائی کر رہی ہیں۔ لیکن خالقِ عالم ہر انسان کو اپنا وارث بنانا چاہتا ہے۔

رنگ دے میں جب تیرے سر پر چھو رکھے گیامو

ابھی تو گنگی کا دم دوہی کی آزمائش ہے

اس کی اختراع ہند کا طرح طرح سے خود بینی کے تہذیبی اور پرولتے کے پرول میں اور ہند کی تہذیب ہے۔

پر پر رات شاید باہر ان کشتی سے نص
ہوئی مجلس کا گریسے روانی سے سفر کی

اور ان کا جگہ مرید و تخیل مباحثوں کی حد تک پہنچ جاتا ہے:

میرے خلیفہ سید کاغری مرزا کا کہ

اس سے پہلے ایسی تصویر (Imagery) نہ کبھی سوجھی تھی کہ یہ کیوں استعمال ہوئی۔ طبقہ کاروں اور قیادہ دہانی

یوں کہ ان کی فکر سماج کی دستری سے باہر نہیں ہے۔

میں نہ حال آبادہ اجزا اور افقش کے تمام پھر گردوں ہے چرخ اور ہگز اور پاروں

اس کے خلاف جات کی شہرہ نمایاں رہی جا سکتی ہیں۔ لیکن میں جس نکتے پر زیادہ زور دینا چاہتا ہوں وہ غالب کا اندازِ خیالات ہے۔

جس میں انھوں نے اپنے خیالات پیش کئے اور جس نے ان کے بعد کو شکست دلا اور ایک جوان برہمن کا بیٹا:

نہا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اُس نے حبیبِ شیریں ہی سرائنگ زدو تھا

ان کے تخیل کی بے ساختہ پرواز آبی واصل میں ماورائیت سے روحانیت کی سمت ہونے لگتی ہے۔

بیشتر فقیر مرد سکا کو بچن است۔

ان کے استاد سے اور ان کے
 Images (یعنی بھرپور معنویت اور پرستش کے میرت میں ڈال دیتے ہیں۔)

خواہات اور میر، بہاؤنگ کہ وہ قصہ دینا صبر کو ایک اکہ کی میں احوال دیتے ہیں۔ ان کے محکمک ہی اور وقت چندی ان کے احباب کے لئے

اس تصور نے قابلِ برداشت ہو چکا کہ انھوں نے اس اسلوب کو ترک کر کے پرنس ورنبرگ و سائمن نے ان کی غرضوں کا انتخاب بھی کیا۔ ۲۰۱۱ء تک

اپنے ہم عصروں سے زیادہ عظیم تھے اور اب جبکہ ان کے احباب فراموش ہو چکے ہیں، غائب و غور ہیں، انھوں نے سزاوارتہ شاعروں کے

یہ نہیں لگتا کہ اس نے شاعری کا کردار نبھایا اور کائنات کے اسے میں ایک واضح نقطہ نظر رکھتے تھے۔ آخر فرش کے اس سے میں وہ انسانی صورت کے منصب سے آگاہ تھے:

مردود و مردہ پر وہ جو خزاں اٹھائے طاقت کہاں کہ دید کا احوال اٹھائے
کس کو ستر بجوہ ہے میری کڑے خدا آئینہ فرشتہ کشش، جہت استغفار ہے
ساتھ ہی مامودہ اپنے زلف کے درختی خیالات سے بڑھا سکتی تھے:
کثرت آرائی و عدت ہے پرستار کی ہیم گروہ کا فرار، اصنام خبیالی نے بچے
اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کا تڑپ نہیں جانتے تھے:

اصل چشمہ و دل شاید چشمہوں ایک ہے حیراں پہلی مہر شاہدہ ہے کس حجاب میں
اور غلط عشرت قہر ہے دریا میں نما جو بنانا
اور بھر غلط قہر و دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو چلے

اور میں نے وضاحت کے ساتھ:

دھماکہ تو تھا تھا کچھ نہ ہوا تو نہ ہوتا ڈوبنا کچھ ہوئے نہ ہوا تو نہیں کیا ہوتا

زندگی کا یہی وعدہ اور گاہ ہے جو ان کی شاعری کو تازہ کرنا اور نشاط و دم اور امید و دم کے شعور کو تازہ رکھتا ہے۔ غالب کے تجرباتی دیگر فلسفی اور صوفی شاعروں کے تجرباتی سے ان معنی میں مختلف ہیں کہ ان میں جذبہ کثرت زیادہ ہے۔ ایک ایسا جذبہ جس کا اظہار میری سنگیز اور تکرار و تکرار میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے تجربات کو صوفی من و دین جان نہیں کرتے بلکہ خود کو گراؤ و مدول بینی کے درمیان پہلے نہیں جذبہ ادب و ہر گز کے غالب میں ڈھالتے ہیں۔ اور اس طرح ان کے افسانہ زبان میں ایک نفسیاتی استعجاب پیدا ہوتا ہے۔ غالب اس مفہوم میں ابد و طبیعت کی نہیں جس میں ادبی تھے۔ وہ کائنات کی ابد و طبیعت کی شاعر و زبان تھے کہ طرح اپنے تجربے کی محنت اور ہر مختلف صورت خیالات کو یہی شہادت کے ساتھ باہم آمیز کر کے انھیں ایک شکل دینے پر توجہ دیتے تھے۔ مگر جذبہ کہ ایک دوسرے میں پیوست کر کے محمول نے ایک نیا استخراج اور ایک نیا تخلیقی پیدا کیا جس میں مدول نے اور غلط اور غلط کے اظہار کے ایجن اپنا صحیح مقام حاصل کر لیا۔ غالب میں باقی ٹل جیسے ابد و طبیعت کی شاعر اور ان کے منصب میں زیادہ محدود ہیں۔ ان کے یہاں اس صوبے سے زیادہ گہری اور وسیع تر کہیں ملتی ہیں

A BRACELET OF BRIGHT HAIR ABOUT THE BONE

اس قسم میں خود خدائیں دکھا سکتی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ غالب اپنی فکر کے تجربات اور صفت سے بڑی مائل تھے۔

کثرت اقل کے مسطور، تجر سے استعد
میر پر گفت تو کہ غارت خسر سواد ہے

غالب کی شاعری اپنے وقتی ایب م وقت میں اور قراءت میں ان کے اندر استمال کی وجہ سے چمکتی اور چمک رہی ہے۔ غالب کی شکل اپنی بڑائی تک اور ڈیڑھ سوس۔ روایت کی طرح ہے جس پر کلام پاک میں ایک قسم کی دہن سرت حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح میں ان شاعروں کا ہر ایک جنوں انھما اور لڑل تک رسائی حاصل کر کے ایک دہن طوالت اور غرض میں موس ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح غالب کے خیال کی اہم ایک پرواز دلا یا ان کا شعور ان کے تجزیوں اور مذاق انھما کی انھما سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ شاید یہی کسی خاص فکر کا ان بلند بیوں اور جذبہ کہ ان گہرائیوں تک رسائی ہوتی ہے جو غالب کی دسترس میں نہیں۔ انھوں نے جس ہر ایک میں اپنی اور تجزیاتی انداز کے شعور کے یہی اس

تک خیال کی دہرائی کا اہم ہے۔ اس کا تعلق باہد اعطیات کی فکر سے ہے۔ وہ اپنی دینی تحقیق اپنے ہی کے ساتھ ساتھ انسانی تجربے کے سرخیل اور ادبی اور فلسفیانہ پسروں سے وہ ایک خیالی عمل پندے کی اور تائید میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اردو کے نقادوں میں وہ زیادہ مشکل شاعر ہیں اور اسی لئے ان کے ہم عصروں نے انہیں مہمل اور مبہم گو کہ کر مطلق کیا، لیکن بالاحقیقت کے تغیر اور ان کی جدید تفسیر کی عام زنجیری ترقی اور روشنی خیالی نے غالب کے اس دعوے کو درست ثابت کر دیا۔ انہوں نے خود اپنی ہی حرکت کے بارے میں کیا تھا۔ کیونکہ کوئی اور ہی حرکت کرنا یا انہمازی بیان کی عظمت کے اقتدار سے ان کا ہمسر نہیں ہے:

گرفتاری سخن چہ سرا آئین بدو سے دیوان مرا شہرت ہدی بدو سے
غالب اگر این سخن سخن بدو سے آن دین ما نیردی کتب این بدو سے



”غالب بلاشبہ اس دور کے سب سے بڑے غزل گو ہیں، وہ اپنے اردو جھوٹے کو بے رنگ تسمیرا دیتے ہیں۔ اور اپنے ہر ستاروں کو اپنے فارسی کلام کے مطابق کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا شعر اردو دیوانے اردو شاعری کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس میں پہلی مرتبہ غزل کے عام بچے پھلکے مضامین یا تصوف کے شعراء کی مسائل اور موضوعات کی جگہ وقت خیال اور فکر انگیز مضامین کی دعوت دی گئی ہے۔“

غالب اصطلاحی معنوں میں فلسفی یا مفکر یا حکیم نہ تھے لیکن ان کی اقتاد طبع اور اسلوب بیان دونوں میں فلسفہ کی وقت نظر، تعمیل و تجزیہ اور اسی کے مناسب اسلوب بیان تھا ہے پھر زندگی کے بارے میں ان کا خاص طرح کا مزاج اور ایک خاص رجحان اور اقتاد طبع ہے۔ جسے ان کا فلسفہ کہہ سکتے ہیں ان کے تعمیل کی بلند پروازی بعض شاعرانہ نہیں بلکہ انتہائی ڈاکٹر ابلیس صدیقی



لیکن تو دیکھ گئے اس دورِ ماضی سے کہنے لگے کہ یہ خوش سبب نہیں کے ساتھ میں وصل کو رات بھر تھا ہے تو زیادہ لطیف ہوا کہ اور دوسری نظر نے گفتگو ہے۔ جہم و ماضی سے کہ اس دور میں میں پیدا ہوا تھا خود راہیں ہوئی۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ عام زندگی میں تو غالب ایک دنیا دار آدمی کا طرح عرض تھا کہ محبت اور نفرت اور امید و صدم کے مراحل سے آشنا ہوا اور اس نے زندگی کا ادنیٰ چیزوں کو محبت کا اصل قرار دیا لیکن شعر کی دنیا میں اس نے زندگی سے بے نیاز کیا پائیز کی نفس و سر پر غیورانہ اعزاز عظم کو پہنایا۔ غالب اس قسم کی ریاکارانہ و فریغ آشتی نہیں تھا۔ چنانچہ جو کچھ وہ خود اپنے دماغ میں خود بھی کچھ بل کی دنیا میں ہی تھا۔ اس فرق کے ساتھ شعریں مادی زندگی کا گروہاں میں زندگی باقی زندگی گویا غالب کے اپنے خیالی میں عام زندگی کی داستان کا گروہاں ہے۔

غالب کے اختلاف کا مطالعہ کریں تو اس کی شخصیت اور اس کے اندازِ فکر کے بارے میں کچھ باتیں بالکل آئینہ ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہ غالب کے دل میں اس قدر اتنا کہ ایک مستقل کیفیت موجود ہے شخص کا طرح سے جاننے کی اس کیفیت کو غالب نے بار بار اپنے اشعار میں پیش کیا ہے اور اپنی خواہش اور درد و غم کے ہر ایک علامت کی مدد سے واضح کر دیا ہے۔ یہ بات غالب کو ایک صحت مند و پختہ صحت گوشت پرست کے انسان کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ پھر ان اشعار میں جہاں اس کا ایک واضح رجحان بھی ہے جو دراصل لذت کوئی کے خیالی و ربحان ہی کے ذریعہ میں آتا ہے۔ غالب لذت کا غالب سے لذت کا کھنڈ کا گیل سے بھی حاصل کر لیا ہے اور صبر و استقامت سے بھی اسے زندگی کا مسرتوں اور لذتوں سے پورا ہے۔ لیکن غم سے وہ کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں کرتا بلکہ اسے بھی بھگتا کر اپنے سینے سے لگا لیا ہے۔ دوسرے نظروں میں غالب کی فکر اس کا مدد عمل اس قدر حقیقت پسندانہ ہے کہ اس نے زندگی کو مسرتوں، مسرتوں اور امیدوں سے محبت قبول کیا ہے۔ یعنی صبر و استقامت اور دوسرے چیزوں کو مدد میں کیا ہے یا غم کو قبول کر کے مسرتوں اور ماضیوں کا طوفان سے آنکھیں بند کر لینے کا کوشش نہیں کی اور اس غالب کا محبت ہے کہ زندگی سے اس نے ہر جان و ملک سے جدا کر لیا۔ اس کا اس قدر ہے۔ عام زندگی میں غالب کو اتنے مصائب اور مصائب سے دوچار رہی ہیں ان کا اس کی لذت برداشت بہت بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ وہ مصائب کو خیر یا سہوار میں اٹھا دینے کے قابل بھی ہو گیا تھا۔ اس کا غالب کا وہ فلسفہ حیات مریض ہر اس کے مطابق و درجہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ بھی جاتا ہے۔ ہر کیف یہ تمام رجحانات و نظریات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر غالب کے اپنے میں پیدا کر حاصل کیا ہے اور اس کے ان میں کچھ اور شعریں کا وہ شعریں ہے جس سے غالب کے کام کا آخر و چند ہو گیا ہے۔

غالب کی شخصیت کا ایک پہلو تو عام زندگی سے ان اور زندگی صورت میں منظر عام پر آتا۔ دوسرا پہلو خود ہی دنیا کے روپ میں آج کل غالب کو جہاں زندگی کے لازم سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ اس سے بھی ایک شدید اثر ہوا تھا۔ یہاں شاید یہ کہا جائے کہ ان کے اپنے اپنے ہر ایک یہ حقیقت ہے کہ ان کو اس پہلو کی نوعیت کی اس کی اس قدر غراں نہ ہو کہ ہے۔ لیکن غالب کے ہاں اس خود ہی تھا کہ وہ غم کو بھی اپنے ہاں کی باعث یہ کہ ہے کہ غالب خود کو مجبور سے ایک محسوس کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ عام لوگوں کا تو یہی مسلح بہت ہے اور ان کے لیے غالب کی بات کو سمجھنا محال اور ہی طریقہ اس کے قریب آتا ہے۔ چنانچہ اس کے ہاں خود ہی تھا کہ جب اس میں جہاں اس سے ہر ایک ہوتا ہے۔ غالب کا عالم ہر ایک میں جہاں بالکل معمولی باتوں سے متحرک ہو جاتا ہے۔ مثلاً اپنے خاندانی و جاہلیت، پیشہ یا باطنی منصب، طبعیت اور باتوں کے خلاف فیرو یہ تمام باتیں صورت غالب کو غریب میں لگتی ہیں ان باتوں کی اپنی شعرا نے کا دشمن کے خلاف میں راہ و رسم کی خیالی کرتا ہے اور ان کے باعث اس کی خود ہی سختی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی نوعیت ہر ایک کے ساتھ ہے۔ لیکن شعر کی دنیا میں جہاں اس کے احوال جہاں بالی تھا معمول کے سامنے یہ تسلیم کر دیتے ہیں خود ہی سختی کا پتہ کچھ ہوا۔ بھلا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ غالب ایک اپنے اپنے سنگسار پر براہِ مان ہے اور ان کے ہوتے کا اس کا

ایک ننگ و غلط انداز سے دیکھتا چلا جاتا ہے۔ دوسرے غفلت میں غالب اپنے شعریں خود کا احساس اور جذبہ بالآخر ہر عام لوگوں کا سطح سے اونچا تصور کرتا ہے۔ خود پرچہ کا جذبہ تو یہ ہے جو غالب کی عام زندگی میں بھی موجود تھا لیکن دیکھنے آدھا چمک کر کے کیا ہو گیا ہے۔

غالب کی شخصیت کے بارے میں کئی سوچنا پڑتا ہے۔ کیا وہ اس کے ایک لطیف ہی مزاج حاصل ہے جو عام زندگی کے علاوہ اس کے دل میں بھی نمودار ہو گیا ہے۔ یہ نہیں کہ غالب ہنسٹ ہے اور بات بات سے لطیف چہرہ کرتا ہے اس کے برعکس اس کی زندگی قیام و مصائب کی ایک کرب انگیز داستان ہے اور غالب ایسے حالات و واقعات سے بھرپور ہے کہ شہر کا کوئی ایک شخص اس کی زندگی سے محسوس کر لیتا ہے۔

اس کے باوجود اگر غالب کے ہاں ایک لطیف سا ہنس بھرا ہے تو اس کی یہی شخصیت کا تو واقعی نواز کی طرحی آواز ہے نہ کہ ایک معمولی صحت کا آواز ہے۔ دراصل غالب عام لوگوں کے کہیں غریبوں، "فرد" ہے۔ اسے زندگی کے غریبوں کا احساس اور دانا ہے اس لئے جب اس کی زندگی اور یہ میں رہیں آتے تو اسے شکست نصیب دلا۔ ایک شدید احساس کی ہر تپ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں وہ ایک بھر پور انداز سے دانا و انشخصیت کا ثبوت دیتا ہے وہ اس طرح کی شکست سے آخرا ہونے کے بعد دوسرے واسطے کی تصویریں کر رہا جاتا ہے غم کی شکست ہے مسکرائے گا ہے جیسے کہ وہ خود مقابلہ تو دل نا تو اس طرح کیا تو غالب اگر اس کا تجربہ شکست ہے تو یہ کیا صحت ہے؟ آخر شکست بھی تو زندگی کی کاوی ہے۔ چنانچہ غالب کے ہاں مشکلوں کے آسان ہونا ہے اور اتنا جو بار بار اظہار دینے پر ہوتا ہے اس سے اس کے گہرا کی غفلت نکھر کر رہے ہوا ہے۔ اور اس کے ہاں ایک ایسا ہم نظر لگنے ہے کہ میرا اس کا آئینہ شصت صاف مر جاتا ہے۔ اس اور مزاج کا استر غالب کے کام کا طرز امتیاز بھی ہے۔ لیکن یہاں بھی ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ غالب اپنے عام زندگی میں تو ایک انہماک سلید و انسان کا طرح زندہ رہا لیکن اپنے کام میں ایک تعین غفلت مدد میں آیا۔ عام زندگی میں غالب نے کچھ سنجیدہ گا کو چھوٹی طرح اپنے ذات پر سلف نہیں ہونے دیا اس کے سوا غفلت اس کے ثبوت میں رہی ہے کہ چھوٹی۔ پھر غالب کے غلوں پر ہیں تو اس کی ظرفیت کے بارے میں اس کی شکست کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ اس کے ساتھ کہ غالب غفلت سے شدید مدد سے ہر کام کو مکمل ہے لیکن اگر اس کی غفلت غفلت کی اپنے نہایت لطیف انداز تک پہنچ کر اس کے کام میں آیا ہے اور غالب نے لطیف مزاج کے نہایت قابل قدر غور و پیش کر دیے ہیں۔ غالب کے کام میں مزاج کا یہ مغرور اصل ہوتا ہے اس دوسرے قلب غفلت کا احساس کی غفلت کے پس پشت بھی موجود قیام پر یہ صحت اجڑنے کی قیام کی زندگی میں غفلت کی شخصیت بہت سے سماجی کثفوں اخلاق و تمدن اور ماحول کے بعد سے آگئے بہت سے غلوں کا کھنکھن سے لاپرواہی ہے۔ لیکن چونکہ ان تینوں میں اس قسم کے خارج اخلاق مدد اور شخصیت کے ہر صبر و اہم کے ساتھ میں یہ کھنکھن نہیں بن سکتے اس لئے یہاں باوجود اس میں غفلت کی نظر عام رہ جاتی ہے۔ غالب کی شخصیت کا ہر ایک غلوں کے کام میں موجود ہے جہاں اس نے بہت سے جذباتی کثفوں اور غفلت کا احساس اور اس کی غفلت کے ساتھ خیر ختم کیا ہے گوئی قوت برداشت و صحت قلب اور یہ خفیہ جسم اس کی شخصیت کی ایک ایسی اس کے کام کا بھی غفلت ہے۔

انجمنِ عظمیٰ

مُغَلّ تہذیب اور غالب

غالب اپنی شعری علامتوں، استعدادوں اور قیامات کی حد تک مغل تہذیب کا اور اپنی وسعت نظر، فکر کی گہرائی اور دلہاڑی مغل کے فنی معیار کے اعتبار سے ہر لحاظ کا عظیم شاعر ہے۔ علامتیں اور استعداد ہمارے غائب نے، استقلال کے چوں یا سیرنے۔ ان کی اساس ایک ہے۔ امیر خسرو نے بہت پہلے ایرانی شاعری کے مزاج کو ہندی مزاج سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش شروع کی تھی، تیر تک آئے آتے ہندی مزاج میں ایرانی جمالیات کی قدریں ایسی رشتہ ہیں کہ انہیں کو تیر تمام تر ہندی شاعر نظر آتے۔ اس کی شعری موسیقی میں ہندو شان کے موصوں کا اوصاف ہے۔ ایران سے ہرچہ والا آگیا تھا وہ ہندو شان کے زمین میں جڑ پکڑنے کا تھا۔ اس کا رنگ روپ الگ تھا۔ دل کا یہ شعر ہے

محبوب کی صفت مغل بدشاہوں کی پڑا

مادہ میں تیرہ نین توڑوں صوں کہوں کا

غزالیوں اور مغل بدشاہوں کے باوجود محبوب ہندی کا سپہاڑا ہے۔ تیر نے آج بھی شوق کیا تھا۔ آگرو۔ اصفہان اور شیراز سے بہت دور تیر پر دلچسپی کا ایک شہر ہے۔ اس شہر کے آبدیدہ خانے اس کے دل، دماغ، بدن اور آواز میں اپنا مادہ بھرا تھا۔ اس نے تیر کے محبوب کا مٹن مافکے شاعر خواہی سے الگ ہوا کا ایک نیا پیکر ہے۔ آگرو سے بہت قریب ہندو بن ہے۔ چنانچہ تیر کی شہر کی گہری مغل تہذیب کا بعد دوبارہ وہیں سے تیر والی کے مینوں نے جنم لیا تھا۔ جو پہلی اور دوسری گہری میر والی کے مٹن میں ہے۔ تیر کے مشفق شاعر کی میں بھی مٹن ہے۔ کوئی چاہے تو فارسی شاعری کے سارے دیوان اٹھا لے۔ تیر کی درد مندی، سپردگی، غلوں، اور ضبط سے نہیں بٹے گا۔ البتہ ہندو بن سے آگرو شہر تک آئے آتے منشا بدل جاتی ہے۔ شہر تہذیب و ثقافت کا ایک الگ نمونہ ہوتا ہے۔ شہر کے آبادی اپنی بڑائی کے وجہ سے رہن سہن کے اصول میں بھی تبدیلیاں پیدا کرتی ہے۔ تیر کی شاعری تیر والی کی شاعری سے اس اعتبار سے الگ ہے جتنا کہ یہ کہ بیان صرف سپردگی و غلوں کا نہیں ہے۔ یہاں ایک تہذیب کا عیاں ان عمارتیں ہیں۔ جس کے دو باہم کے نیچے انسان کو سکون بھی مہیا آتا ہے اور مٹن اکٹریں جاتی ہیں۔ اس عمارت کے دو باہم و دیگر کرسیوں کو ایرانی فن کی اور تیر کی شاعری کے بہت ساری باتیں یاد آئیں گی۔ لیکن یہ عمارت آگرو کی زمین پر رکھی گئی ہے۔ یہاں سے میر والی کا دور ختم ہوتا ہے۔ اور مغل تہذیب سامنے آتی ہے۔ جس کے خدعان کو خسرو۔ دلی۔ تیر۔ غالب۔ مومن اور دوسرے شعرا نے اُبھارا ہے۔ تیر کے بعد اس آگرو میں غالب پیدا ہوئے۔ غالب کو تیر کی روایت ملی تھی۔ لیکن تیر جیسے عظیم شاعر کے زیرِ پرورش و نظر و نما آسان نہ تھی۔ تیر سب کا استاد تھا۔ ادیب، استاد ہی ہے اپنی عظمت کی بنا پر تیر کی مٹن۔ اس کے تیر کی روایت کو اس عظیم فن میں طریقے پرانے بڑھا دیا گیا کہ غالب نے کیا ہے۔ اس کی زبردست انفرادیت کی دلیل ہے۔ وہی تہذیب تھی جو مگر ان کے آداب و

تھے۔ شہر کی حدود باؤں دی تھیں۔ اس مغل تہذیب کی سرشت اور غم غائب کے حصے میں آئے تھے۔ جو شہر کی شاعری کے اساس تھے۔ یہ رنگ ۲۰ یا سوڑ نہیں تھا۔ جہاں سے پختہ الامور اپنی بہت پر صروت کر کے قدم اٹھا سکتا تھا۔ بلکہ شہر کو سمجھ کر اس کی عظمت کو تسلیم کر کے اور اس سے اعتراف کرتے ہوئے راہ طے کرتی تھی۔ غائب نے اس سے انخوان کی بنیاد سمیت نظر پر رکھی ہے۔ آفاق سے تیر کر کوئی واقفیت تھی۔ آدھیت کے کمال تک شہر کی بھی رسائی تھی۔ وسیع انظر کی تہیہ بھی اسلام شہر کر دیا تھا۔ اور تھو اور کھڑک منزل تک انیس لگتی تھی۔ لیکن تیر گیس کی بہت لگن نہیں بن سکا۔ وہ جہر و اختیار میں موف "بہر کا خاصہ ہے۔

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت

اسباب بی راویں یاں ہر سفری کا

لیکن غائب جہر کے ساتھ ساتھ "اختیار" بھی شامل ہے۔ اختیار غائب کو بہت لگن بنا گیا۔ تیر کر جہر و گی لایا گیا لیکن

آٹھ ہجرت کے دو کعبہ اگر دا نہ ہوا

نو ہجرت سنگ دل تیرا ہی سنگس آستان کیوں ہو

دروشت کش دوا نہ ہوا

میں ایک بہت شکن "ایک نے مزاج اور ایک نئی انفرادیت نکھس نکھس ہے۔ عام لوہ پر غائب کی اناسمہا ہوا ہے۔ حالانکہ ایسا کہنے والے بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ شہر کا موضوع اس کی اپنی ذات نہیں ہوتا۔ ذات کو حیات و کائنات کے اور ایک کافی ہے اور آدمی کی طاعت پر کارکن میں جگر ہوتی ہے۔ دو کعبہ گز ہر سفر پر جوت گیا وہ آٹھ تھا۔ نہ کہ غائب۔ جس نے کسی کے سنگ آستان کی خاموشی کی اور کسی سنگ دل کے دل نہ پر صروت ہے انکا کیا و دھ کے بجائے غائب کی گھر میں لے دیا آٹھ تھا۔ تیرے بھی اس کوئی کو آفاق کا احترام کرنا سکھا یا تھا۔

لے سانسو ہی آہستہ کہ تازک ہے بہت کا

اور اس آٹھ کو کمال تک پہنچ کر کھلنے کا بل احترام بنا دیا تھا۔

قد متعجباً غبار قرص سے

مشق نہ یہ سوچ نہیں آتا

لیکن تیر کے صوبہ لاہور میں سنگس ہے بڑی عظمت ہے جس کے ساتھ ان کے فن کی سب سے بڑی کمزوری کو ہے۔ جہاں کے انصروں سے شہر کے دامن کو گھسیچا ہے۔ یہ بات انصروں نے آٹھ کی احترام کیا اور غائب نے شہر کائنات کو کئی کئی اہمیت نہیں دی

چہ کہاں ترسا کہ دوسرا دم یار ہا

ہم نے دشت انکان کو یکے نقل پا دیا

آٹھ کے ذات نے غائب کو بہت و استعجاب میں غرق کر رکھا تھا۔ وہ کہاں سے آٹھ کا احترام کرنا شروع کرے۔ وہ پہلا اس نما کو جو لے۔ جس سے عشق خلوص اور ذاتیت کے نام اہتر ہے۔ تیرا کہ اس نے پتا دوست لایا ہم غائب کی فطرت میں احترام و اہمیت ہے۔ جس کی حدیں آفاق ہی بہت گرا ہیں۔ لیکن نہایت بھی اس کا شہر دیا نہیں یہ تیر کا ہے۔

کھیلوں کی فتنش کو کھینچے ہجرت کو میں

جہاں دوا نہ جو نہ سیر رگزار تھا

یہ دیکھ نہ سکا کہ اپنا لے کر کتنی بڑی جہوس سے بیڑا چڑھ کر تیرا پانی تمام سطوح تک باوجود بیاں غالب کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان میں غبطہ تھا۔ انھوں نے اپنے اندر جیت کو سٹپا۔ لیکن اس طرح بکھڑا اور دیرینہ دیرینہ چھوڑا ان کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ عادیوں کا جبر وہ بھی رکھتے تھے۔ لیکن خود اپنی بڑی خبر بن جانے کا مولد صرف غالب ہی تھا۔ یہ لگیا کہ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے تیر کا واسطہ دیکھا تھا۔ اب لگیوں میں مغل تہذیب کا جو بن تھا۔ لیکن انھیں بھی بڑا نہیں تھی کہ یہاں ایسا حادثہ رونما ہو جائے گا۔ غالب کے ان دونوں اشعار کو دیکھ کر یہ جھوٹے تو معلوم ہو تا ہے کہ غالب انسان کے جینے کا اتنا ہی بڑا حق مانگتے ہیں جتنا بڑا خود ان ان ہے۔ اس انسان کا تصور پہلے شعر میں اور اس کا الیہ دوسرے شعر میں ہے۔ یہاں تک آئے آتے مغل تہذیب کا حصار ٹوٹ جاتا ہے۔ اور غالب کی شاعری کا موضوع وہ آدمی ہے جو کائنات کو داخل کر رہا ہے۔ اس دنیا کی اپنی میں زندگی کے اس کی بے پناہ محبت اہم نکات پر دلچسپی سے اقبال اور نیچے آدھی شاعری فروغ دیتے ہیں

گوئی کا کہنے ہے کہ اقبال کی شاعری میں ایک انصب العین نما ہے اور ایک بیخام ہے۔ اقبال کے ٹپے شاعر نے کے باوجود بات صرف اپنی ہے کہ اقبال کا بیخام بڑا بڑا اور بیا بیخام ہے۔ اور ان انصب العین بھی سوائے ان کے لئے تہذیب و عایت کے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ البتہ شاعری کے اندر باختمی کی دنیا کی ہر بڑی شاعری ایک ایسے انصب العین رکھتی ہے۔ اور دنیا کا ہر بڑا شاعر اپنی انسانی دنیا میں ایک بڑے انسانی انصب العین کو جگہ دیتا ہے۔ غالب نے مغل تہذیب کے حصار کے ٹوڑ کر اس میں اعلیٰ ترین انصب العین کو جگہ دیا۔ جس کے ایک طرف اس کی شاعری میں وسعت نظر اور دیگر کی ہر اڑاؤ اپنے چلنے ہے۔ دوسرے طرف مغل تہذیب کو اڑا کر انھیں انھیں دیکھ دیا۔ جس نے اس تہذیب کو دنیا کی بڑی تہذیبوں کا صرف بنادیا۔ جس نے ہندوستان کے اوروں کو یہ پایا تھا اس نے غالب کو یہ پایا۔ مہجد یہ تک آئے آتے ہندوستان کی سرزمین پر وہ بڑی تہذیبوں نے دم کرتا ہے۔ اور اگر نظام غفلت انسان کے لیے یہی لڑتے ہیں آج تک ہرگز چلنے کے لیے کہنے ہیں کہ انھیں چلنے کے لیے چلنا ہے۔ اور اس میں ان کی زندگی میں آج کی زندگی گزار رہے ہیں وہ ہر سفر ہند پاک کا تیسرا دن ہے۔ یہ تیسرا دن ان کا اس اور غالب کی روایت کو آگے لے جاتا ہے۔

جدیدیت کے پس منظر میں ہندوستان کا سارا انھی ہے۔ جس میں ان کا اس اور غالب کا نام ایک ساتھ لیتے ہیں تو شاعری کی ایک مشترک روایت کا تصور بن جاتا ہے۔ ہر تہذیبی اور اسے بلند تہذیب۔ آدمیوں کا ہندوستان ہوا مغل تہذیب اس تصور کے آقا ہونے کے بعد ہی تاریخ کے مستقل اجاڑ بنے ہیں۔ وہ استعلا اور دکھائیں جو تہذیب کا خود خالی کو ابھارتی تھیں بڑا ہی جگہیں۔ جدید شاعری میں ان کے بجائے جدید تہذیب کے خود خالی کے لئے استعارے تخلیق ہوئے چلے جاتے ہیں۔ البتہ جدید دیکھنے شعور کو ہر بڑی شاعر ہے یہ فرد دیکھتا ہے کہ اگر ایک مخصوص احوال کے نکل کر جب اور کسی طرح ایک استعارہ آدھا اور ان کے مفاد میں ہزاراں مجلس بن جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ کہہ سکتے تھے ماضی ماضی ہر کام نے غالب کو سمجھا ہے۔ کیونکہ غالب آدمی انسانی اور تہذیب کی تخلیق شاعر ہے۔ اس تخلیق کو ایک استعارہ میں احوال اپنے والا شاعر غالب کی روایت ۱۲ میں ہوگا۔

سحر انصاری

خالب ے معلوم ے محسوس ے تنگے

خائب ملیر، تہذیب کا مزاج تھے۔ ان کی کلی عمر میں اس مزاج کے بے شمار کس نکلا کرتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ شرافت، عارفانہ زندگی کے پاس سے ہیں گئے ہوئے اپنے عہد اور اپنی تہذیب کے پاس سے ہیں گھر جانا ہے۔ خائب نے بھی یہی کہہ دیا۔ خود برصغیر کی تہذیب اپنی گیس اور تلواریں رچا کر کے ساتھ ملیر، تہذیب سے عبارت ہے۔ جو یہ دور کی صداقتوں کے مقابل ہونے کے باوجود ہمارے ذہنوں اور ہمارے جذموں کے رشتے میں تہذیب سے ملے ہیں۔ مثنوی دور اور مثنوی تہذیب کی اپنی اور اپنی کو خود خائب نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ لیکن اس پر کڑے سے یا اس پر ہلنے کے بجائے انھوں نے اس کا آخر قدم کیا اور اسے سیدھا استقامت سے تعبیر کیا۔ یہ شعور ہمارے ذہنوں میں ایسی شخصیتوں کو بھی کر لیا کہ ہم جدید تہذیب کے تقویوں کی سوجھ بوجھ کے باوجود تہذیب خلیہ کے جو افکاروں صلب ہو جاتے ہیں۔ خائب اس تناظر میں نئے نیاویں کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں ان کے جذبہ خود ہمارے کھوئے ہوئے جذموں کی تلاش کر رہے ہیں۔ خائب میں خیر و برائی نے ایک انداز تلاش کیا، اس میں ہر ایک کو وہ اپنے عہد اور اپنی تہذیب کا اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ کہیں ان کا اندازہ راسخ ہے ماضی (سے منہ منہ کر کے دیکھنا) اور ہر جہاں ہے اور کبھی ماضی دور زندگی کی ماضیت و تقویٰ سے عبارت ہوں کی ضرورت کی ان کا شعور میں جاتا ہے۔ چراغ دور و دور کی صورت کے گل ہونے سے ان کے آخری نفاذ فکر میں جو انداز میں اصل ملتا تھا اس کو روشنی میں لے کے لے انھوں نے

شیخ گفتند و خود رشید قائم و اوند

سے دنیا رشتہ استوار کر لیا اور ہر خواہش کو فعلی مگر مثنوی سے تعبیر کر کے تہذیب کی نامیاتی سرشت کی طرح کوئی نیا کافر ختم کیا اور جو محسوس ہوا جیسے خزاں ہی سے ہوا۔ کی طلب سب کے دلوں میں پیدا کی تھی۔ اس پر اس پر ہلنے کے بجائے مستقبل کے صفات کا کافی ایک ماس کا کافی کی طرح خائب نے اس کتاب کے صفحات میں ان آہوں کو بھی سمیٹ لیا جنہیں ہم کہہ کر وقت کا جو مری نگہروں کی طرح چمک دیتا چاہتا تھا۔ زندگی کے ہر موڑ پر خائب کی وسیع اشرفی نے یہی شعور دیا کہ

چشم کو چاہیے ہر رنگ میں دا ہو جانا

یہ روحانیت، ایہ سرخوشی، ایہ توانائی اگر کسی ٹھیکے میں کوئی حاصل ہو جائے تو پھر وہیں خود ایک عہد کی علامت ہے جانا ہے اور انہوں نے آئندہ کا کس کے لئے صدارت پذیر گشت کا کام کرنا ہے۔

دنیا کی زبان میں ایک خائب کا شعور اس قدر ہرگز شرافت کا حامل نہیں ہے کہ اس کے بڑے بڑے مشعروں کی کوئی نقل اس

میں نے فرہم کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ خواہ یہ تاثر اس شخص سے فیضات حاصل کرتے ہوئے بھی ہو خواہ اس سے خیر و اچھے نہ ہو۔ غالباً اس دور
 زمانہ کا ایک ایسا ہی شاعر ہے۔ (انجی) بہرحقی شخصیت انگریز اور اسلوب کی بدولت وہ اردو کے ہر شاعر کے لئے تاؤننگ جابا یا ایک ایسا اجڑا
 جس کے نقش قدم پر چل کر بعض افادات کوئی مسافر منزل پر بھی سلامت پہنچ جائے۔ اور کوئی راستے پر جان نہیں گم ہو جائے۔ غالب کے
 ساتھ بعض افادات انصافی بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ غالب ہے کہ غالب کے کثرتِ سخن پر کسی ایک اصطلاح کا احاطہ نہیں ہوتا۔ نیز کی پیشتر ذکر
 حقیقہ و درحقی خصوصاً ان افادات کی وہ پہلی موسمی کی مدافعی جاتی کہ تو میری اور غنیاں، ان قبل کی تو میری اور غنیاں، اس قسم کے کسی ایک شخص سے یہ نہایت
 کہ جو میری اشتراک نہیں کر سکتے۔ اسی لئے بعض افادات بھی میری کہ غالب کے میں کو کہہ دیا جاتا ہے۔ اور بعض افادات کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کے
 ہر شعر کو تیسرے سزا، حکیم، صاحب، بیدار، فیضی اور دوسرے شعراء کے کلام کا چرچہ قرار دیا جائے۔ اس قسم میں ایک مشکل اور پیچیدہ خرابی
 ہے کہ غالب ہر نہایت کے کلام سے کوئی مربوط یا حفظ کشفیات، اصول کلیات یا نظریہ کلیات نقد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر لوگ یہاں سے تو
 غالب کا دلوان کی فہم و شمس اور نہ فقط اس کا دلوان کی صف میں آئے۔ اس میں کچھ مانا احوال کو شاید کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ انہما
 کسی ایک نقد و نظر پر اسرار بھی نہیں ہے لیکن اگر ان شعری شخصیات کا خلاصہ نہ لکھ کر انہیں میں میں مربوط کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک
 قوم غریب (All inclusive) ہے۔

غالب کا مذاق بڑا سہل ہے۔ یہ کہان کے کام کو انھوں نے لکھنا چاہا۔ اسے خود نظر میں رکھ کر خود تبدیل ہو گیا ہے۔ اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہو سکتا ہے۔ وہ اس طبع پر مبنی کہ اس کے مختلف پہلوں میں سے پہلی ایک کہ ایک نثری اثر کا نمونہ ہے۔ ایک مضمون تھا جب حالی نے کیا وہاں میں یہ الفاظ اصراف فارسی کے مشابہ شعرا وادب سے غالب کے کام کا نمونہ لکھے تھے۔ تقریباً عرفی اور بیحد صاحب اور افضل کے طرز اور اسلوب کی روشنی میں غالب کے فکر اور اسلوب کو یہ کہنے کی کوشش کی گئی۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف ایک غیر مضمون کی روشنی میں بلکہ مولوی محمد رفیع نے مفری شعرا کے کام سے غالب کے کام کے موازنہ کیا تھا۔ کہ جس میں اس نے اس نے موازنہ کر کے یہ کہہ کر انہیں غماز نے یہ موازنہ کر دیا ہے اور یہ موازنہ کر کے یہ کہہ کر انہیں غماز نے یہ موازنہ کر دیا ہے۔ یہ مفری ادب سے بہت چنگ ہو جانے کا ایک اور اہم نکتہ ہے۔ ادب کا نظریہ، عرفی، حاشیہ اور بیحد کے چھانے والی، بیحد، بڑا رنگ، فارسی، بیحد اور غماز۔ یہ سب سے مزا کے اسلوب اور فکر کا موازنہ ہے۔

[illegible][illegible]

رچا ہر گرام پر جس کے سلاسل میں غرض نے غواشیں ڈال دیں کسی کے دل کے دھندے پہ چلان گئے، حالانکہ اس نے انھیں اپنی نشانیدار بنا دی تھیں۔ اور اسے یوں ہی موت جادہ بنا۔

تو کچھ روز تک آمدہ ہوا کی جو مسیح باز ہیں رفتی و گشتی تو فضاغت و دہانغ
وقت کے اس کب کو بچنے کے لئے دعا غائب کی زندگی پر غور کیجئے۔ شخصیت منفرد، مزاج میں تشکلی عرافت و مہانت بھر پور
معمولی عقلمندی زبانیت و بلاغت وادب۔ بھر مغرور ہے ہیں باپ اور بیٹا کا انتقال۔ اس عروسی کا نظیات پر مسلسل اثر تیرہ برس کی عمر میں
شادی اپنی دوسری کا ہو چلا۔ جسے قبول کرنے کا شعور بھی اس وقت ان میں نہ تھا۔

یہاں تصادم سخت قریب آئیں یہاں کے اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفت ارم ہوئے
اور پھر تمام عمر کی زندگی کے ساتھ زندگی پرکھ جس کا دل بچہ رفاقت انھیں کچھ میسر نہ آسکی۔ غائب رہنے کا وہ باز تھے اور سگڑا غم و دھم
و قیود رہنے کو جب سمجھتے تھے۔ جی وی دودے نماز کی سنت پابند اور فاضل مذاہب سے بہت نیچے۔ یہاں تک کہ لالہ کے کھانے پینے
کے برقی انگ اور شرم کے ٹنگ رہتے تھے۔ سارا کا زندگی اکی مسلسل غصہ پھٹے گزرتی۔ بی بی احساس عروسی انھیں تمام تمام چیزیں تھے سدا کا
پردہ شک و شبہ کے لئے آگیا اور یہ تصانیق سے بہت اندر غرض نکاسی اس بات پر مجبور کرتی تھی کہ معقول اندر میرا دلی ہو لیکن بازار میں جس نام کا
سودا دار وہ قیمت پر نہ تھا۔ اس بازار میں غائب کے کیا دام آتے۔ یہاں ان کے خطوط ہمارے سلسلے بھرتے جن خطوط ان کی کوئی خدمت
سوانح عمری کا ہے، اس میں ایک ایسے شریعت اور بین آدمی کی تصویر بھرتی ہے جس کا صاحب اپنے بی بی غم و غم میں پسین کن بیکل ہوتا تھا
پڑھنے والوں میں بہت چمکدو سر سے اور تیسرے دیکھنے والے بھی گئے۔ "نواہوں اور تیسوں کو والا کبر اور سپر با حضرت دلا نعمت و کرمیت
جس ان کی شب بھیم اور سمان اور تہذیب و عادات گھوڑا ہے۔ اور جانتا ہے کہ نہایت پیش نکل حسین خاں کے گھر۔

اس دور میں ادب اور شعور کا خیال کیا کہ عوام اور خواص سب ان کی نظر کا لک کے فاضل ہو گئے دلی ایسے بڑے شہر کی معاشرت سے
ان کا ہوا و دست تصادم ہوا۔ یہاں قدم قدم پر مشغولیت کو نہیں گنتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ پہلے تو وہ وطن گل جینس کے اڈے سے بے نکال اور
دوسرے دھندلے گئے۔

گویم مشکل و گردہ گویم مشکل

اور بھی چمکھلا کر اس بات پر قانع ہو گیا کہ

حسرت کل کی تمنا نہ مصلے کی پروا
نہ سہی گر میرے اشعار میں معنی کی سہی
ساتھ ہی ساتھ چاند کا اپنی عظمت اور گہرائی کا احساس کیا کہیں غائب نام آدو کہیں مدح اللہ کے ہی مہزبان۔ کہیں صرف کا محضات
سرور شاد اور کہیں ایسے آواز اور خود میں کہ

اُٹنے پھرنے کے در کعبہ اگر وہاں نہ ہوا

پھر حاکمات دلی کے لیے کے کہ قدم قدم پر تیار ہو گئے وہاں۔ وہاں کا کہیں۔ کہیں پندار کا ضم کہ۔ دین ان کے طواف کرنے کی عادت کو چھ
گئے اور کہیں عجز و نیت سے اس کے راہ پر نہ آنے سے یہ عزم کر دیا کہ اس کو اس کے تاج عرفان نہ کہنے۔ دلی پر دنیا نیاں و فاضل گزری ہوئی شرب
پھونڈی۔ لیکن ہر شب ما جبکہ میں چپ کر کے کہیں لی لی۔ آدمی وضع دار اور متعلیہ خسرات کے گمن نمونے۔ ایک دلی دوست کے چھینٹ
کے نرمل کے بدلے دیا مایہ کا نا چھوڑ دے وہاں۔ فاضل اپنی باری اور موتی خاں کوں کا دم بھرنے والے۔ تجیل و آفت کے مایوں
صدا کا سحر کر ہوا۔ تا علی برہان کا تار و کمر ہوا سنہریوں نے دفتر نظریہ و سلام کا کر دیا۔ اور جنگ محنت اور انرا حقیقت عرفی کا فاضل

تک فوج پہنچی۔ زندگی کے نئی حالات میں اسے عروج کو کوئی اور دوسرا درجہ نہ رہا۔ یہی کے ایک بھانجے کو بلا کر اس کی بیٹی نکاح کر کے
 کہ درخش شمع و دھواں غمت
 اور میں ماحول شہاب میں اس کی موت کا دغا دلی پرے لیا اور یہ کہتے تھے۔

تہہ لگے کمر لب پہ پہنچا کوئی دہندہ

ہوا و خفاہ ظفر کی غلطی کلام کو نظر خط و کر کے یہ کہنا کہ مرزا تم چہ تھے بہت خوب ہو تا اچھوں اور خود و غیرہ کی اس کے خود بخود نہ
 کی بکثرت گفتار سکھانے کے شوق میں غلی کے طور پر کہہ دیا کہ دیکھیں کچھ دے کوئی دلیا ہرے سے بہتر بہر تو اسے فلفل کو دکھانے کے حرولیت
 سمجھا گیا اور گناہ رش و حال ذہنی کے ہرے میں کہنا تھا:

است و شد سے ہو مجھے پر غاش کا خیال یہ تہاب یہ بوال یہ طاقت نہیں ہے

گوئی میں ہی کہتے ہے:

کواسے کو مجھ میں گسٹران پیشینی مباحث ملکر غالب کو دناؤ دست

اس امید پر تعلق سے تعلق رکھنا کہ شاید کوئی امید برائے اور شاعریت و خوشامد میں قریل ارسال کے قیودہ گرے بھی بہت
 ہے جاتے اور غالب کا اہلاد یہ چننا

اسے شہنشاہ آسمان اور رنگ اسے جامد اور آفتاب آئنا

بیرو مرشد اگر چہ جھکے نہیں ذوق آرائش سرور و مست

بکون نہ ورکار ہو مجھے بخش جسم رکھتا ہوں میں اگر چہ نزار

میر ہی اخراج میں تہائی کا ہو گیا ہے مشرک سا ہر کار

میر ہی تنخواہ کیئے ماہ و ساء تانا نہ ہو زندگی مجھے دشوار

لیکن انہیں زندگی دشوار ہی رہی۔ خطاب و غفلت مٹنے کے بعد تاریک فوسٹی پر اس دور میں تو کیا اس دور پہلے ماہول رہا ہو
 خبر اور صبر وہ بھی نہ ہیں سکا۔ سلطنت مظفر کا نام ہی نام تھا۔ پھر خفاہ ظفر خود دست لگے وہ کسی کو چھ

ہوئی مجھے ترننگی کے ماہ و پانے کی وہ مجھے بجا نہ پاد و ترننگی

پہلے سرکار و انگلیش کا اس قہار جاتر و مانگنے کے لیے منظم و خفاہ ظفر بھی کرتے اور یہ دے گئے رہے۔ خراج سز کو دل پذیر
 بکھے تہہ لیکن اب دوسرے شہر پر گر و باقی رہی مدد ملی ہیں کوئی سر کوئی ہوا کام نہ آیا

وہ محدود ماحولی میں نہ کام آئے جس طرحے وہاں ہو منیر مریں

قہار کا مدد تو الگ بہادر ڈیڑنگ نے اپنی شان میں لکھے ہوئے قیودے کو ناپس کرتے ہوئے غالب کو حکم دیا کہ آؤ کہہ دایس
 و سزئی ہمارے پاس نہ پہنچا کرے لیکن خفاہ ظفر ان باتوں سے کہاں رکھنے والے تھے ان کا سبک تو یہ تھا:

قطع کیجئے نہ قصصی ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

وہ اس طریق اور قہار نے شان کے ساتھ چنے زمانے کے گرم و سرد پر بات رکھ کر گزرتے تھے وہ ہاتھ کے کبک مباحث
 اور داری ضرورتوں کی تکمیل ایک لازمی سہی امر ہے ورنہ وہ کہاں اور یہ وہاں کہاں۔ اپنے انا اور خود داریا کے اوصاف رنگ و دھن

مصرف رہے۔ وہ جانتے تھے کہ راقول جو حق صاحبِ قلم و درم میں انڈیا میں رہے:

ہاں قلم ہے خیر، علم زہا ہے نیاز
ہم ملک تو زہد ہے ہم زہن ملک فحاشات

پھر بھی زندگی گزارنے اور انصاف کے مقابلے میں انصاف لانا آسودگی کے مقابلے میں سکون و طمانیت کے حصول کے لئے ریشہ دانت میں انصاف کے کوئی دقیقہ فرو کرنا شست نہ کی۔ کتنے جیسے دور و دراز مقام کا سفر کیا وہاں دو سال امید و حیرت انگیز کشش میں مبتلا رہے کبھی اس کی گلوں میں بہو ورنے لگتا اور کبھی دست قضا میرا گھر تراش لیتی۔ اگر خبروں کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ حق میں حق است و میں دانشمن "تہذا بھی تھے کہ غلط اور اس تھے کہ میں سمجھا ہوں۔ لیکن میں شیعہ ہی کہتا تھا کہ انھوں نے ایک اور خبر یہ کہ میں ہوا ہمدی جئے" اس کے مدد می بیئے جو نامبرائے اس کو شہنا سزا کیئے

وہ سرکارِ انگلیش کی کھلی ناانصافی پر نالہ و فریاد کرتے رہے دھم دے جہاں میں اندھیرا۔ اپنے احباب کو خطر طے کر لیا ایک ایک نوادہ کے صلیق کرتے رہے۔ انھوں نے کئی بار اپنی کی لیکن ہر فیصلہ ناامیدوں کے حق میں ہوا اور غالب اس "تصغیر" پر تلوک کر دئے تھے کہ تو دے اسے ملک ناانصاف آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

رینڈ ٹیڈنٹ اور ریشٹ گورنر سے کہ عہدہ کو توڑے گا "ہر برس سے پہلے کے لوگوں نے پریشان کیا رخصتیں طلب کیں۔ راء میں جسے آگاہے اس طرح ہر برس سے سوزناوت ہوئی ادا میں امید پر کہ شاید آسودہ خاطر ہی اور مقررہ مالی جیسر آجائے ہوگا۔ وزیر ملک نظام ملک بہادر نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سال فوجی لگان دولت اور کوششیں سیاست ملک اپنی سعادت و بچانے ناموت کر دیے۔ درمیان میں اگر کبھی آمدنی کی کوئی سبیل ہو جی گئی تو وہ ہر گز بھی سے منی جون کی گری میں بارش کا کوئی جھینسا نہ تھا لیکن وہ کم محنت نہیں تھے۔ وہ خوشایاں صاحب و آہ کام اپنی زبان کے شہاں میں نہ سمجھتے تھے۔ وہ نہانے کو "سخت کم آندا گزرتا تھے دیگر نہ ہم تو قویع نہاد۔ کتنے ہیں وہ اس عہد کا تمام ناانصافیوں اور محرومیوں سے عبادت زندگی کے ایک ایک لمحہ کو جگا۔ ماستان کو خوفناک رہے تھے۔ قانون بانہائی صبرا نوسشتہ ایم

آفتخدا ایم ہر سرخار سے بچنے دل
اخبار ہر س کی اس سنی حاصل کے ہدا نہیں ہوں گنا بھیجے حضرت ان کے خلاف کوئی ہیبت نہی سازش کر چہ ہے ان کا
ہمت عالی کہنے وہ ہے شکست دینے کا خوش فکر کہ یہ ہے
"سجنا اللہ معزول نہ کہ دیگر کوئی ملک اگر گناہ و میر و گزست رنگ اہلایت نہرو و گرجا جی سوتلج اور خوب صدمہ ہائے
ہانکا و پاشد گز سدا شد و آخوہ ۶

وہ خود قہر و غضب جب کوئی ہم سا دھما پھر ملک کیا کہ ہم سا کوئی پیسہ نہ ہوا
دوسری طرف میں کا طرہ یہ ملک میں ایک جہاں پایا جاتا تھا ہر فرد کے دل میں بدلیا رات کے خلاف لغت اور انتقام کی آگ بھڑک رہا تھا۔ اگر نہ چاہتے تھے کہ یہاں گناہ کی ہر ایک ذراہ کی گزشتہ ان کا دینے پائے تمام روشن خیال اور صاحب فکر جنہو متاویوں پر کڑی غلو کر رکھی جائے گی۔ نائب کے مقرر ہر قسم کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ روشن اور غیر متوجع کا نام میں تھے۔ ایک دن کو تو ان نے قمار بازی اور چا خاندان کے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سیاسی مجرم کو کس اور جرم میں دھوکہ لگایا۔ اب تو ان کی ہر ملک میں ہوتی ہے۔ غایت کے لئے سب سے بڑا ٹھکانہ ہو سکتا تھا۔ ہر ماس میں کس کدہ کا کھانا ایک نادر روزگار شاعر

وہ قسراتی اور وہ دھال کہاں وہ شبِ دور و ماہِ صبا کہاں
فرست کا سہا بارِ شرق کسے لہو کی نظر راہِ صبا کہاں
دل تو بدل وہ دریا بھی نہ بہا شورِ سوسائے خط و قال کہاں
ایسا آساں نہیں بہو دھنا دل میں طاقتِ جگر میں حال کہاں
ہم سے چھوٹا تھا رخِ مدِ عشق داں جو چاہی کرہ میں مال کہاں

ہر نکتے کی حقیقت کھول گئی۔ عالمِ تمام حقدِ رام خیالِ نظر آنے لگا۔ ہر چیز کافی، ہر شے ندال آ، اوہ معلوم ہونے لگی۔ خلک کا دیاک سورج بھی ہوا کی ماہ میں رکھا ہوا چند رخِ نظر آنے لگا۔

یہاں ندال آ، اوہ جزیرا آفرینش کتنا مہرِ گروں ہے چراغِ بگرنہ پادشاہ
یاں کیا دھرا ہے خط و رسم و جاہ میں

ہاں گرو کی ساقی است سلامت بھراک مددِ مزا ہے حضرتِ سلامت
ہاں کھنکھو است فریبِ ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

ایک بیکارہ گیا تھا کہ عالمِ آب و خاک کو دایاں بائیں و کفٹ و گھروٹھی سمجھا جاتا۔ وہ وقت بھی آج بچ تھکت اور سلطنتِ شامی۔ ہر ساحری خرافاتِ نظراتے ہیں دیا میں نام آور ہونے یا گم ہو کر جینے میں کوئی فرق نہ رہا۔ کچھ ساحری ہر کچھ صحت بخشاں سب و سہم ہر چند وہ کجا دم ہے۔ یہ وہ بخاندنِ قاضی ہے نہ سنگ ایو سکی لہجہ اپنے سے خود کو بار بار بکایا تھا۔ اس نے تفسیر و انقلاب کو زندگی کی نئی گردنوں سے تیسرے کھاد و خوش کاوڑی کے تازہ ہر جانے کے علم کو اس سورت سے بدل دیا تھا کہ آئین کی حکومت قائم ہوگی اور ایسے صاحبانِ کمال سے سادہ تمام ہوگا جو

آنچہ ہرگز کس نہ یہ آکھندہ اند

اور جی اپنے علوم و ہنر و فن و اپنی اطلالی سائنس کے کرشموں کی اس طریقہ کا ہر کرتے ہیں۔

مشرقا صبح و دریں تیر و شبِ عالمِ رازند شمعِ کشتہ و زخو و شیدائے تم و زند
داد و آتشِ راہِ پیوستہ اند جند با صد گونہ آئینِ بستہ اند
کچھ افسانہ خواہد ہاں کچھ ہاں آب دو دو گشتی راہِ پیوستہ اند
نقشہ با پیوستہ اند سارا آوند صحت چوں کا نرسہ ہر دہانہ اند
کی زند آتش جہاں اند رہی ہی و زخو ہاں چوں انگہ رہی

ہر چہ ہر دہانہ پیوستہ ہر تمام اند

پانچواں اس کے سمجھتے تھے ان سے پہلو اڑا

باصلیم نسا و کار ہر

ہر چند کہ اس منزلِ ملکاتے آتے شکست و درخت کے سیکڑوں و سطوں سے گونہ ہاں ہوگا۔ تاہم ایک روشنی خیالِ امید تو ان انسان کی طرح انھوں نے وقت کی آواز کو گوشِ قیمتِ نبوت سے مناد

چہرہ فرو نیاسے سے لگنا نہ کئے ہوتے
بہا بہتر و نور و نہ آخر شمس

اور —

اک شکار آتشیں رخ سر کلا

کے باب میں سوچنے والا وہی وہی کشتی گرا سو فتنہ زنی گرا کاشم آئینہ گیس لب اور ہر کسی عکسوں کے و گھر ٹیوہ بانے عجیب پر نمود
نکرتے لگا لکھی یا۔ یہ کل چکا تھا کہ فاقہ عرض ہنریں خاک نہیں۔ لیکن تفسیق تو وہی کا ایک جبر ہوتا ہے جو بعض اوقات سائنس پتے کی طریت
ناگور پر ہوتا ہے اسی جبر نے ان میں تخلیق اور جدت طرز کی کا وہ آتش سال بھر کی لگیا جو ہو کے مانند ان کی رنگوں میں زندگی بھرتی تھی
اور ان میں مسات ہر ایک کی رہی گزند کا جبر سب پر چھان گزرا ان کے طے لگنے کی داستان رقم کرتے رہتے

لکھتے تھے جنوں کی حکایات عجیبوں
برجہاں میں بات جہاں سے قلم برکت
وہ آتش اور آتش کے جواز سے فرار اختیار کرتے حالوں میں نہیں تھے۔ زندگی کے باب میں ان کے علاوہ اہم ہی کچھ اور تھے
موت حق سر سے گورہ کیوں نہ جائے
آستانہ یار سے اٹھ جائیں کیا
لیکن استخوان آستانہ آتش کی ہی بدھوت ہے

صد چاہئے سزا حق عقوبت کے واسطے
آخرا کجا چکا رہوں کافر نہیں ہوں میں
اور پھر وہ ہی انسان تھے۔ یہاں دو ساغ نہیں تھے کہ گرویش عام سے ان کا تپا نہ ٹھہرا
کیوں گرویش طاقت ٹھہرا نہ ملے دل
انسان ہوں یہاں دو ساغ نہیں ہوں میں
خاک ان کی زندگی پر کچھ نہیں ہوں میں

اور پھر کس حسرت سے کہتے ہیں:

یا مدب زمانہ نیکو متا ہے کس لئے
لوح جہاں پر حوت مکرہ نہیں ہوں میں
آخر وہ وقت آیا کہ قویٰ شخص ہو گئے۔ خاص میں احمد الیاتی تھا۔ ساری زندگی لگ دو کر کے گزرتی تھی۔ ساری اصراف کے طالب
رہے۔ خاص طرح سے کیا جو کچھ حاصل ہوا ظاہر تھا۔ ہوں تھا تھا یہ پشت پناہی کے لئے کوئی جہ ہی نہیں۔ اپنی ہی ذات فتنہ و عاصمت کا نشی
ہی تھی۔ اور وہ فتنہ زنی پر بیٹھا بھی تھا کہ اس قدر ضبط اور گہرائی کے باوجود بھی گویا ایسی گنجینہ دنیا ایک عالم پر وجود نظر آتی۔ دنیا پر
اور بہت ہی اچانک معلوم ہوئی۔ ذات کی دنیا میں پکٹا تھا۔ اتھ پھاگتو کس کو کبھی کبھی کھانے کے کوئی نہ تھا وہ خود وہم و گماہیک لگتے
تھا وہ اس کا کایا سنو لی پر چہرے پر کتا یہ لگا اس سب سے طاقت۔ اور وہ اس کی کو ہی اصل زندگی سمجھتے تھے ان کی تمام قوتیں۔
تو پھر میر سنڈا گھول نہ جو دھیم
دل میں پھری جبر مشرہ گر خور کا زب میں

لیکن وہ دنیا کی ہر چیز کا بہت قریب سے جاننے والے تھے۔ بسود ہی انہیں فتنہ طلب معلوم ہوتا تھا اور وہ کہ ہی خواب میں ہنوز نہ جا گئے
ہی خواب میں اس سوچ پر ہی کا اہمیت لکھتے تھے ہر چیز کے لئے سے کھ کھنی معلوم ہوتا ہے کہ کہ قبول حیرتوں ہی ایک طرف ہو معلوم۔ باظرف
انسان کے سوت ایک راستہ جاتا ہے کہ وہ اپنا جہاں سے اس حرکت پر مشر کہ ہے جہاں جہاں کی اس کے عالم میں ہی انسان کو کھ کھنی
قائد کے کا ایدہ پندہ لکھتے ہیں وہ اس دنیا میں ہی تھے۔ غریب و شہر کے۔ ان کے لئے ہی انتخاب کے لکھتے لکھتے رہ گئے۔ وہ لکھتے رہے

آغا افتخار حسین

یورپ میں غالب کا مطالعہ

اردو دنیا کی تیسرے یورپ کا گئی جن خود شیوہ ہیں داخل انصاف ہے جن مستشرقین کو اردو اور برصغیر خند پاک کے نام کی ادب سے دلچسپی کا رہی ہے انھوں نے غالب کا مطالعہ کیا ہے۔ اور آخر انھوں سال سے اقبال اور غالب کے مطالعہ میں یورپ میں خاص طور پر لی جا رہی ہے۔ غالب کے کام کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ خود شریک ترجمہ میں پانی زبانوں میں لکھے جا رہے ہیں۔ غالب کے گھر واسطو پر مضامین لکھے جا رہے ہیں۔ یہ سب جو اسے لیکن انھوں نے یہ کہ پاکستان میں کوئی ادارہ ایسا نہیں جو ان یونیورسٹیوں کے کام میں دلچسپی لے۔ اور مستشرقین کو ان کے کام میں مدد دے۔ میں نے اردو ادب کو ان کے قریب ایک مرتبہ درخواست کی تھی کہ میں اردو میں اردو کی تعلیم ہو جائے ان سے باقاعدہ رابطہ قائم کیا جائے اس کام میں خاطر خواہ دلچسپی نہیں لی گئی۔ اب میں نے خود اپنی بہادری کے مطابق اس کام کی ابتدا کی ہے۔

یورپ کے ناگ میں غالب کے مطالعہ کی کیفیت مختصراً حسب ذیل ہے۔

انگلستان

محلہ میں مشہور۔ سن ۱۹۷۵ء میں اردو مینڈن کی مشہور سٹی نے غالب کا کام کیا ہے۔ انھوں نے۔ (Penguin Companion of Oriental Literature) کے اردو ادب پر پانچ مضامین لکھے ہیں جن میں ایک مضمون غالب پر ہے اس کے علاوہ سن ۱۹۷۵ء میں ڈاکٹر نور محمد اسلم کے ساتھ غالب کا ترجمہ انھوں نے کیا ہے جس میں جو شہر کے قریب کوئی صورت میں شائع ہوں گے

فرانس

اردو ادب، ہندو اور ہندوستانی ادب، "Histoire de la littérature hindoue et hindoustanaise" کی جلد اول میں گارسیس دے ماسی نے غالب کی زبان سات صفحات میں لکھا ہے۔ ابتدا میں غالب کی زندگی کے مختصر تعارف سے لکھا ہے کہ غالب آگرہ سے ہیں علامہ (علامہ) ہیں پیدا ہوئے۔ لیکن زیادہ تر بے دلی میں رہے۔ مگر ان میں ان کے کام کا انتخاب

ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے تجویز پیش کی کہ ایک کتاب مرتب کی جائے جس میں غالب کی زندگی کے بارے میں تمام تاریخی معلومات فراہم کر کے شامل کی جائیں۔ اس کتاب میں غالب کے شاگردوں کی دو مقام تحریریں شامل کی جائیں جو انھوں نے غالب کے وفات پر لکھیں۔ خفا ہر شیخ ہائے وفات۔ مرتبہ وغیرہ۔ غالب کے شاگردوں کی ایک مکمل فہرست اور ان کے حالات زندگی کے بارے میں مختصر نوٹ بھی لکھے جائیں۔ اس کتاب کے دو حصے ہوں۔ ایک اردو میں دوسرا فارسی میں۔ اس کتاب میں صرف غالب کے شاگردوں کی تحریریں شامل کی جائیں۔ اگر غالب کے شاگردوں کے علاوہ دوسرے اہل قلم کی تحریریں غالب کی وفات کے سب سے میں موصول ہوں تو انہیں کتاب کے آخر میں نمبر کے طور پر شامل کر دیا جائے۔ تجویز کے محرک نے آخر میں لکھا ہے کہ اگر کسی دوسری تجویز کو میری تجویز سے بہتر خیال کیا جائے تو بلا تامل اس پر عمل کیا جائے گا۔

اٹلی

شہور اعلیٰ مستشرق و نمبر دہائی کا ایک عظیم اردو ادیب و فارسی تاریخ میں غالب کا تمام کے عنوان سے شرح لکھی کے بارے میں۔
 ایک قوی کہ غالب کی شاعری پر کسی میر کی شغری کا انہماک ہے۔ وہ سب سے بڑا اہل قلم ہے۔ وہ صرف ایک ہی صورت غالب کے چند خوبیات اور اشعار کا ترجمہ اور تشریح کی ہے بلکہ وہ فارسی شاعری کی بہت سی کیفیات اور تصورات کا افسانہ نقشہ نظریے تفسیر اور وہاں مشرق کی چند کلاسیکی ادبیات کا کوشش کی شاعری کے کچھ حصے میں ملے۔ ان خصوصیات کا چارہ پر یہ تھا کہ مغرب میں مشرقی ادب کے تمام ادیبوں کے لئے ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

غالب میں یہ دوسرا ذوق تھا کہ غالب پر بول کے اثرات پر بحث کرتے ہوئے پہلے غالب کے اس اشعار کا جائزہ لے لیتے۔ غالب نے اپنے منتخب کلام میں سے اس کے علاوہ دیگر دیکھ کر ان میں بیدار کا اثر بہت زیادہ نمایاں تھا۔ مثلاً غالب کے اپنے خطوط و دلیان میں ایک قول کے تحت حسب ذیل اشعار شامل کئے ہیں۔

نہاں جو مر غیب بہت شکل پہنڈا	نہاں کے ایک کفن بردی مدد ملے ہے کیا
یہ فیض بیدار نوید ہے جانور آسمان ہے	کشا کلن کو ہمارا عقیدہ شکل پسند آیا
وہاں سے میر کی آواز نہ ہر کوئی قاتل	کہ اعجاز بولن غلطی سے بھول پہنڈا
لیکن حسب ذیل چار نقطہ تنقید دیکھ لیں شاعری میں ہیں کئے۔	
نقصات نقد کل خاک و ذوق حشر پہنڈا	فراغت ہوئے انور حسن و دان دل پہنڈا
ہر دم میں کوہِ نور مت ہستی ہے آہوں	ہر نگہ جامِ اردو پر غزل پسند آیا
سورہ چشمِ اہلِ انکسب غلط آہوں	مرازم آہوں پہنڈا کی قاتل پسند آیا
اتوار پر اس شخص نے غزل باغِ انور لکھا ہے	بھگت دہاں آواز دیکھ لیں پہنڈا

چند نمبر دہائی کے میر کی تمام کتب میں اس خیال کا تاثر ہے کہ یہ تنقید بعض شخص کی اس طرح کی ہے کہ
 بھگت دہاں پر اس کی بیدار پہنڈا

فاضل خداداد نے دوسری مثال غالب کی شخص غزل کی دی ہے جس کا پہلا مصرع ہے ”ظرب کمال کی لادوں میں نمایاں ہو گئیں۔ پس غزل کے ہر شعر کی فعلی شریعت کا گتھی ہے اور سات اچھے اشعار نقل کئے گئے ہیں جو غالب کے انتخاب ”شہادت“ میں موجود نہیں ہیں۔ غالب کی دیگر غزلیات میں سے جید جید اور شاعرانہ اور شریعتی کی گتھی ہے اور ہر مصرعہ کو سافنی نے یہ قیہ نکالا ہے کہ غالب کو ایک نئے اسلوب کا موجد قرار دینے کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے جو اگر غالب نے خود اس نئے اسلوب اور تبدیل کے اسلوب کو دیکھا حال عمیق بنایا۔ اس کے بعد فاضل خداداد نے جو پہلا اردو شعور پر غالب کے اخلاق کا جائزہ لیا ہے۔ اور یہ دکھائی کو خوش کی ہے کہ مغربی اسلوب بیان کو غرضی کے ساتھ اردو شاعری میں سمجھ گئے غالب کا اسلوب انگریزی ویدیا میں لکھا ہے۔ فاضل خداداد کی رائے میں فیض نے اس مسئلے میں غالب سے فیضان حاصل کیا ہے۔ اور اس ضمن میں فیض کے کلام سے گیارہ مثالیں پیش کی گئی ہیں آخر میں ہر مصرعہ باؤسانی کہتے ہیں فیض انگریزی ادب سے عجب واقف ہیں اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے لیکن انہوں نے یہ خاص طریق قبول نہیں کیا کہ تمام مغربی اثرات سے انہارنے توڑوں میں اور مغربی ادب کے زیر اثر قبا میں اس کے پکائے فیض نے مغربی اثر قبول کرنے کے لئے اسلوب کا دور ماستر اختیار کیا جس کی رہنمائی غالب نے کی تھی۔

ڈاکٹر سر سیرتو جیو کراچی میں اعلیٰ کمرل سنسکریٹ عالم تھے انتہائی علم کے بڑے رہے تھے انہوں نے پاکستان میں رہ کر اردو کی بڑی شادی کی۔ گزشتہ سال وہ واپس آئی چلے گئے۔ دیگر اصناف کے علاوہ انہوں نے اردو شاعری کا شعر و ادب شائع کی۔ جس میں ”پہلو اردو شعراء کے کلام“ اعلیٰ زبان میں تحریر کیا۔ اس کتاب کا نام *Antologia della Poesia Urdu* ہے اور یہیں اعلیٰ سے مشورہ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مقدمہ میں ڈاکٹر سر سیرتو نے اردو شاعری کی شعرا تاریخ اور اس کی خصوصیات بیان کی ہیں بعض حکمت اور تشبیہات کے معانی کا دفاع اور اردو ادب کی روایات پر شعر انہار بیان کیا ہے۔ غالب کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سر سیرتو کہتے ہیں کہ وہ خود اعلیٰ خاندان سے تھے اور انہوں نے اپنی خاندانی مہارت کی بدولت سے اپنی شاعری کو جوش و خروش دیا۔ انہوں نے خاندان خلیفہ کا زمانہ اور حکومت برطانیہ کا دور جانتا تھا انہوں سے ملکہ وہ اس اپنے سے متاثر ہوئے لیکن انہوں نے فیض اس کی نوعوتی نہ کھنڈ نہیں کیا کہ شاعری کے لئے ایک نئی نفا تحقیق کا جن میں شاعر نے دور کے تقاضوں اور تجربات کی تلاش کی ہے۔ غالب کے ساتھ اردو شاعری کا تاریخی پس منظر دیکھا

چیکو سلوواکیہ

چیکو سلوواکیہ میں ۱۹۱۸ء سے اردو کا تعلیم دی جا رہا ہے۔ اور گوشت سات آٹھ سال میں اردو ادب میں ترجمے اور تحقیق کا کام اعلیٰ جانے پہنچا ہے۔ ہر ایک چیکو سلوواکیہ کے مشرقی درے *Academia Orientali Utar* میں ہر دو ہجریوں ملک (Jan Marek) نے اردو میں گزشتہ تحقیق کام کیا ہے اس کے تحقیقی مقالوں میں میرا من کا قصہ جہاں دینی اور آج کل کے غریب کیم خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ میں نے ہر دو ہجریوں ملک کو خود گھس گھس میں ان سے دریافت کیا تھا کہ انہوں نے ادب کا مطالعہ اور کیے شروع کیا اور غالب کی شعرا و شاعری کے بارے میں ان کے کیا افراحت ہیں؟ ہر دو ہجریوں ملک نے مجھے جواب میں جو جواب دیا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

”میں نے غالب کے کلام کا مطالعہ اس وقت شروع کیا جب میں کارولین یونیورسٹی ہرگ میں اردو کوڑوں کا طالب علم تھا۔ غالب کا مطالعہ ہمارے گورنر میں لائی نہیں تھا لیکن ہم اردو طالب علم میں اور سرپریش ہائی (Romanosek) نے

غالب کے معارج میں شرکت کرنے کے لیے کہ وہ ایک نادر شاعر ہے۔ خاص درجہ کی تھی۔ ہمارے استاد ایک ہندوستان کے مسلمان ڈاکٹر مسعود علی تھیں جسے جو جبرپال کے مہرے سے ملے۔ وہ آج کل کوکھی میں ایک اخبار کے نذر نگار ہیں۔ ڈاکٹر مسعود علی صاحب اردو کلاسیکی ڈیگری پڑھ کر باور رکھتے تھے۔ انہیں بہت سی خوبیاں ملی تھیں اور وہ استاد کے معانی سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ میں اس کا احترام کروں گا کہ پہلے پہلے میں غالب کے اشعار کو دیکھ کر کہہ سکا۔ غالب کی زبان تو کچھ زیادہ مشکل نہیں تھی مگر انفرادی طور پر ہر شخص کے معنی سمجھنا ایک مشکل تھا لیکن پھر سے پہلے ہی اس کا حاصل اعلیٰ ہو گیا۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ عربی زبان کے محکمے تک آگئے تھے۔ دو مہینے تھے کہ ہم غالب کی تقریروں کی مشقیات اور رموز سے واقف ہو گئے۔

غالب ہندوستان اور پاکستان کے اہل علم اور ادیبوں کے شہریوں میں کافی مقبول ہیں۔ لیکن میں نے کسی نام آوی کو غالب کے اشعار پڑھے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے بارے میں کوئی بات نہ کہیں چاہیے کہ ان کی زبان اور طریقوں کی مشقیات ہیں۔ غالب کی شاعری کو بھی سمجھنا ناممکن ہے۔ غالب کو عربی اور فارسی کا اتنا ذوق تھا کہ وہ ان کی شاعری کو اردو میں لکھتے تھے۔ جب میں نے ان کی شاعری کو اردو میں لکھا تو میرے اس خیال کی تائید ہوئی۔ اس نے ایک لحاظ سے غالب کی فارسی شاعری کو اردو شاعری پر توفیق حاصل ہے۔ خاصا اس کی نقطہ نظر سے اردو شاعری کے مقولہ میں ان کی فارسی شاعری کو پڑھنا تھا۔ ان کی مشکل زبان اور طریقوں کی مشقیات ہیں کہ وہ ان کی شاعری کو اردو میں لکھتے ہیں۔ ان کے معنی میں اردو میں مشکلات حاصل تھیں۔ غالب کو انیسویں صدی کے پہلے نصف کا جبرپال استاد تھا۔ لیکن ان کے کام کے لیے پڑھنا تھا کہ بہت کم ترجمہ ہوئے ہیں۔ اگرچہ کہ ان کے لیے ہیں بعض اوقات تو ان کی زبان اردو میں لکھی گئی ہے لیکن ان کے فارسی اشعار کے ظاہر اور معنی پر غور کیا گیا ہے۔ غالب کی شاعری کا ایک ایسا باب ہے کہ میں نے اسے اردو میں لکھا ہے۔ لیکن ان کے کام کے لیے پڑھنا تھا کہ بہت کم ترجمہ ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا نام *Hayat-e-Ghalib* اور اس کے مصنف ہمارے جان فخر الدین *Al-dulhajan Gaffarov* ہیں۔ یہ کتاب مشرق وسطیٰ میں شائع ہوئی اور اس میں ۱۲ صفحات ہیں۔ لیکن ہم اپنے صاحبوں کے لیے یہ کتاب کی ضرورت ہے۔

غالب پر بہت سے لوگ ادیبوں اور شاعروں کے لیے ایک نمونہ ہیں۔ ان کے اشعار اور طریقوں کی مشقیات ہیں۔ ایک شخص کی اس قدر توجہ لیا جائے۔

”میں نے اس سوال پر جواب دیا کہ غالب سے میں اس قدر متاثر ہوں کہ میں ان کی شاعری کو اردو میں لکھتا ہوں۔ یہ ایک شخص کی توجہ لیا جائے۔

اور اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میں نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ میں نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا ہے۔

اس شخص نے اس سے کہا کہ میں نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ میں نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا ہے۔

اس شخص نے اس سے کہا کہ میں نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ میں نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا ہے۔

آئینہ کے برعکس نائب کا حال یہ ہے کہ ان کا ذہنی دیوان بانہ مقلوب و مستیابا جیسے اور نائب خاوندوں میں تیرا پٹا ہے۔ ہم دیکھیں کہ نہیں ضرور وہ اس کی پٹا کی صاف ستوری ہیں۔ نائب کا ذہنی دیوان اردو ترجمے کے ساتھ کبھی نہیں چپا۔ نائب کے فارسی کام پر اردو کے فائدہ کے لئے لکھو بہت کم ہے اردو کو کچھ نکال دیتے اس میں خیر عبد الحکیم کی کتاب "فقار و نائب کے سود کوئی ایراضوں نہیں جو نائب کی فارسی ستوری سے عام و چھپی کو بیدار کر سکے۔

نائب کے فارسی کام کو اس کی جائز حیثیت دینے کے لئے کوئی کام ضروری ہے۔ اردو کو نائب اردو ادب کے طالب علموں پر دوسرے لکھنا دینا مقبول اور ضروری کی دلچسپی کا اہم مرکز ہے اس لئے کوئی دوسرے کو وہ کام آسا ہے انعام نہ پا سکیں۔

پہلا کام تو ہے کہ نائب کے فارسی دیوان کا ایک نیا ایڈیشن دیا چھا ہو سکے اور جو دستا ہو اور وہ ترجمے کے ساتھ تخلیق کرنا چاہئے۔ ترجمے کی دہری صورت اختیار کی جائے جو دیوان کا ترجمہ ہے اس کی گئی ہے۔ یہیں ہر صورت کا ترجمہ کر کے کیجئے۔ البتہ ترجمہ ان کا کھانا نہ ہو جتنا کہ دیکھا جائے۔

دوسرا کام ————— دیوانے آئینہ پرست کے اردو ادب میں نائب کے اردو کام کے ساتھ ساتھ متعدد فارسی کام بھی شائع کی جائیں۔ تیسرا کام ————— نائب کا فارسی کام میں شریعت شائع کی جائے۔

چوتھا کام ————— نائب کے فارسی کام پر ایک لکھنے کے لئے متاثر لکھنے کی جست افزان کی جائے۔ ساتھ ہی ساتھ باہر نائب سے اردو فارسی شاعری پر کتابیں طبع کرنا چاہیے۔

پانچواں کام ————— ایک کتاب صرف اس پر صرف پر لکھو اگر شائع کی جائے کہ نائب فارسی لکھنے کی شاعری سے کس درجہ اور کس حد تک متاثر ہوئے۔

چھٹا کام ————— اگر ان فارسی شاعروں کا کام دیکھنے کے کام کا انتخاب بھی میں ترجمہ چھپ جائے میں سے نائب متاثر ہوئے تو نائب کے مطالعہ میں بڑا کام سہا پنا ہو جائے گی۔

یہ سب بات یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان میں لکھنا اور دیوان جاکو کے سر فارسی کو لکھنا تھا اور اب آسانی سے نہیں ہوتا۔ اگر پاکستان میں ان کی ستوری و ستروہ تقریر و تالیف کو لکھنا نہ کام چھپا سکیں نہیں تو کم از کم اس بات کی کوشش کی جائے کہ اردو سے ان شاعروں کے جدید لکھنے والے پاکستان میں لکھنے کے لئے اس کے لئے ہندوستان میں ایک ایسی بات کو منتخب کے ساتھ خاص نہیں کیا کہ پاکستان میں ان کی زبان کے تالیف کو لکھنا چھپنا اور ان کے قریب لکھنے کے تیار ہو کر نہ پائے۔

کام کے۔ کام کریں کیا، گنجائش پائی نہیں اور جو کچھ ہوتا جا رہا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ میں طے صبح ہوئی شام ہوئی، ایریا یا سینٹر برسا یعنی کسی کو
تبدیل کر دیا، جی کو دھن ٹیوس۔ ۱۰ ملے

”میں تو ترک لباس کرتے ہو، پیسے کو تیار سے پاس ہے کیا؟ میں کو اتار بیٹھو گے؟ ترک لباس سے تو نہ ہی من نہ جائے گی، میری جان
ہے گوارا نہ ہوگا، سخی، سستی، رنگ و کام کو ہمارے گرد میں طرح جو اسی صورت گزرنے دو۔“

”اب اٹھ بیٹھ کی ثابت

واقعہ یہ ہے کہ میں جو تیر ملے

روایک ایف پر سولہ کا سنو۔ حافظ مرتبہ گزشتہ ہو چکے۔ رہا کی باجے حاکم کے سامنے حاضر ہو گئے ہیں۔ اس کا پتی لگتے ہیں۔
قبضہ و تصرف ان کتابت ہو چکا صرف کلمہ کا دیر۔ پر سولہ دو حاضر ہوئے، غل جلی ہوئی۔ حاکم نے پوچھا تھا حافظ کو بخش کون؟ میں نے ایک
پیر پوچھا ”حافظ کو کون؟“ عرض کیا کہ میں۔ اصل نام میرا لکھنؤ ہے، مولو ٹیوس ہیں، فرمایا یہ کچھ بات نہیں حافظ کو بخش کی قسم
حافظ کو کچھ قسم جو دیا میں ہے وہ بھی تم ہم مکان کس کو دی؟ ۱۰ ملے

”ہم کو یہ باتیں پسند نہیں، بیشعور بس کا عمر ہے، پچاس برس عالم رنگ و دیو کا مسیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مشہور کالم کے
میں کو یہ نصیحت کی کہ ہم کو نہ دوسرا نسخہ نہیں، ہم اپنی حق و دفعہ نہیں۔ میرا کلام نہ آتا مگر یہ یاد رہے کہ میری کلمہ کی دین کو قہر کی
ملکوت نہ ہو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔ کلمہ کے مرنے و ولگ کرے جواب دے میرے کلمہ ایک کتاب کی کہ میں نے خوانی آواز کا
شکر بجاؤ۔ غم نہ کھنڈا، مگر ایسے ہی چکا گزشتہ سے خوش ہو تو چاہا نہ بھی ”ما چن“ سہی میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور
سوچتا ہوں کہ کون کون سے لوگ اس ایک قصر لایک جوتی۔ آقاوت دادا دی ہے اور اسی ایک نیک نیت کے ساتھ زندگی ہے۔ اس صورت کی
گھر ہے اور کچھ مٹاؤ گا ہے۔ جیسے وہ خود میری ہو چکا کی۔ طبیعت رکوں نہ گھر کے گی، وہی زور دی کا اور وہی طہا کی یک نشانی
چشم بد و دور ہی ایک حور ملے

پتہ میرا حاکم علی تیر خطوط غالب ۱۱۱ اس میں سلسلہ میں چند اشعار بھی داخل ہیں۔

دو سال پاک بخاندان تیرے عرو مشن	چہ گنجائش اندیش تاؤ تو مشن
سید مستحق ابر باران کجا؟	خیزاں چوں ناشد بیدار کجا؟
اگر حور و دلی خیال میں کہ چہ؟	ظہر و قند و قند و مشن کہ چہ؟
چہ منت ہند تا مشنا صاحب کار؟	چہ لذت و دہ وصل ہے انتظار؟

ان خیالوں سے غالب کی شوقی افکار کی ایک واضح صورت سامنے آتی ہے۔ ان میں بیکار ہی، بھینتی اور مصلح جگت کا خیال بھی نہیں ہے۔
ان کا تعلق بے معنی اور بے ثمر قدرت، اچیر نہیں ہے۔ ان کی تھوکی میں انسانیت کے درد و الم کے جذبات تعمیری و اشاریہ اور ہمدردانہ طلب بھی
ہے، یہی جذبات ہیں کہ ان کو ”عالم اور مشہور“ گھر جتا ہے۔

رگوں میں دھندلے گھر کے ہم نہیں تکی
جو آنکھ ہے نہ ہٹا تو صبر ہو کجا ہے؟

پتہ میرا گولہ اندیش خطوط غالب از ہر مشن
پتہ میرا حاکم علی تیر خطوط غالب از ہر مشن

نریش کا ارشاد

غالب ہے پرئیر کا اثر

تیر و غالب دونوں سادہ شعروادب کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ کسی پر کسی کو ترجیح دینے کا سوال ہی نہیں کھڑے کر دونوں اپنے اپنے وقت کے تاریخ ساز اور صاحب طرز و فن گو تھے۔ دونوں کی شاعراۃ شخصیتیں بھی ایک دوسرے سے قطعی مختلف تھیں ایک احساس کی شاعری تھی اور دوسرا فکر و تخیل کی شاعری کا غالب درجہ ان گناں تھا سو ذرا دور دے ان کے مزاج کا تخیر رکھیں۔ ان کے زیادہ تر اشعار نہایت غم انگیز احساسات کی پیداوار ہیں۔ مجنون گو کہ کبیری کے لفظوں میں آواز نہایت مٹا سکتی ہے مگر اپنے زمانے کے سادے کرب و اضطراب کو بھر کر رہی ہے اور غالب کی شاعری کا بیاد ہی حسن و شکر تھا۔ ان کا تجزیہ و تحلیل کرنے والا شعور انسانی قربت و حسد و حسد کا عین مٹا رہا ہے وہی نہیں کرتا تھا بلکہ ان کی تہہ میں ڈوب کر ایسے ایسے لازوال اشعار کی تخلیق کرنا تھا جن کی چھتیری اور آفاقیت پر دور میں تسلیم ہے گی۔ سرور و صغریٰ نے ان دونوں عظیم فن کاروں کی شاعری کا موازنہ کرتے ہوئے بڑے بڑے کتبہ کی بات کہی ہے کہ غالب کی شاعری کے عاشقوں میں انایت اور غور و چرخی ہے اور تیری کی شاعری کے عاشقوں میں غم و غم و غم ہے۔ ہر آدمی کا انداز ہر انسانیت ہے لیکن اس غیر معمولی ذہنی تفاوت کے باوجود غالب تیر سے بے حد متاثر تھے اور اس کو اپنی شعوری طور پر احساس بھی تھا جس کو انہیں یہ کہنا پڑا ہے

رہنمائی کے تھیں استاد نہیں ہو غالب

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا

اور بے پناہ لطافتی، عقلاتی اور جذباتی اثرات کے باوجود ان کے کلام میں ایسے اشعار ملتے ہیں جنہیں دیکھ کر عادت معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہادی یا غیر اہادی طور پر اس شعرا سے سخن کے اشعار کی رہنمائی میں کہے گئے ہیں جس نے ان کا ہاں اہل ابتدائی کلام دیکھ کر یہ چہن گوئی کی تھی کہ اس کے کو اگر کوئی کامل استاد مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تو صاحب شاعر بن جائے گا ورنہ پہل بکتے دیکھ گا

مگر غالب کہتے ہیں

دل میں ہرگز نہ لے اک شعور اٹھا یا غالب

آجہ قلم و کاٹھا تھا اس طرف ان کا

اور اسی بات کو قہراً اپنے مخصوص انداز میں اس طرح کہہ چکے ہیں ۔
 جنگ ہی میں یک نظرہ خوں ہے سرشک
 پلک تلک گیا تو غلامم کیا
 ظاہر ہے کہ تیرے شعر میں غالب کے شعر سے زیادہ کنگ ہے ۔ دم یہ ہے کہ بصرت لگ مغنوں قہر کے ہی میدان سے زیادہ
 ایم آہنگ ہے ۔

یا غالب کا ایک بہت مشہور شعر ہے ۔

سب کیاں کچلا کر دھج میں نمایاں ہو گئیں
 خاک میں کیا صورتیں ہیں گی کہناں ہوئیں
 فارس شاعری میں تو یہ مغنوں عام ہے ۔ جہاں نے بھی اسے اپنی بعض رباعیات کا سر منزع بنایا ہے جیسے ۔
 در ہر دشتی کو لالہ زاد سے بود دست
 آن لالہ زخون شہر بار سے بود دست
 ہر برگ بخشم گز زمین سے بود
 خال الیست کہ ہر شہر گھاٹے بود دست
 لیکن غالب کے اس مصرع کی بنیاد میر کا یہ شعر معلوم ہوتا ہے جس کا آغاز بیان نسبتاً زیادہ دوڑنا کپ ہے ۔
 کوئلہ لہر کہاں سنبل سمن ہم سنبل سمن
 خاک سے گھسائی پھٹے ہیں ہاتھ کی کیا کھانا

غالب کا شعر ہے ۔

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی
 دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
 شعر کا انداز بیان اگرچہ دلچسپی سے خالی نہیں لیکن قہراً ہی مغنوں کا اس سے زیادہ سس اور بھرا ہوا شعر کہہ چکے ہیں ۔
 خشم رہا تب تک کہ دم میں دم رہا
 دم کے جانے کو نہایت خشم رہا

اور میرزا غالب کا یہ شعر ہے

نظر نکلے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
 یہ لوگ کہیں دوسے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
 جوش مسلحانی کے افلاک میں واقع ہاں اب اور غیر فانی شعر ہے اور اس کی خوبی بیان کی طاقت سے باہر ہے لیکن صلیفیت میں قہر کے
 اس شعر کو دیکھیں ہمیں معلوم ہوتا ہے ۔
 سراپاں نے نوازا قہر میں نے دیکھا زخم
 شہید ہوں جس تری تیرے کے گھٹنے کا

ہم دونوں شعریا غلامی کے اس شعر سے مائل نظر آتے ہیں ۛ
 ہمیں کہ تم کا رشتہ ہمارا نظارہ کر د
 تاہم دوست وہاں سے اودا دھا کند

اور غالب کے اس شعر میں ۛ

سفن میں خاموش غالب کی آتش افشانی
 لیکن ہے ہم کو بگایا اب اس میں دم کیلے
 پے شہ دم کے پیہوار استعمال نے شعر میں جان ڈال دی ہے۔ لیکن قمر نے اسی معنوں کو زیادہ بے تکلفی سے ادا کیا ہے ۛ
 گو کہ آتش زباں سے آگے میسر
 اب کی کہنے تھی وہ تب کی بات

اور غالب کے اس شعر میں ۛ

وہ ہے کہ شہر کہیں سے رکھا ہے چمک فریب
 کو بن گئے ہی ہیں سب خبر ہے کیا بچے
 بیان کی خوشی اللہ احساں کی شگفتگی کو کیا جواب ہے۔ محبوب کے اشاروں کے بعد دو کے ایسا فریب دے رکھا ہے کہ عاشق
 کو یقین ہے کہ اس کے دل کا حال معشوق سے مخفی نہیں۔ مگر واقعہ ہے کہ میرزا کا یہ شعر قمر کے اس شعری نشانہ کی نسبت
 ۛ
 جب در و دل کا کہنا میں دل میں تھا نہاں
 کہتا ہے پن شے ہی میں خوب جانا نہاں
 میرزا غالب کا ایک اور مطلع ہے ۛ

تو جانو تم کو خیر سے جو رسم دوا ہو
 مجھ کو بھی پوچھنے رہو تو کیا گستاخو
 اس دین میں ہر شے قدری طور پر متاثر کے حب کا شکار ہو گا۔ درود لین میں ۛ کی گڑا صوفی گراہت کیا باعث ہوگی۔ لیکن
 اس شتم سے قطع نظر شعر کے نفس معنوں کو قمر اپنے پیاں پودوں کے پیکے میں ۛ
 کون کہتا ہے نہ خبروں پہ تم امداد کرو
 ہم فراموش ہوؤں گو گئی کہی یاد کرو
 اداس ۛ فراموش ہوؤں ۛ نے جو کہ ہلکا تا فریب کیا ہے اس کی گہرائی کا کیا شک کا میرزا غالب فرماتے ہیں ۛ
 غم فراں میں نکلیے سیر بانگ نہ دو
 ہیں دماغ میں خندہ دماغ بے جا کا
 غنویہ ہے کہ میرزا کے خندہ گل کو خندہ بے جا کہہ کر جانت کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن ہی معنوں قمر کے یہاں پہلے سے موجود
 جہاں قمر کی نظریہ دہرا ہی سے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے اس میں تیکھا پن بھی زیادہ ہے ۛ

ہمیں تو بارغ کی تکلیف سے معاف رکھو
 کو یہ دولت نہیں رسم ابنِ ماتم کی
 دلچسپ معنوں و دونوں نے اب و تراب و تراب سے مستعار لیا ہے
 تکلیف گل رسا نہ پیٹا ہے
 بے زمانی نہ داد و کج جواب
 اسی معنوں کو نیا دینا کراشتا نے تو نفیس ترین شعر کیا ہے
 نہ جھیلے کجبت باو بہاری راہ لگ اپنی
 نگے اٹھکیلیاں سو جی میں ہم حیران بیٹھے ہیں
 غالب کا شعر ہے

قیامت ہے کہ ہوشِ مدنی کا ہم سفر غالب
 وہاں فرخِ خرد کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے
 شعری قیامت کا مفہوم افسی قیامت ہے اور پھر خدا کی رحایت سے محبوب کا کراہ کہ کہ شعری تضاد کا عطف بھی پیدا
 کر دیا گیا ہے لیکن شعری نفسِ معنوں اور دنیاوی میلان و دراصل قہر کے اس شعری قری باقتِ صورت ہے
 عشق تو ن کو ہے جہاد کو اپنے دمِ رفتی
 کمرے نہیں غیبت سے بھی خدا کی خواہ
 دل میں ذوقِ وصل دیا ویا رنگ باقی نہیں
 آگ اس گھر میں بھی ایسی کہ جو تھا جل گیا
 بے رنگ اردو کے بہترین اور زندہ جاوید اشعار میں سے ہے اور قوتِ بیان کے ساتھ ہکا کا درجہ دکھاتا ہے لیکن اس حقیقت
 کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس شاہکار میں رنگ بھرنے کے لئے شعری یا غیر شعری طور پر میرزا نے مستفادہ قہر
 کے اس شعر سے کیا ہے

عشق کی سوزش نے دل میں کچھ نہ چھوڑا کیا کہیں
 لگ لگائی یہ آگ ناگہانی کہ بس تھر تھک چکا

اسی طرح غالب کا ایک اور سنگت ہوا شعر ہے
 جتنا ہے جی کہ کہوں نہ ہم ایکجا راجل گئے
 اسے نا تماغی نفسِ شعلہ بار صیغ
 جلد کی وجہ سے جس خوبی سے اپنے دل کو جلایا گیا ہے اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ لیکن کیا عجب کہ اس شعر کا مشلِ رچی
 قہر کے اس شعر کے سے پہوتا ہو
 ادھر جلا لالہ ساں رہا تو کیا
 داغ بھی ہو تو کوئی باطل ہو

اور غالب کا شعر ہے

ہم جیسا مشتاق اور وہ ہے ناز
با الہی یہ عاجز کیا ہے
چوشتی کی ہا بیت حمد مثال ہے لیکن بقا جس کہنا ہے کہ جس چوشتی کو کج قہر کے اس شعر سے تو اٹایا ہے
بھاگے مرزا محبت سے وہ عاشق میں اس کی مشکل ہم
میں اس کا خواباں یاں تنگ وہ مجھ سے ہیزا اس قدر

غالب کا بیت مشہور شعر ہے

ہم نے ماکہ تخاص نہ کر دئے لیکن
خاک ہو جائیگی ہم تم کو خبر نہ ہو
جو نیا بیت صاف اور سلیکے ہے معنوں کا مل ہے لیکن قہر کے اس شعر کا مرہون منت معلوم ہوتا ہے
بائیں پیرے طہرے تو آدھا جب تنگ
کہ جاؤں گا سفر ہی میں نیا سے تب تنگ
فراغت کس قدر ہوتی مجھے تشریش مرہم سے
ہم جو صلیح کو تھے پارہ ہائے دل نکلاں ہم
اُن کے نکتہ آفریں نفس کی بھر پور نمائندگی کرتا ہے۔ دل کے ٹکڑے ٹکڑاں کی لذت کے اس حد تک مرہم ہو گئے کہ
ایک دوسرے پر محبت لے جانے کی کوشش میں باہم لڑنے لگے اور میں نے ان کے جھگڑے سے تنگ آکر انہیں اس لذت
ہی سے محروم کر دیا لیکن ہمزائے شاعرانہ محنت سے جو بات کہی ہے وہ قہر کے اس بے تکلف شعر سے جرات معلوم ہوتی
ہے۔
دینا ہاں یا محنت تنگ ہے کیا ہوا
جو میں اپنے اپنے زخم سینہ کو مرہم کوں
قہر کے شعروں اس کی جو تک اور چہن ہے وہ غالب کے شعروں میں نہیں۔

غالب کا شعر ہے

آنکھ کی تصویر مرزا پر بھینچی ہے کہ تا
اور مرنے کی بات یہ کہ غالب کے ہمعصر ذوق نے بھی قریب قریب اسی خیال کو اس طرح نظم کیا ہے
یہ جانتا ہے شوق کو تا حد سچائے ہر
لیکن ان اشعار کے سوا کہ اس شعر سے بھرتے ہیں
وہ گج ہانے ہے اور نہ کے کھانے ہے

ہم نے سنا مرکیا کا غزو انظیل کا

غالب کا یہ وہی ہے کہ اس کے سبب تیر کا انحال ہو گیا۔ گویا قہر نے شادی سے غالب سے نفرت پیدا کی اس پر پتلی زبان مستعار کی کہ
پچاس ہیں میں زبان کے جو اتنا فی سدا لے کے کڑا شعرا میں اصحاب کی یکسانیت کے باوجود ہی اس لیے کہ تعادلت کا باعث ہیں۔

عبدالمق افروز

بَلَاءُ جَاں ھے غَالِبُ

غالب کے سب سے بڑے صحابہ اور لائقِ تعاون و مددگار تھے۔ بخیر و بانی بشیور ملک "غالب کا کام غالب" کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں۔
 "ہندوستان کی اجماعی کتابیں مرقوم ہیں۔ مقدس دین اور دیوان غالب۔"

رشید احمد صدیقی کہتے ہیں —

"مجھ سے اگر پوچھا جائے کہ ہندوستان کو منظرِ سلطنت نے کیا دیا تو میں بے تکلف یہ کہیں نام
 لوں گا۔ — غالب" اور "سماجِ حل"۔

ان غیر معمولی الفاظ کے ساتھ غالب کی تعریف اس نے ہمیں کی تھی کہ وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ اچھے شاعر تو اور بھی بہت سے گزرتے
 ہیں یہ تعریف اس لئے ہے کہ وہ ایک غیر معمولی شاعر جو نیکے ساتھ سب سے بڑے غنائی شاعر تھے۔ غالب کی عظمت کا راز ان کی انسانی
 حیثیت میں پنہاں ہے۔

کسی فن کار کی محسوس خدمات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اس کے فن اور فن کے پرستاروں کو کون سی ہمتی اور کس قدر تحریک
 کی چیزیں دیں۔ لاکھوں اشعار کی انجم جلدوں پر ششماں دیوان میں مضمودہ اور پامال اشعار کے سوا کوئی نیا اور حقیقی کارنامہ موجود
 نہ ہو ادب کے غرور نے میں کوئی قابلِ تقدیر اضافہ نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس عموماً اگر فن پارہ اور نیا کام ادب کے لئے قابلِ تقدیر ہو سکتا
 ہے۔ اور غالب کی ہر چیز کا خصوصیت ہے

"فورا سے قیمت تک مشکل سے سو صفحے میں گر گیا ہے جو یہاں حاضر نہیں۔ کوفہ خندہ ہے جو اس زعمی کے تاہم میں بیچارہ بخوابیدہ
 موجود نہیں ہے۔" (جہاد الحق جعفری، "غالب کا کام غالب")

شاعر کا ہونا بھی اکتلا دولت نہیں فطرت کی طرف سے ولایت کی جانے والی نعمت ہے اور مبداءِ فیاضی "غالب کے لئے انہوں
 سے بہت زیادہ فراخ دل تھا۔ بقولِ حالی

"موزا کی شاعری اکتلا نہ تھی بلکہ ان کی حالت دیکھ کر نے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علی گلی فطرت میں ولایت کیا گیا تھا۔"
 (یادگار غالب)

انکو فطرت کی طرف سے شاعرانہ لہر کی طرف پہنچا اور غنائی طبیعت کے ساتھ ان کی فنی اور عیسائی دنیا کی ان کی سوخا ذکر و غلبہ ہے

جس نے غالب کو ختم ترشہ میں دیا۔ غالب سے پچھارودنی عریں و لہریں تھیں کہانت سے اور نئے نئے قابلِ نقد مجریے تھے ہیں جنہوں نے اس کو صحت عینے بھنگ کر کے آج بھی یگانہ نام غلامیہ کہ جس طرح کی کھوری ہوتی تھی کہ خواہ مخواہ کھجور کا جامہ ہے اور اگھول کے جہان سے ہوتے ہوئے بار بار چاہے جامہ ہی۔ کچھ نہاد و امت کی تو قدر کی کہ توجہ شروع کرتا ہے۔ کہیں کہیں پہنچے ہیں کہ اس کو کوئی کلا پیدا کی۔ مگر غالب نے اس کی دعا قبول سے وقت قائم رکھے ہوئے ہیں جن کا تھی حجاز کا ثبوت و یاد کیا اور کے ہاں اس قدرت اور دعا کے ساتھ نہیں لے گا۔ غالب پہلے پہلے شاعری میں جنہوں نے تخلیق کی ان کی کے سہارے ان کیس ہیں ہند کے اگھول کے ساتھ پر چنے کے کہانے اپنے ختم میں کی کہیں کہیں ان دن سے ہر دور کے طور پر کام آیا۔ ان کی اس خلیہ کو ان کی نہیں تو ہے، انہماک شروع ہو رہا ہے۔

غائب کے اس عشق اور اس محبوب کے تصور کو جان بول نہ سکا اور وہ شاعری کی روایت بن چکے تھے۔ لیکن وہ خیالی محبوب میں سے اظہارِ عشق یا روحانی عشق کیا کرتا ہے۔ غائب نظری طور پر اس روحانی عشق کے قائل نہ تھے، وہ حقیقت پسند تھے اور حقیقت پسندی عقل پرستی اور اس سے بڑھ کر اور بڑھ کر تھیں، تہذیبی ہو گئی تھی۔ پکا وجہ ہے کہ ان کا محبوب اور دشمنی کے روحانی محبوب کے برعکس ایک زندہ کردار ہے جو بہت غریب اور غفلت منشا کی جذبات رکھتا ہے اور غائب اس سے روحانی عشق نہیں کرتے۔ بلکہ عشقِ جذبی کے تحت اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنی انسانی بشریت اور فطرت و قوی کا انکسار چاہتے ہیں۔ پہلے وہ ذات جو عشقِ ان میں دفن کا بدلہ دے، یہ سید انکسار ہے۔ لیکن محبوب کی بے وفائی ان کے جذبیہ دفاع کو بار بار دہراتی ہے اور وہ تڑپ اٹھتے ہیں۔

[illegible]

دل بھر طواف کئے ملائکہ کو ہے چندار کا ختم کردہ دریاں کئے ہوئے

اس مادہ پر مشورہ عقل پرستی سے اور نقصان میں بھی ہوئے مگر ایک ناکام و بے پروا کردہ عام زندگی کی بہت سی باتوں کی بہت سی باتیں سمجھ گئی تھیں اور انسانی سرشت کی یہ باتیں انسانی تصور پر کتنی کی کہ اس سے بچنے کی گئی تھیں۔

خود را خشنو ای که بر ملا شو چو کنگر
بهت نکو برسد و ایکن بجزای کم مصلی

دوغ صاف عشق می میالک ہو گئے
دھوئے گئے بھرا لیے کاسی پالک ہو گئے

ولہذا تو یہ منجانب سے ہرگز نہیں

وہ ایک عام جملہ کہ جس سے تمہیں

ان کی عقل پرستی اور حقیقت پسندی یہ حیران آگے بڑھنے پر تو وہ ایک ایسے نقطہ کا نشانہ بن گئی ہے جس میں شعور کا کسی دست ہے اور احساس سے بغیر اور شعری میں اور حیرت تھا۔ غالب انکو شعور کا جامہ پہناتے ہیں۔ یہ نقطہ فطرت و حالت میں جو کچھ ہے اور جو کچھ تصور توں میں

مربوط ہے۔ اس کی بنیاد پر غالب لکھتے ہیں کہ اردو کا پہلا فلسفی شاعر تسلیم کرنا چاہیے ہے۔

بیک وقت خواہ ہے ہر کام کا آسان ہونا
آگہی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا
میری تعریف میں غصہ کہ موت خرابی کی
دوئی برقی غم سے کا ہے غریب ہونا
غم گریہ کا ناکس ہے پھر کیا کہاں کہیں ہے
غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا
دام ہر مصلحت میں ہے حلقہ حصار ہنگ
دیکھیں کیا گزرتے ہے غم پر ہر گز شک
بہت سے سرحدوں کے ہے اپنا سرحد
قید کو الی نظر قید نا کہتے ہیں !

غالب کے فلسفیانہ کلام میں وہ اشتداد سے لبراز و متوجع ہیں جو انہوں نے غم کے موضوع پر لکھے ہیں۔ ان کے فلسفیانہ غم میں جاہلیت ہے۔ اس پر انہوں نے مسلسل طبع آزمائی کی ہے اور چونکہ

"غالب نے زندگی اور غم کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے" (ڈاکٹر یوسف حسین خاں - اردو غزل)

لہذا ان کے ہاں غم کو وہی وصفت وہی اہمیت حاصل ہو گئی جو خود زندگی کو حاصل ہے۔ جس طرح ہم زندگی سے کئی طرح پر غور کرتے ہیں
تجربہ کر سکتے اس طرح غم سے بھی سمجھنا کہ نہیں پا سکتے

یقیناً وہ غم حاصل ہی ہو گا، ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے گیوں
اور غم ہی کیا ہے

رنگ سنگ سے چلتا وہ لہو کہ بھڑکتا تھا
بے غم بھڑ ہے جو یہ اگر سنا رہتا
لیکن یہ درد و غم بھی اگر وہ سے گزرتا ہے تو خود وہاں ہی جاتا ہے

عشق تو ہے دریا جس غمنا ہو جاتا
درد کا جلسے گزرتا ہے دوا ہو جاتا
رنگ سے خوشگوار انسان تو بن جاتا ہے
عشقیں آگیا تھیں لہو پر کہ کہاں ہو گئیں

یہ غالب کا کہنا ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کو فلسفہ کا ایک آجنگ دیا جس سے نئے نئے شعرا "بقدر لائق" متاثر ہوئے
اور بالآخر اقبال سائق اور فلسفی پیدا ہوئے انہوں نے اردو کو اس درجہ کی شاعری دی جسے دنیا کی اعلیٰ ترین فلسفیانہ شاعری کے مقابل رکھا جا
سکتا ہے۔

غالب سے پہلے اردو میں کسی مبسوط فلسفیانہ اور مربوط سلسلہ عقائد کا وجود تقریباً پایید ہے۔ چند شعرا اور جزوی اس بات پر تصدیق فرماتے ہیں
لیکن اعلیٰ زندگی کے وہ حقائق جو انہوں نے بیان کیے ہیں اور جن سے بلا حول و دل کا سامنا ہوتا ہے، بڑھتے ہوئے کے برابر ہیں، غالب نے
یہاں فلسفہ کو مربوط اور مکمل صورت میں پیش نہیں کیا ہے لیکن پھر بھی ان کے ہاں اس کا انتظام شعور سے بہت زیادہ ہے۔ اور بعض چوترو
ایسے ہیں جو خاص تحلیلی صورت رکھتے ہیں مثلاً فلسفہ غم اور فلسفہ عشق وغیرہ اور ان کے کلام سے اس سے اتنی قوت حاصل کر لیا ہے کہ انہوں
کی طرح شاعری انسانی شاعری کا حلقہ نہیں رہا بلکہ اس کے رگ و پے میں نیا اور جوان خون دھندلے۔

اس سے غالب کے دلوں کا نئے نئے بہتے ہوئے ایک ہے کہ انہوں نے اردو کو ایک نیا مقام دیا اور انہوں نے انسانی غم و مصائب کو انہوں
نے انسان کو ایک نئے عظمت دی۔ یہی گہرا انہوں نے جو فلسفہ پیش کیا وہ انسانی زندگی اور انسانی عظمت سے متعلق تھا۔ یہاں وہ ہے کہ
"غالب کی شاعری میں انسان اور آدمی پہلی مرتبہ بے سہارے کے اپنی عظمت کے بل پر کھڑے نظر آتے ہیں، انہیں کیا کہا

سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ دال احمد سرور

اور یہ واقعہ ہے کہ انسانی عظمت و اہمیت کا زیادہ بسوڑا اور باقاعدہ فلسفہ اردو شاعری میں پہلے پہل اہمیت نے ہی پیش کیا۔
غالب کو خود بھی اپنی عظمت کا اتنا ہی احساس تھا جتنا کہ زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ فلسفہ گویا خود انہیں کی عظمت کا پتہ ہے۔ مثلاً

بندگی میں ہیں وہ آزادانہ خود ہیں میں کہ ہم
دودھت کشیں دوا نہ ہوا
بہل کی کوئی آٹھوں کے آگے تو کیا
جبرنی ہی میری جتنی نہ طور پر
یہاں تک کہ ایک چکر تو ہے
نہاں تک کہ خدا تھا کہ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

یعنی میں کیہ ہوتا۔ خدا ہوتا۔ انسان کی عظمت خود انسان کی نظر میں اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے؟

غزل ہے غالب کا جتنا احسان ہے سوا کے تیر کے کسی کا نہیں۔ تیر خدا کے سخی میں۔ انہوں نے غزل کی دنیاوں کو پیچھے کر کے
پہن کر دیا لیکن غالب نے غزل کو تو قریب رفیع و عظیم و عالی و آبرو دی۔ اس کو "منہ کلام" سے "مبارک کلام" بنایا۔ اس کو "تغذیب کلام" بنا دیا۔
یہاں تک کہ اس کو اردو کی "تیسرے اور قدیم" بخنے کا موقع دیا۔ اور

"اسکا ایسی نظریہ ہیں اس اردو کے تمام نکات شعری و شاعری کو برگ و بار دے سکے ان اور سہو نہیں فرام میں۔"

انسانیات کی صداقت کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ غزل کو آج کے سائنسی دور میں بھی جو دوست اہمیت قرار دے رہے ہیں وہ اصل پر
اور جس طرح وہ ادب پر چھاپا کرتے ہیں۔ سب کے سامنے ہے۔ اور کون اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ غزل کی یہ تو قریب بھی غالب کا
ایک بہتر انسان کا نام ہے۔

بالا۔ : غالب کا ایک کارنامہ اور بلبل ہے۔ بادیت اور عظمت کو ان کے نہیں پرانا عمل و عمل حاصل ہو چکا تھا کہ غیر مادی دنیا
ان کو نہ دیا پہل ہی نہ کر پائی تھیں۔ محض اور وحدت الوجود کی طرف ان کی دلچسپی تھی بقول مسیح "اقتضام حسین" کچھ مسائل کا نشانہ کو کہنے
کے لئے تھی تو کچھ مذہب کی پابندیوں سے بچنے کے لئے۔ اس لئے کہیں نہ مذہب سے قریب نہ آئے اور عقوف سے قریب ہی آئے تو اس لئے
کہ مذہب سے دور رہنے کا ایک راستہ نکل آئے۔ وہ مذہب اور مذہبی اقتدار کا مذاقہ اڑاتے رہے۔ اگرچہ تا صبح اور خطا غصب
و ضیوع پر پختہ ہیں شروع ہی سے کہ باقی تھیں لیکن اصل مقصد انکی اعتدالی و نصفی یا اصوات ہوتا تھا ان کی شاعری میں ایک اور دنیا نظر
تخلی ہوئی تھی۔ غالب کا مقصد ایسی مصلحت و عقیدے سے زیادہ تفویک ہے اور اس سے بگڑا زیادہ یہ کہ ان کے دل میں مذہب کی طرف
سے ٹکلیک پائی تھی یہ وہ اکثر مذہبی امور اور رجحان کو ٹک و شب کی نظر سے دیکھنے میں جیسے وہ یقین نہ رکھتے ہوں۔ مگر مشرور کار ہوا
انہیں ابور کب اور

وہ عزت کے لئے ہم کو ہر پشت عزت
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
سوائے باد و گھام و مشک و کوبہ کیا ہے؟
دل کے پہلے کو غالب کی خیال اچھا ہے
پر طبیعت اور صبر نہیں آتی

کعبہ وہاں سرود کی خدائی تھی
میں دنگ میں میرا صبر نہ ہوا
مرا عطف نہ تم پیو نہ کسی کو پاس کو
کیا بات ہے تمہاری شریک ہو گیا
ننگی اپنی جب اس دنگ سے گزرتی تھی
ہم بھی کیا دلوں کے کہ خود گئے تھے
مٹا ہوا جو بخت کا ترنم بے دست
لیکن خنک سے وہ میرا جلو گاہ ہو

رفیق احمد صدیقی کے بقول "اردو فاعلی میں غالب پہلے خاوری جنوں نے طنز میں خدا کو مخاطب کیا ہے۔ اور طنز کا ہر بے کز نفرت پیڑاوی اور بغاوت کا جھنڈ ہے۔ مذہب کے متعلق ان کا یہ رویہ کیوں ہے اور اس کے کیا حوالے ہیں۔ یہ ایک طویل بحث ہے جس کا یہاں کچھ نقل نہیں۔ لیکن یہ غالب کا خوراک ایک کارنامہ ہے کہ اردو فاعلی میں مذہب اور مذہبی پیشواؤں پر اصلاح کے نام جنہیں بلکہ ٹھیکہ دار پیشواؤں کے لئے طنز کا آقا تھا اور مذہب کے بارے میں تشکیک، بے اعتباری اور نکتہ چینی کے چور و دواڑے کھل گئے۔"

غالب سے پہلے سودا وغیرہ کے ہاں طنز و مذاق موجود تھا لیکن وہ چھوٹی کچھڑ میں رہتے تھے۔ ان کا سکون ذاتی سلیقہ قبول کرنے کا تیار نہ ہو سکتا تھا۔ آقا یہ کہ ان کا ذہن خوشے بھرنے کے لئے جا رہا تھا۔ ان کا ذہن بھی اس میدان میں خوب جول رہا تھا۔ لیکن وہ بھی معاشرہ کی بددینی اور دور باری چھٹائی کا شکار ہو گئے۔ البتہ غالب نے طنز و مذاق کا عمدہ میدان چھٹی کیا اور اس میں ذہانت و موزونیت بلیغ کا جو ثبوت دیا اس کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ

"اردو شعر میں غالب طنز و مذاق کے اصلی معنوں میں باقی ہوئے ہیں" (رفیق احمد صدیقی)
اور جاکے تو یاد آئے گا کہ میں ان کو "جوانِ قرین" کا نام دیتا تھا انسان کی پارٹریٹیں خوب دیکھیں ہیں سے ایک عربی ظرافت ہی کو قلمرو دیا تھا بعد اس کے اس دور کے ہر مرد، معاشرے، زندگی کا پیغام اور مسرت کا وہ شہنشاہ تھا غالب کے کلام میں طنز یہ اور ظرافت معاشرہ کی جہات ہے۔"

میں نے کہا کہ نہ آواز پا ہے غبر سے جی
میں کہ ستر خرافے چھٹکے اٹھا کر ہیں
پڑوسے جاتے ہیں غرضوں کے کچھ نہایتی
آوی کوئی چار دہم تھس پر بھی تھا
جان گیا بھی میں تو ان کی گاہوں کا کچھ خوب
پاؤں جس جوتی میں موت رہاں ہو گئیں
برس دیتے ہیں اندل پہ ہے ہر خطہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ مفت آنے تو آلا چلے
سستا نہیں ہوا بات مگر کچھ فیرو
حریفانہ ٹھٹھکی نہیں نسوہ تیار
دعا قبول ہوا جب کہ غرض و ماز

ان کے جیت سے غرضانہ شعاری غرضی بہ ہے کہ ظرافت کے بعد سے میں کوئی کام کیا بات بھی چھٹی ہوئی ہے۔ یا خوشی ظرافت کا آڑ کے کر دلی کوئی بات جسے براہ راست بیان کر دینا مصطفیٰ مناسب نہ سمجھا بیان کی گئی ہے۔ مثلاً وہ سلاوا آخری شعر میں مذہب پر طنز ہے اور عیسوی شعری ظرافت کے ساتھ ایک مہرہ خنکہ مضمون بھی پوشیدہ ہے یعنی یہ کہ جو دہائیوں میں سے وہاں کو دین دہی محبوب کی گاہوں کے جواب میں اسے دی تو محبوب کا تو نہیں ہے۔ اس کے لئے قورہ دعا میں ہوئی چاہئیں جو پہلے کسی کو غرضی دی اور محبوب کا طرف ہے مثال اندھ تھی ہوا۔

غالب کا میدان لگاؤ تھا دین اور ہر اور خیال اپنی جگہ تھی کہ غرضی غرضی صنف سخن اور اس کی اصطلاحات ان کا ساتھ نہیں دے

سکتی تھیں۔ بیکھری نے درست کہا۔

” غالب کی شاعری کے ہم پند بان کا ہر تنگ ہے یہاں تنگ کہ میں جگہ ہے پاک ہو گیا
ہے اور عرواں بدن امد سے نظر آ رہے نہ دکان کام غالب

خود غالب نے اس کا شکوہ کیا ہے۔

بقدر شوق نہیں غزل تنگ نے غزل بکھ اور چاہئے وسعت مسیحاں کے اپنے

چنانچہ انہوں نے اپنے انجمنہ خیال کے لئے نئی ترکیب وضع کیں تاکہ مغزوں کے دریاؤں کو ان الفاظ کے گزروں میں بند کر سکیں۔ مثلاً
ان کے ہی شعر ہے

ہو نہال نکلاں اجنا آفریں کے تمام ہرگز دلوں ہے چراغ رہ گندار بادباں

پھر بے شہسباز امت دلی کو چلا ہے عشق سامان صد ہزار نیکو دلیاں کئے ہوئے

دام پرواز میں ہے علقہ مسک نہنگ دکھیں کیا گزرتے ہے تلخ پہاڑوں تنگ

نہ کہہ کہہ کر ہے بختدار حسرت دل ہے مری نگاہ میں ہے صبح دھندل دوریا کا

ان اشعار میں چراغ رہ گندار پہاڑ بے شہسباز امت دلی سامان صد ہزار نیکو دلیاں دام مویا علقہ مسک نہنگ پہاڑوں تنگ
درا غالب کی اپنی وضع کردہ ترکیب میں ہیں۔ اس طرح مسیحاں نیکو دلیاں بے شہسباز امت دلیاں بے شہسباز امت دلیاں بے شہسباز امت دلیاں
کا صیغہ انجمنہ غزل رکھتی ہیں۔ انہیں کہتے ہیں غالب نے اپنے پیچھے ہٹے انکار کو بقید الفاظ کیا ہے مثلاً جو ہر آئینہ گونگا خیال
عشر خیال بنت لگا، قریبوں کو شہسباز غزل دام تمام لگا، عشق نہال خمار رسوم نقشہ لہر باد شہسباز آندہ وغیرہ وغیرہ
یہ ترکیب وسیع الصافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاص کیفیت حالت یا خطر کا نقشہ کھینچ دینے کی خوبی بھی رکھتی ہے جس کا اندازہ
اکثر اس وقت ہوتا ہے جب ہم اس ترکیب کو شعر کے ساتھ منسلک دیکھیں۔ مثلاً

ہے آدھی بجائے خود اک عشر خیال ہم انجمن کھینچے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

دلی بھر طواف کوئے حیات کو ہنس ہے چنار کا صنم کدو دیراں کے ہونے

ان اشعار میں عشر خیال کوئے حیات اور صنم کدو چنار جاری چشم تصور کے سامنے چشم زدن میں جو خطر کھینچ رہی ہیں اس کے
لئے عام حالت میں شاید ایک قصہ کی صورت ہو سکے اور پھر گراہ بات پیدا ہو سکتی۔ اس لئے بکھری نے کہا تھا کہ۔

”تمز لاخفا ساز می اجنب او کاویر رکھتے ہیں۔“

اس قسم کی بہت سی نئی ترکیب نے غزل کو جو چھوٹی ”لطافت“ دونوں یعنی صمیمیت اور قدرت کا اظہار ہے وہ خود غالب کے
کلام سے ظاہر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غالب ہی نے سب سے پہلے غزل کو اس قابل بنانے کی کوشش کی کہ وہ فلسفہ کے بسیط و عمیق
مضامین کا متحمل ہو سکے یہ ایک اور کارنامہ ہے میں اس پہاڑ غالب کے سر بندھتا ہے۔

غالب ایک عجیب فطرت کے گرائے تھے۔ انفرادیت اور غالب شاید ایک چیز کے درمیان میں جیسے ان کی طبیعت غفلت ہے
ایسے ہی ان کو بھی متغیر ہے۔ ان کی ہر بات بلائے جاں ہے۔

عبادت کیا؟ اُخترت کیا؟ اور کیا !

مجموعہ خیال

(فارسی شاعری)

پیرزنیہ محمد سلیم فسترشی

غالب کی فارسی شاعری

(ایکے تعارف سے)

مرزا غالب اس وطن میں فکر و فکر کر رہے تھے جب مغلیہ فرماں بردار اور فارسی سخن مرانی کا چہرہ بجا پاتا تھا۔ غالب کے عروج و غارتگی اس وقت لڑائی سرچشمی آ رہی تھی، جب دربار و ستائش اور داد و پیش کی بساط اُٹھ چکی تھی۔ غالب کے ہمعصروں میں اگرچہ ہنس کے اطراف و کمانے میں تھے لیکن اور شعراء بھی فارسی شاعری کی محبت جلا رہے تھے اور شاہجہاں آباد میں مولانا سخن محمد و عبدالغنی خان آذرود، مولوی عبدالغنی خان غازی، مولوی امام بخش مہتائی، حکیم حسین خان مومنی، قلاب محضی خان حسرتی، قلاب شیاد الدین مومنی، قیرا سید غلام علی خان و حشمت و فیروہ فارسی میں غور و مرانی کر رہے تھے جن کا ذکر غالب نے اس طرح کیا ہے۔

بند را خوش نفسا نند مشغور کہ بود . باد در غلویت شاں مشک فشان از دم شاں
مومن و قیر و مہتائی و حسرتی و آنگاہ . حسرتی اشرف و آذرود و واعظم شاں
غالب سوختہ جہاں گرچہ تیر از پیشمار . بہت در بزم سخن ہم نفس و ہم دم شاں

لیکن آخری آجہاد مغلیہ کے ساتھ فارسی شاعری کا ذوق بھی دھست چلا تھا۔ خواص و عوام کی لغوی عروس و سادہ و بھگی ہوئی تھیں ہر طرف اس کے صحن و چٹائی کا چرچا تھا اور ہر نگاہ اس کی دالہ و مستعد تھی۔ خود وعدہ داتا مغلیہ بہا در شاہ تھیں اس کی زلف سے گریز کیا سمجھتے۔ بڑھتے گریز میں تاجیک کی عشق و طرائف اہل لکھنؤ کو کفر و فتنہ کہنے کے بعد دہلی داتا کے دلوں کو مودہ رہی تھیں۔ شاہ نصیر بادشاہ اور مظفر ادوے ان ادا کیلے ہر سوتے تھے۔ ذوق نے بھی ان کو اپنا یا اور آستانہ و شاہ کا مرقع پایا۔ خاص و عام شعرا سنا محبت پر جان چھوڑتے تھے اور مضمون کی بنیاد نہ دیتے تھے۔ غالب کی انداد دین اور ان کی شاعری کا مزونہ اور ہی آج و کل کا آفریقہ تھا۔ اس بزم میں کن خطا بہ غالب کی فارسی گوئی پر کان دھرتا اور ان کی بڑھت کو بھٹا۔ حکیم آغا جان و حکیم کاہ بکشاہ

اگر اپنا کہا تم آپ ہی کہے تو کیا ہے . مزین کہنے کا جب ہے، اک کہے اور دوسرے کہے
کلام مستور کہے اور زبان میرزا کہے . مگر ان کا کہا یہ آپ کہیں یا خدا کہے

غالب کے کام پر ایک لفظ ہی دیکھی بلکہ اس سے غرضی زبان کی حتمیاتی ہوتی ہے۔ غالب نے پارے کو اپنے گھٹے پہننے کے جواب میں یہ کہتے دیکھے ہیں۔

د ستائش کی قضا نہ ملد کہ پدا . گر نہیں ہی سرتے اٹھارہی اسفادہاں

اور ہمیشہ اس سبب سے کہ وہ نیچے ہی جتا رہا ہے۔

مشکل ہے زبیں کلام میرا ہے دل
مٹتی مٹتی کے اے سچو سچو کمال

اسان بچے کا کہتے ہیں فرانشس کریم مشعل و گرنہ کریم مشعل

بلکہ کہتے ہیں تو کچھ دلائل نہیں اور کہہ گئے ہیں ہمارے ہمارے قیام کے دعوے کی نہ تھی نہ یہ کہ وہ بھی

بہرے ہیں مگر اس کوئی کے چاہی

لیکن جب دہلی میں مولانا فضل الرحمن میرزا دہلا بھیجے سکن فہم اور دینی مسلم اشریت استادوں نے انھیں اذکار کی عادت نہ دے دی تھی کہ وہ اپنی کلام کے حصہ دینی سے آگاہ ہوئے تو اس زمانہ کے دوسرے صحائف کو پڑھا اور زبانیں شکریہ بولنے، مستغفران کامل نہ کر دیا۔ لیکن یہ حکایت غالب کو پیش رکھا۔ ان کا آغلا سہارا ہی تھا کہ یہ

تا آنه وایانم که سر مست سخن نخواهد شد ایامی از قضا غریبانه منم خواهد شد

کو گیم را در عدم اوج قبولی خود است شهرت شعری به غنای ابدی نواب شد

یہ خیال صرف مرزا غالب ہی کا نہ تھا بلکہ اکثر کالم نگاروں کے دل میں بھی وقتے بہت پہلے پیدا ہوئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں مرزا غالب ✽

لیویس، محفل میں رہا، محفل کے چھانڈا لکھنا

اسی چند ہی نوادوں کا نام قیصر نے اس قدر بلند نہ ہوا تھا کہ وہ غالب کا صحیح مقام اور اس کے کام کی مناسب تقدیر فرما کر سکتے یا قبول کیا نہ تھی۔ یہی کہ جسے کہہ رہے تھے۔

نائب بھی اپنے فوق کے لحاظ سے مستقبل کا شاعر تھا اور وہ اپنے اندر چرچہ و جذبہ مستقبل چھپائے ہوئے تھا۔
(نیکار غالب فرمیں)

ہاست کی گرم سوزنا ہاست سرخاں کشید
ہرچ درگفتار فروخت آن رنگ منست

اگرچہ سرزدنے دیکھ کر کھم رنگ غار کا بنا دیا۔ لڑاتے ہیں :-

جرم ہے کہ ریخت کیوں کہ ہر رنگ غار کا
گفتار غائب ایک ہارے کے لئے بنا کر ہے

لیکن انھوں نے ریخت کے روج پر غرضی کرکھی اپنا شمار نہ بنایا بلکہ وہ اپنے اردو کو کم کے مقابلہ میں اپنا قدسی شاعری پر ہمیشہ غور کرتے رہے۔

غار کا جہاں تاہم جینی نقوش اپنے رنگ رنگ
بجز راز مجھ کو اردو کہے رنگ منست

لیکن زلف نے ہمارا مجھ کو ہے رنگ "کو محمد اہما ہی جانا اور مجھ کو ہے" کا سر کا م غائب کا آغاز اس طرح کیا۔

"ہندوستان کی اہل انصاف ہیں وہی، ایک ہی قدرتی دھڑلے دھڑلے غائب"

غائب کے کام کو کھلنے کی پہلی کوشش ملائی گئی تھی "یا دگار غائب" میں کی تھی اور انھوں نے اردو اشعار کے ساتھ فاضل کام کے سامنے
دارو زنگا کھولے۔ غائب کے دلا دلاؤ نے عالم کی یا دگار غائب سے نیا کڑی شروع۔ مطلقہ غائب ایک اس "گھومتے رنگ" کی شروع کے طواری
بارہ دیکھ اور مقلدوں کے اندر کا رنگ دیکھ لیکن ان "نقشہ اپنے رنگ رنگ پر انتہا دات کرکھا تو خیالات رنگ کی فیر سے بہت کم آئے۔ مرقدا
کی شاعری کے پڑاؤں اور ان کے فاضل کام کے متوالوں نے اس کی دلا دلاؤ کی داد دی لیکن "حق کر ہے کہ میں نہ ہوں"

افراسیاب کے اشعار اور سر قند کے گیتوں میں فاضل نے گہری لڑائی کا جس غائب پیدا ہوئے۔ فاضل میں رہے ہیں۔ جیسے احوال پر مقلد
پڑھے۔ فاضل میں، دستا بھی اور فاضل شاعری سے بہت انھوں نے دھڑلے پائی۔ وہ خود ایک انھوں نے لکھا ہے :-

غائب از خاک پاک تو دہنم	ہجوم و نسب فسرہ مندیم
دک نادیم و در نذا ہے	بسترگان قوم چو نہ ہم
ایسکیم از جہاں از خاک	در مقامے زام وہ چندی ہم
فیروز حق را کینہ مشا گیم	عقل کل ما ہیون فسرہ زیم

ایک اور غزل کا آخر اس طرح لکھا ہے

ماتنی ہر من پیشے دارو ماییم

دانی کہ اصل گویہ از دودہ جہاست

مرزا غائب "ہر من پیشہ ریات اور ہر علم ایسے ہے" میں نام کی زبان کے مطابق انھوں نے آخر فیر کی طرح اردو شاعری
شروع کر دی تھی اور اس میں انھوں نے اپنی جنگ بازی کے عشق ایک اردو شاعری لکھی تھی۔ بلکہ کے نیام کے بعد ان سرور میں اس کی فرائض سے
غائب نے اپنے اردو اور فاضل کام کا انتخاب کیا تھا اس کے پہلے میں خود غائب کا بیان ہے کہ انھوں نے اقل اور دنیا میں شکر شاعر
کیا تھا۔ لیکن ان کے بعد ان زلف کی بڑھتی جارہی تھی۔ فیر میں انھوں نے فاضل شاعری کی طرف اپنی فیر لکھی
اور فاضل شاعری کا یہ مسئلہ دفا سے ہے کہ ہر من پیشہ گہ جاسی بل اس کا ہے انھوں نے کم دیش سا شہر مال کٹر من میں ہو گئے۔ اس میں میں نے

خانکے میں بہرِ محرمِ تیر سالہ کی عمر سے پہلے نہ برس کی طرف ک زیادہ تر فارسی شاعری میں صرف چھتے اگرچہ است قبل اور بعد بھی فارسی
 فکر کر کرتے ہیں۔ مرثیہ کا نام میں غزلیات، اہلِ حیات، قصائد، قصائد، مرثیہ اور مثنویاں بھی کچھ موجود ہیں اور ان میں سے ہر
 صنفِ سخن میں قائب نے ان کی مشق کی ہے۔ ان کے ساتھ بطور آزمائی ان کے فارسی کلام کا کلیات، مہجور و کثور، جہان و دنیا
 ہر نامہ اس میں ۶۶ قصائد، ایک نثر اور ترکیبِ جہاں ایک ترجمہ، چند مثنویاں ۳۲، قصیدے ۱۳۲، اہلِ ایمان ۱۲، اور ۱۳، غرضی مثال
 ہیں اس کلیات کے آخری قائب کی تحریر کردہ تقریباً اس راہِ ترجمہ پر مبنی ہے۔

گرفتہ سکن بہرِ آئینہ بودے

دیوانِ مرادِ بہرِ پری بودے

قائب اگر ای فنِ سخنِ دی بودے

آہ وہی ناخودِ کتابِ ای بودے

بجزوری کیا خود قائب نے فارسی کلام کو کتابِ اہلِ کار و رو دیتے تھے اسلئے آپا کفایتِ سخن قرار دیتے تھے۔ قائب
 کا احساسِ خودی اتنا گہرا نہیں تھا۔ ان کی ذاتیت کسی کو غافل نہیں دلاتی تھی۔ ایک جگہ وہ استغناء کا سادہ و سستہ اور سستہ کی پہلی توفیق
 اور توفیقِ ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

باغِ فیضِ زمیں اور قومِ اداست

کہ وہ ام قد سے زیرِ جہاں نگاہ

نزدول میں بچھاں بعد یک ہزار دوست

ہم و سہمی و خست و بیکش مددِ پنجاب

قائب قوی و ذوقی کے شاعرانہ کمال کے ناک تھے۔ ان کے اپنے کلام سے بڑھا ہوا عجز و شکیں لکھتے ہیں۔

سینا شوکتِ عربی کہ بود سحرِ ادا

مشو اسیرِ زلی کہ بود غماں ساری

بہرِ حیات خیالِ و آئی آہیستی

روانِ فردوز پر و و سہمائی زنا

قائب نے اکثر جگہ اپنے شاعرانہ عظمت و کمال پر فخر کیا ہے اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

ایمانے گرم پر وازیم فیضِ ادا مجھ کو

خاربا ادا تو گرئی رفتِ ارم سوخت

ماں و دیم پری مرعوبہ راضی قائب

دلِ بے سوسہ می ویدِ خرد و درانجن

بروئے حاسان و روئے ز کشتِ ادا

انہی طرح بیکش جنت و ربستہ ایم نا

ایک مسلسل فزل میں بیان کرتے ہیں کہ قصا و قدر سے جو کچھ عرب کی قوم کے وقتِ بزم چھپا، اس کے عوض ہم کو کچھ دیکھ دیا

خاموشی کے ہونے پر بھی کوئی غم نہ ہو وہ قدرت نے مجھے قلم اور زبان کی مسرت ہی دے دی ہے

سوزت آتشکدہ در آتش فکرم بخت بد نہ
ریخت بخت عائد نہ آتش فکرم داود
گہرا زبانت مشا ہر دم بزم پرچید نہ
بہو غم نہ در بخت فکرم داود
گو ہزار آں گشت نہ وہاں بخت بد نہ
ہر دم پر زبانت بد بخت بد
ہر دم از دستگہ زار نہ بخت بد نہ
آہنا لم ہم امان جملہ زبانت بد نہ

اس طبعی مضمون کو ایک غرض میں بیان کیا ہے

دانش و تجنیہ ہند داری کے مست

حق نہاں عا د آ پھر پیدا خواستم

بہاؤ شاہ کے ایک حید سے میرا اپنی نظم و نثر کی بڑی تعریف کی ہے

نظم را مویں مرچند حیواں تہند

نثر را نثر اجماعا میما بیند

غائب نے سعد علی خاں دانی را پیر کے نام ایک خط میں لکھا ہے

غائب بہ سخن نام من آہا زل آہو

دانی کہ دریں مشہور نیم عالمی و جاہلی

دورن سخن رم وزن از عرق و آتب

ای آہ غامض است کہ بہت شہرہ نازل

غائب کو میرا قد اپنے علم و فن اور سخن پر بنا کر تھا اس لئے میں اس کی حسب ذیلجا و قدر و منزلت نہ ہوئی۔ انہیں ہمیشہ یہ غم سلا کہ ان کے بڑے مشاعرہ کو کسی نے پہچان نہ لیا ان کے کلام کی قدر و قیمت کسی نے نہ جانی۔ نہ ہوشا بنائے نہ ادا کی تا قدری کا شکوہ کرتے تھے ایک ہنگام کا اظہار یہ کرتے ہیں۔

۱۰۔ حین کہ بخت روزگار من گفتار مرادشا فشت۔ مرا خود علی ہر آں کما سوزد کہ کامیاب
فنا سائے فرہ از دی گشت و از ہی فکاش بسے لغز فروز کہ در انم و نثر بکلام ہر دم
مرزاں گوشت سحر

غائب نے اپنے افسانہ میں بھی جا بجا اس افسانہ کا بیان کیا ہے اور نثر کے کتبائیت میں سے دو سونے کی ہے۔ اس کی چند مثالیں دیکھئے

میا وید گراہی جسا پرو زبان دانے
غریب شہر غنہ بے گفتنی دارو
درواہی فانیق من کین و اش حیرت
ہوید کاں فاعرتساں آفتار کرد
غریب نامہ از کار آمد وطن فہمیش
کردنگی حلقہ نام آستہاں نامہ مش
غائب موعظہ باں راہی گفتار آدمی
بداری کہ نہا فشت نظیر ہی ز گشتہ علی

دس ہجرت چیدون کندہ می کردی
بیابانک من قاصد نم بشتگر
شہیدہ ام کہ زنی دنا اتید ہم
مردہ نم ترسندیم ، شہید ہم بگر

اس دور کی غازی یا بر ملاحت کا شمار غائب کی غازی شہزادی میں ہوتا ہے ۔ اس کی زبان و مات اہل بیان رواں اور
شگفتہ خاص کے محاورے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت غائب ، غازی ، غازی ، غائب وغیرہ متاثر ہونے کے پناہ نہیں کے
کام کو منسک طور پر پیش کیا جاتا ہے ۔

دامن از گشت کنم چسگو دریا	غائب و غازی و غازی
خامد روج دور و اس معنی ما	آئی گہوری جہان معنی ما
آنگہ اندر سرفراز می قمش	آہاں ساست پرچم غش
فرز اندر پیش آفریہ دوست	درق غش جان دیمہ دوست
پشت معنی قوی ز پهلوی پیش	خامد راجستری ز پهلوی پیش
طرز قمریہ رالوی از وی	مغفہ از تنگ رالوی از وی
نقشہ گفتگوئے ایست نام	مست لالی سبوتے ایست نام

یعنی اس کے اس مرحلہ پر غائب غازی شہزادی غازی کی محفل سے اٹھ کر جدا کر دیا گیا اور ساتھ ہی اس کے شہزادی غازی
آجیٹ اور ان کی سخن سرائی سے لطف اندوز ہوئے ۔ غائب نے خود اس اصلاح و تربیت کا ذکر کیا ہے کہ آخر میں مذکورہ نقل دیکھیں
کیلیت اور اس کا ترجمہ مولانا حالی نے یا دگار غائب میں لکھا ہے ۔

اگرچہ طبیعت ابتدا سے نامور اور بزرگ و خیاالت کی برائی تھی لیکن آنا دور دوری کے سبب زیادہ
قرآن و کلام کی پیر و کی کتاب جدا و صواب سے نا بلند تھے ۔ آخر جب ان لوگوں نے یہاں سے ماہ
یہ پیش ہوئے ۔ دیکھا کہ یہ باوجودیکہ ان کے ہر اہل کی قابلیت رکھتے ہوں اور پھر یہ ماہ
بہشت پر ہوں ان کو یہ حال پر نہ آیا اور انھوں نے پھر بہتر تر یا نہ لکھا ۔ یہاں علی حسی نے
سکھار کر یہ ہے ماہ کی کہ کہانی ۔ غائب آئی اور غازی شہزادی کی غائب آؤنگا کے
آہر اور مطلق انسان چھوٹا لانا جو یہی تھا اس کو نہ کر دیا ۔ انہوں نے اپنے کام کی جگہ سے
میرے کا تو پتہ ہی میری کہ پھر نہ دیا ہوا تھا اور غازی نے اپنی خاموشی کو چھتا سکھا ۔
اب اس گردہ والا شکوہ فیض تربیت سے میرا کلمہ تمام چال میں لکھتے تو رائیں موسیقار
جلوس میں غازی سے تو بہت داری تھا ۔

(یا دگار غائب ص ۳۳۰ ، ۳۳۱)

اس خیانت کا انہا غائب کے اشاروں کی بجائے شاعر کے طور پر چند اشارہ ملے ہیں ۔

نور کی ظلم کرنے کے استعمال کیلئے۔ غائب و سہیت اور این قصیدہ سے

اندھ کوئی نشی و نمی خواہم

غریبش را دیک ان غور خواہم

نور کی روشنی کا بغیر نہیں۔ نائب کے کفر قصیدہ میں غریب سے زیادہ اس کے داخل ہوئے۔ ان میں اکثر متاثر و قدیم کے ہنگام
پہلو سے اس طرح کے ہنگاموں نظام میں کی تصویر کی گئی ہے۔ یہ مضافہ ۱۲ کے اعلیٰ ہے اور مختصر شاہی کی حدود میں نہیں ہے۔ نائب کے قصیدہ

داد کو تا ستم بر اندازد

طرح نہ چسبش دیگر اندازد

میں میرے کے دلکش منور کی طرف کی گئی ہے۔ مستند ہے۔ قول قصیدہ ۳۱۰۳۱۰

ضمیمہ نامہ کی پیشکش نہال

طوبیان تر قریب قریب

باز پیغام پہا را در داد

مژدہ بوسہ روئے کار آندہ دار

میں میرے پہا کی تصویر کی اداس کی کیفیت اور حالت پیش کی گئی ہے۔ ایک اور قصیدہ (۵۷)

عید امضا ہر آغا ساز دستار آد

وقت آدستن بکسرہ و الوداد

یہ موسم ہر کے، حوالہ دہانت کا دلچسپ بیان ملتا ہے۔ نائب کے قصیدہ میں جانیت مرانی، متاثر وقت، اور ظاہر طریت کا اعلیٰ تصویر کی گئی ہے۔ اہل انور
میں دیاں شہنا خان کا۔ کسے کھینچے ہو جس۔ نائب کے نفسانہ تعزات کے وہاں ان میں بکھرے۔ قاریں اور طریت کی کرتے اندازہ لگاتے۔ ایاب ہاتھ ہے۔

کچھ کس قصیدہ کی گئی گویا وہ پسندیدہ طور پر نہیں دیکھا گیا۔ لیکن نائب کے فلسفہ کی اس صفت شاعر کے کلامت کی کسوٹی پر۔ اس پر قریب تصویر کی
کی کسوٹی پر کی مراد کی گئی ہے۔ چنانچہ انھوں نے پہلے ہی اپنے دینا میں ہی قول کو بکھرنگ دیا۔ خود نائب کہتا ہے۔

”ہر قصیدہ میں غور سے اس کو شعرا میں مشہور کہنا چاہئے۔“

ہر مروجہ وقت پر میری شاعر عقیدہ دار اور، قول کی شکست سے بھر کر نثر کا۔ کے بولنے یا تفصیل اپنے لہجہ کی حالت ما انکار ہوا کرتا ہے
اداس کی فکر و نظر اور حسی فن کا اظہار ملتا ہے۔ نائب کے قصیدہ میں حسی اور طریت کی حالت کی حالت ہے۔ حال کا بیان ہے

”عراق کے خدا کا۔“ اور ایک اور ایک ان کے حالات ظہری سب سے زیادہ متاثر ہے۔

نائب ایک جگہ دیکھو اس کے اس قدر قریب ہاتھ دینا کے ہاتھ سے ہی نکلتی ہے۔

”یہ غریب کا ہے کوئی بیت پانچے کا بات ہے۔ میرے نام کا قصیدہ میرے کہنا ہے کوئی ان کا کلام

نہیں اٹھا تا۔“

یہ ان کا کلامت کہتا ہے۔ جب رخصت ہو کر کسے ہی ہو۔ چنانچہ پہلے ہی کہتا ہے ”ایسا حال“۔ خود ما انکار ثابت ہوئی اور میری مراد
ما انکار اور قریب کو کسے کہتا ہے۔

میں نے اپنے عزیز صوفیوں، اہل اہل ایمان، اہل تصوف سے کہہ کر کہا کہ ان کے ذہن پر ان کے شاہ ولی اللہ علیہ السلام کی روشنی پڑے۔

ہمدان پاک بھٹانہ پڑھو اور
پہنچائیں شہرِ ہمدان و دوش

میں نے مسیحی اور وہابیوں کی

اگر مورد رول خیالشی کو چہ غلام پور ولفور ویاالشی کو چہ

ہر وقت ہندوستان کا نام لگا رہے۔

گرزند دم و اسانیش کیں . فرید بزم و منشا کیں

[illegible]

دې څېړنې په ډېر ژر به خپره شي.

کتابخانه عمومی و اطلاع رسانی

فقط کما حقہ علم کے حاملین ہی اس بات پر یقین رکھ سکتے ہیں کہ

۱۰۰

مغز انور پھلے گورلو سے

که یزدانی قادر و مستطیعان قادر

مختصر یہ کہ قدرتیست کو بیت کم جا گیا اور پھر کھالیت جو کیا اور آخر میں موصوع اور کیا

مردان کی طرح آواز کی حرکت بھی بہت کم قہر کی گونج اور اس صفت شعریہ مردانہ کا اظہار ہے۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم لوگ ان لوگوں سے

اسے فک مشرق اور مغرب پر خاندان مصطفیٰ

وہ مفتوحہ اور ہمیشہ سرور مستان مصطفیٰ

اسے کچا اور بیک نہ کرنا چاہیے

فکر مشاء فکر مسدود و پستی است

وقت که در بیجا و خیمه لوحه سوز

سوز و غمی بزم گرانه تلخ لعلان

مسروقیں سرور کا اقتضا و اہانتے

مشرفی و تحقیقی مجلہ

کے لئے جو کہ ان کے لئے ہے اور ان کے لئے ہے

وہ جس نے اس کو پہلے دیکھا تھا۔

۱۔ اگرچہ اس طرح کے افسانے سب سے پہلے لکھے گئے تھے، لیکن ان کی شہرت اور مقبولیت کا یہ حال تھا کہ ان کے بعد بھی لکھنے والوں نے ان کی تقلید کرتے ہوئے ان کے انداز میں لکھنا شروع کیا۔

[illegible]

وہابیہ دور وکلاء جبر و سرک

تعالیٰ نمبر ۱۳۵

دسویں درجہ فاضل و درست ۔ معذرت
 خدا دین تجھی و طسریق من طسریق است
 غراہ فردوس بہ میسر است تمنا دارو
 دانے گردہ رویش نسل بہ آدم نرسد
 با من میا و چلتے پد فسرند آ قدر را نگر
 ہر کس کہ طہ صاحب نظر دین بزرگا رویش نگر
 مستندہ اگر بہ ام قشش نہ سونت ایہ اکبیم
 جیہ کہ بے سفسر و شغل می تو اتم سونت

ایک قطریں کہتے ہیں کہ خدا بہیں من حق نہ کراد نہ تقویٰ سے نسبت نہ دے ہم صلایں ہیں ، القرآن کہ کلام حق ملتے ہیں ۔ اس میں
 اور فروغ کے احکامات ہیں تسلیم ہیں ، لیکن چنانکہ مائلو قدس کے صوبے اسمنے مرقہ دہی و آیتا و دہن ہیں ۔

و تقریب الصلوة و نسیم بنی اسط
 و نہ امرا و دانہ کلو و مشورہ امرا

ایک دہائی میں لکھتے ہیں کہ بے مقصدی کا حالت میں جب زندگی بچ ہوئی ہے نجات کی امید پر طاعت جیسے ہو سکتی ۔ کاش ایسا ہی کرنا
 طرح پر اور کوئی ہے استطاعت اور توکل شرط ہے روزہ اور نماز میں بھی شرط ہوتا ہے ۔

در عالم ہے زوی کو کج سے میا سے

طاعت نخواستن کردہ تفسیر حجاب سے

سے کاشش زمین اخلاص موم و صلت

بودی بیچرو مال چون رنج و زکات

بہن اوقات غائب کی شوقی ، گستاخی کی حد سے بچ کر رہنا ہے ۔ ایک دہائی ہے ۔

و اسب تو کسائی کہ بہ ما نہ نہ دہی

بہر و طسریق کہ بہ ما نہ نہ دہی

ملنے ۔ تو نہ طسریق و سنے ہے رنگی

سے ماہ چو مال کہ بہ ما نہ نہ دہی

شاعر کا مقصد کوئی بات کہ دنیا ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ دیکھنا بھی ہوتا ہے کہ وہ بات کس طرح بھی جلتے ۔ غائب کی فائز کی شاعری کا گہرا لہجہ ہے
 کہ اصل دنیا بھر کے موضوعات کو شکی یا کج سمجھی اور ہنرمندی ، جامعیت ، فصاحت و بلاغت ، کہیں تحصیل ، غائب ، کہیں دیکھا اور اختصار اور
 معروضات پر بحث لکھنے کے نازک ، آجیو دیں ، فطرت ہے ۔ شاعری میں صوفیہ کے تمام کائنات ، تفویض ، اشرفیہ کی تمام لفظوں اور غائب کے کائنات
 پر افسانہ چلتے ہیں ۔ غائب کے موضوعات کا سب سے بڑا اہم موضوع انسانی ہے ۔ اس میں موضوع بھی نیا اور اچھا نہیں ہے اور اسلوب بھی انوکھا ۔ یہ
 خصوصیت ایک آواز ہی کا ہے ۔ مرزا غائب غزل دہائی کی اپنی نظیر نہیں رکھتے ۔ اس میں خیال و خواہش اور پال ہی کیوں نہ ہو کچھ نہیں ملتا ہے بلکہ

جنت اندر اور دیکھ رہی ہے جس سے غیاں کی اکل دودھ جاتی ہے اور اس میں ایک اونٹنی بیٹھ رہی ہے۔ اس کے بغیر مولا شاہ اور
 ہمارے اقدس شان اور ملت خیر کی عزت و شرف ہے۔ صلی آفرین اور نکتہ دہی کے انہماک کے سنی بغیر لاد ہے جس بغیر کا دامن کیلوت
 زبان پر قدرت، انار قیاسات، استعارہ و کناہ و تخیل میں قدرت اور دوسری طرف تخیل کی نزاکت و دقت اور دیکھ کر غیاں سے بدعا ہے۔
 غائب کا کلام ان خصوصیات کا مرتب ہے جس کی بہت سی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔ یہاں چند اور مثالیں موجود ہیں۔ ۵

چنے تلخت و درجہ دولت ہر اثر جیم بلاست	قصر ویا سخیل و دوتے ویا انتقال
از گمانیک جہاں است صبری کر عالم	آفتاب مجی عشر شاعر مرشار ما
گرفتہ خاوا از صاحب و سر غرق باقی است	توانا کرد غنجد بہ ساد می خواہم
اس کے اندر دیکھ دو دیکھ دو از ہما دادا	بر سر منڈا آواز دیکھ سادہ را اگر بیاست
مرا و مسکن گل درجہاں گفتند امروز	کہ با تیر مرشار گل است تمام سوخت
نویز آمدت رشک از نفسا داد	مشقت دیکھ گھلے بہرست تمام سوخت
نازم مشرور با وہ ز کمر جمال دوست	گوئی فشرود اندیکام آفتاب را
سر زری خیال تو از نالہ باز داشت	دل پا رہ آفتاب ست کہ دودش نماند است
زیر سخن دل بنورش دیکھ ہوا بہت ہداری	بہرگان قہر و خون غنجدہ آجیدہ مانا نہ
شری شمعش ہیں جنبش نیمش ہیں	غنجدہ راست آجنگہ سر راست مقارے
جسٹوہ کن منت منہ از کردہ کمتر خستم	صن پاہی آفتاب کی آفتاب بی بیست

غائب نے فطرت میں بیگانہ سے فیض پایا تھا۔ جن کی تحنیں اور دلی انداز کی تحنیں اور خازن ریاضت اس تحنیں کا آفر ہے۔ یہ غائب
 کی انفرادیت میں سچ بس کر جنت، ادا، سخن، تعبیر، ابدی بیان اور دیکھ کر دیکھ کر صبر کی حدت فرمایا۔ غائب کی صلی آفرین اور نکتہ دہی کے
 ایک حرف میں تعبیر، تخیل کی دقت، مضمرات کی جلدی، خیال کا عنصر، نزاکت، لطافت، پارہی، آخری، بیباکی اور بچپن، ارمغانی و تخیل
 دیکھ کر ہوا، پردہ دہی، دقت و حیا، غیاں کی قدرت، ترکیبات کی جنت و شکر، محاکات کی صورتی، تفہیمات و استعدادت کی
 صحت کی فرض پر چڑھ چکے۔ "وقت اور تنوع ہے، نہ وہ دیکھا۔ غرض غائب کا فارسی کلام، افکار کی گہرائی اور گہرائی، مضمرات کی استعداد
 ابداع، تخیل کی جلدی و دقت، جذبات کی خفت اور گہر و دقت، غرضت کی خوشی و شکر، اسلوب کی جنت و دقت کا دیکھ کر غائب
 کا فارسی کلام غیاں و زبان کے لیے ایسے گراں بہا اور پادوں کا گنجینہ ہے جو کہ شمار اور توصیف کے لئے ایک زمانہ دیکھا ہے۔

مالک ۱۱

غالب کی فارسی تصانیف

۱۔ کلیاتِ غالب مرنان کی فارسی تعانیف میں یہ تھا ادا شاعرت ان کے دیوان فارسی کو ادبیت کا طرزِ ماضی ہے، حالانکہ جہاں تک ترتیب کا تعلق ہے پہنچ آہنگ کے معنی جتنے نسبت پہلے مرتب ہوئے تھے۔

گو رنگ کے فارسی جتنے تھا فارسی، مرتبہ جو تقریباً چھٹا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قشتلنگ تک دیوان فارسی مرتب نہیں ہو تھا۔ بلکہ مرتبہ خیالی ہی قوس وقت تک فارسی کلام مقدس رنگ کے ساتھ نہیں تھا۔ فارسی دیوان کی ترتیب کی قوس نسبت پہلا مٹا دیوچ آہنگ کے دیا ہے یہ ہے۔ مرنان کی کتب خانہ لکھتے ہیں۔

۱۰۰۱ فارسی سال یکے بزرگ و دوم و تیسرا و یک بجری الشمس آدرجن فان باقی بقضائے آسمانی آں پیش آمد کہ سچ آفریدہ میں آں داس خود از غایت شہرت بہ شرح احتیاج علماء و علماء دیوانیہ پیغام ہم داس پیغام آں بچہ پندہ دلی کہ سیریم و یہ کا شادہ بیلا ویدہ استات نامزد گاہر دیوان مرنان آں تائب نے ہو انصار خود و نام۔ چل و نام آں دیوان فیض حضرت کر گنا بہ۔ یعنی آں آند و مرنان ہم۔ جانہ فخر آمد و پرنان آں تائب پر شہید ہوا۔ آںچہ از مشورہ ہماروں مجتہد صحت اسقام داشت ہمارا بہ فہستہ

عالمہ آفرین و آفرین محمدی محمد نام ۱۰

نائب رئیس الدین احمدی کو خلق فرخ کے سلسلے میں، اکثر قشتلنگ کے چھانسی کی سزا ہوئی تھی، جس کی علت اس تحریر میں مرنان کی غرض لکھنے اشار کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آں لہا لکھ پیغام ہم داس پیغام ۱۰ میں جیہ قدر ہے دلی آں آند غالب کے بان خبرا۔ گرا وہ اکوین۔ نو مرتب قشتلنگ میں علی آئے۔ ادا نہیں آں ہم۔ دیوان آں آند۔ قوس ہم ہوا تھا۔ پس ہم نے خیالی کہہ دیں ہیں کیا نہیں کہ دیوان خبرا نو مرتب قشتلنگ کی سہا ہی مرتب ہوا۔ نو مرتب است یہ کام کا نام۔ "مخاطب آند و مرنان ہم۔" لکھا گیا تھا۔ "جہ نسبت سے جمال اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس وقت تک دیوان کا جو سب سے پہلا مخطوطہ ہے۔ یہ تھا بخش اور شیل لائبریری کی پندرہویں صفحہ ہے، اس کی کتابت کی تاریخ اور سچہ آخر قشتلنگ آں ہماری دس مئی لکھی ہے۔ ادا ہم کے کتاب غالب کے مشہور دوست آں لکھا آں کہتری ہیں۔ لیکن ہے کہ یہ مخطوطہ اصل نسخہ۔ "مخاطب آند و مرنان ہم۔" یہی کی گفت ہیں۔ ہر حال میں یہی نسخہ بھی غالب کا دیا ہوا ہے۔ اس کے حاشیے میں بعض چیزیں خود ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہیں۔

نارنگی دیوان پہلے نو قشتلنگ میں چھا۔ جیسا اس کے مرنان اولیہ تحریر ہے۔ یہ لکھ گیا۔ الدین احمدی ان تحریر و نشان کی تصحیح و ترتیب

در باشر دانش، سرسبز گشتن در بحیر بنیش، یک داد گوهر
صیقل کمالش، برینت گردون ذکر جلالش، در هفت کشتن
یارب! بگشایی بانزد شوکت پیوسته با دایم داد کشتن

قطعه - ۲

کرم پیشه، ذوقی کشتن بر پا در کو نقش بگشایی دل با است دانش
دران بزم بگشایی من را چه دانا کو خم کشتن گردون تر بر سر دانش

قطعه - ۳

گویند: رفت ذوق ز دنیا، ستم بود کای گوهر گران چه خشت و گل نبود
تاریخ تو بکشتن نبود، ذوق بخت بر قولش دعاست که احباب دل نبود

قطعه - ۴

سرخ زبیب سراج مرسل گشتند بقرب حق مشرف
صیقل و صلیب و مرسل از نور ختم انوار از براق و نرف

قطعه - ۵

تا بود چهار عید در عالم بر تو یارب! بخت با دو همسیر
عید شوال و عید ذی الحجه عید با پیشه و عید خدیر

قطعه - ۶

کرد چون تا نزد عید الدین ز دنیا انتقال گفتم و آید بر کدام آیین بود سال و وقایع
گفت غالب: کو میر زاری اگر با مشق بریزد خود همین "تا نزد عید الدین" بود سال و وقایع

۱۳۴۳ هـ ۱۴۴۳ ق ۱۴۴۳ هـ

قطعه - ۷

در باره اسم و سال و مولود و عید رفت است از نائب بخنود تو عید
"ارشاد صمیم خان" منین بگریست بر سر کو "نخست ذی" بود سال و عید

غزل

عجب کہ مژدہ دہاں رو سویسے آ رہند
 دردستان نبود خوشن نما صی ہنگام
 کھام مژدہ کہ آ رہند و از کجا آ رہند
 کہ وای بہر گدائے سسکت پا آ رہند
 سوز و کجی کہ بہر رو نما آ رہند
 کہ ہندہ دار بھی طاعتش بجا آ رہند
 بہر و انجسم اگر سائو خدا آ رہند
 ہوا کی کریمت کھنڈ غن، چہ در نما آ رہند
 نساہ سائو مرا بیک نفس ہمنفساں
 غمت ٹسرو اگر خواہ از خدا غالب
 اگر نوید پندیرانی دعا آ رہند

رباعی — ۱

درویدہ آئی کہ عمر رنج پاس است
 خاک است، اگر لعل و گرا لاس است
 آن دل کہ ز دہر لہو آید، کون
 در بنو محبت و خراج داس است

رباعی — ۲

پرچند نرد و ز تاب سے پست شود
 وز غمت و غم و ہم قوی دست شود
 ہر کس کہ غم دارد، از ہیو ہر تاب
 آن مایہ چا غم و کہ بہ مست شود

مشنوی کے دو شعر

سپاہ تا بہ پہنچ کہ از روزگار
 گزوم بھلئے رسید است کار
 کہ ہی نوشم از جنگل اندیش
 بھائے سے تاب، مارا لقرع



مالک ۱۱

گلے رَعْنَا

(۱)

مرزا غالب اپنی پیشی کے سحر میں پارہ لائے گئے اگست ۱۸۵۷ء میں، وقت کے گلے کے مارا جانے والے اور شکست منیات کی مسیر کرتے ہوئے فردی شکستوں کی گلے پہنچے۔ وہ فریادیں کرتے کہ وہ دیباہ مقيم رہے اور ان فریادیں کی گلے سے بولنے لگے۔ ۱۸۵۷ء میں انہیں دلا گیا۔

گلے میں غم اور مصائب کے ان کے سوا کوئی سبب نہیں تھا۔ یہ بہت غمناک وقت تھے۔ یہ وہی صاحب ہیں جن کی طرف انھوں نے ایک غزل کے مطلع میں بھی اشارہ کیا ہے۔

بامراجہ العزیز احمد یادہ جز قسیم نیست

درد غالب : نیست آہنگ غزل خوانی مرا

یہاں پہلے نیست کی جگہ "میرزا" اور "آہنگ" کی جگہ "درد" تھا

"درد غالب" کی جگہ "درد غزل خوانی مرا"

چنانچہ کلمات بیچ اقل الہیج آہنگ کی دونوں حالتوں میں لکھے اور لکھنے سے، اس پر صرف اس طرح ہے
پہلے آہنگ "میرزا یادہ غزل خوانی مرا" اور "آہنگ" کے نام پر، اور دوسرے میں غزل خوانی کی جگہ "درد" کی وضاحت کے بعد ایک جگہ غزل خوانی کے نام پر لکھے گئے ہیں۔

"میرزا یادہ غزل خوانی مرا" کے ساتھ کہا ہوا "درد غزل خوانی مرا" سے
صاف کام لگا کر نہیں۔ وہ غزل خوانی اور یادہ غزل خوانی کے ساتھ لکھا، دوسرا غزل
غزل خوانی کے ساتھ لکھا۔ لیکن وہ غزل خوانی کے ساتھ لکھا، اس کا خاص
ہوئے ساتھ تھا..... پہلے دلا دینوں کو اپنے بعد اپنا نام دلا گیا تھا، ایک آؤ میں دلا گیا۔
اب اشارہ میں کا ایک دوست رہ گیا۔

نہ خود کے شاعر ۱۱۵ (پہلے گزلی اور "شاعر")

دام اقبال کے شعر ہی عنوان سے کیا ہے۔ جب غائب کلکتہ پہنچے تو مسٹر انڈریو سٹیرلنگ (ANDREW STIRLING) اس نام پر حکومت جس کے سیکرٹری تھے جب غائب ان کی دعا کے لئے قاضی نے ان کی بہت بہتے لکھے تھے تو جھگڑے کی امداد کی بہت بڑھائی۔ غائب اس سے متعلق کلکتہ سے ایک خط میں اپنے برادر مسٹر مرزا علی بخش خاں کو لکھتے ہیں:-

”باہمدا ایندوی خواہش بہت از غراب خوش بر خاستہ دے شہر جا و کا آمدہ سا و چہم دولہ
فرای میا جا و دانستہ و درانجاں پایہ از خواہش برتر نشید۔ مسٹر اندو سٹیرلنگ ای ان علاج کونسل دولہ
دل در دمنہ شغری و بہ متعلقہ غم مریم بھی کہے کسی ہائے من بخودہ دست۔ ہر چند دل کہ غم سے بہ
نا امید نہ تھی کہ دست۔ ایک بار پوچھو تو اندر دم ویرا آئرش خواہ گشتہ و لیکن اگر ای جہاں ہوا تھا
دل بہ ما و دے تاخیر کام پیش میا دسن داس لریج مدانی جا و دے انگرا شکستہ نیست۔“
انہی آیات میں ایک دو مرتبہ خواہش لکھی ہے:-

”اندو سٹیرلنگ کو تو سرور ہی کونسل نقطہ حلیت و قوم نہ ملیاں سا نافر نہ بہت است چند بارہ
مہم مانگیں دار کو شمن مانی ہمدومہ لعلی شمن مانی ہمدومہ و دے قیدہ۔“ اس پر خواہش ہوئی بہت
الٹا کر دم و درانجاں قیدہ لکھنے ادا حوالہ جویش شمن تک شہر از حوضہ اتفاق، دے ہی کہے خواہش
بہ روش گزیدہ و لکھنے پستہ و دست بہم دا نا حلیا بہ خاکسای ہائے من از و دے دلیا بہ امیدہاں
ہائے من کا لہرہ۔“ قیدہ کہہ نام و دے پیرا نام۔ محلو نہ شدہ و دے لہرہ پاکو دے دے لہرہ لہرہ دا دے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیدہ ان کے کلکتہ پہنچنے کے بعد لکھا گیا۔ فروری ۱۸۵۵ء میں لکھا گیا تھا۔ اس میں ۱۵۵۵ شوقیہ ہیں۔ لیکن اگر
دہائی ۳۱ شوقیہ ہیں۔ اہمیت لکھا تو تاریخ اقلہ ۲۲۳-۱۸۲۸ اور بڑے نام ۲۹۲-۱۸۶۵ میں شوقیہ کی تعداد ۱۵۵۵ ہی ہے۔ معلوم
کلیات میں شوقیہ کی تعداد ۱۵۵۵ کی ترتیب کی گئی ہے۔

کتابت کی اطلاع سے قطع نظر کہ یہ مجموعہ کلیات سے متعلق کچھ پر چند بہ قول اختلافات ہیں:-

۱. گلبرجست

فناں کی سوخت غم ویرم آں چناں کا نیک زہم ویرم ، اگر بکریم بخشہانی
کلیات میں یہ شعر غلط کیونکہ اس کی جگہ دوسرا شعر ہے:-
فناں کہ جاں بہ غمت وادوم و تو دانستی کہ جاں و دہند وفا پیٹکاں بہ آسانی
(۲) گلبرجست

کہ شدہ بہ زہم تک ہشی کہ اوہیدہ و نوازندہ غم و دے دے از سطر حسین پیشانی
لکھا میں مصرع اولیٰ میں ”کاش مکی جگہ“ تو لکھی ”کہ دے دے“۔ زہم لکھا ہشی کی ترکیب بہت دیرینہ کا رہی، مصرع سے یہ
میب دور ہو گیا۔

۱. کلیات نظر غائب، ص ۹۹

۲. ایضاً ص ۱۶۰ و نام مولوی محمد علی خان، صدرائیں، (۱۸۷۰ء)

دس گل زلف سے

نہے مرقبے مایگان کہ از فینش سراب کردہ محیط و قطرہ طوفانی
یہاں رویت طوفانی کی جگہ - عوامی مکر دی گئی ہے۔ یہ - عوامی مسخرہ ہے۔
اہم کلیات میں ایک شریف ہے

میں شکستہ دل ہے فو کے رکھ سداں پگور دوم زخم ، از دھوکا شاعرانی
پہلے یہ خسرو اس طرح تھا
پوسن شکستہ دل ہے کونے پگور
پگور دوم زخم ، از دھوکا شاعرانی
چونکہ ہونے لگا اشاریں بھی متاخر صبر نامہ معظم استعمال ہوئی ہے اس لئے یہ اصلاح ہو چکی ہے۔
۱۵) اگر رعنائیں شریف ہے

پناں بہ حق دام کشیدہ تنگ کوسن ز غمزیال فرو نامہ از ہر افشانی
اصول کے بسبب اس کی شکل ہونا چاہیے ہے
پناں بھلے نام کشیدہ تنگ کوسن بہ بند غمزیال نامہ از ہر افشانی
بہ گھ پیلتے بہتر ہے۔

۱۶) اس طرح کی رعنائیں تھامے

بمبشہ نام کو د ساہ تیر و تانیک حام نامہ بود مسرور و دھوکا
مصرع اولی میں بھی "بمبشہ" کا جگہ "حام" کر دیا ہے۔ اس بخلا سے زور فرود ہونا چاہیے۔
روا کیا کہیں مضبوطی و دشمنی کی وجہ سے رعنائیں موجود نہیں ہے

بہ نو تو تخت عزات چنناں بزم الفاد کو در دہان صفت کرد آب و دہان
فناں ام چم مہا پاکہ سداست کبیشی ز گدو ام چہ نجسات کو از کربسانی
۱۷) ان کے مقابلہ میں اگر رعنائیاں یہ شرطیں ہیں طبع کر دیا گیا ہے

بود تو تیر آتم کو داد تا کاسا فربہ و ہرچہ بن دادہ اند و ہانی
اس میں نیچے ہے کہ گئے اندر سے غلامان کو دس ہزار روپے سدا و پیش منا پہلے ہے جو شرف میں دار قیام کی طرف سے
متر بہر لکھی۔

(۳)

قلب سے کہ ہر قلب ہے، جس کا پہلا شریف ہے
ساتی بزم آگہی دوزخے راوتے ریخت در ہباز شریف

۱۸) یہ قطعوں کی بات میں تیرا پہل ہے۔

یہ قطری خط کے قیام کے نام سے پہنچا گیا تھا، جیسا کہ اس کے بہن شریعت ظاہر ہے۔ خط لکھتے ہیں۔

گفتش : چیت غفلت - نسیم گفت : جو رو بنائے اچے دھن

اس سے معلوم ہوا کہ سفر شروع ہوا تھا۔ پھر دیکھا، بتاؤں، غنیم آباد کا مالدار انت کہتے ہیں اس سے بہت اڑی، پہنچتے ہیں۔

مالدار نکلتا : باز چیت، گفت : باہر نسیم ہشتش گفتش

اس وقت ہوا کہ وہ نکلتے پہنچے تھے انہیں اس کی طرف آبادی اندک دیکھ کر غور کیا، اندویش اندیش ہیں کہ بتا رہے تھے نسیم کا درجہ پہنچتے تھے، اس کے لیے کہ اشعار میں بھی غفلت سے حقن سوال دیا ہے۔

انفوغا حوٹو لکھتا ہے

گل رعنا

مطلوبہ کلیات

بسمہ دہاں مرغوشی عزیزانہ

بے حجابا کر گفتش دامن

غنیم : اکون بگو کہ وہی چیت

گفت : جانت دایا ہشتش تن

گفتش : چیت ایسا بتاؤں گفت

مشاہدے سے : حوٹو چیت

گفتش : چوہا بود غنیم آباد

گفت : رنگیں تران ہزار چمن

۱) بسمہ دہاں ہے خودی عزیزانہ

۲) بے حجابا کر گفتش دامن

۳) غنیم : اسے دوا بگو کہ وہی چیت

۴) گفت : جانت دایا ہشتش تن

۵) گفتش : چیت ایسا بتاؤں گفت

۶) مشاہدے سے : حوٹو چیت

۷) گفتش : چوہا بود غنیم آباد

۸) گفت : رنگیں تران ہزار چمن

اس کے بعد ایک دوسرا قلم ہے جس کا پہلا شعر ہے

نہ چشنام کو دان نا بستہ مرغ غریبش وقت دامن

اب یہ قلم کلیات میں : دوسری سطرات یا لغات داخل ہیں، بلکہ اس کے آغاز کے شعر کے ضمن میں مذکور، شروع کی ترتیب سے دوسری فرقہ ہے۔ مثنوی کا فرقہ صوبہ قلم ہے۔

مطلوبہ کلیات

مرغ غریبش وقت دامن

تاخیر حور مروی دامن

نہ کہ از ہر حوٹو اپنے ہشت

ترکب آراشیں دامن

یہ دانا اگر دار ہستم

کاغذ الفت قوی اسس گنم

گل رعنا

۱) نہ چشنام کو دان نا بستہ

۲) مرغ غریبش وقت دامن

۳) نہ کہ از ہر حوٹو اپنے ہشت

۴) ترکب آراشیں دامن

۵) نہ تر امید اپنے بہودہ

۶) کاغذ الفت قوی اسس گنم

(۳) نہ چنان در پوسش شلایتم
کو بپسودا عا نکاسی کنم

(۴) ایچو سوو از خیم خضای بزم
گلچینه را کو من به پاسی کنم

(۵) کو فر از مومنا دا کند آغوشش
اگر آهنگب ارشاسی کنم

(۶) بجز او تا سخن علی عزیز
این دو بیت از وی اقتباس کنم

دیوان صلیب میں ایک شہزادہ ہے ، جو کئی رعنائیوں سے

ایک نایب زمینی کو درختیاد درختیاد اور سورہ اسی کہم

16

دو ذوقِ افسوس کے بعد وہ شوق ہے 'الغالب'۔ یہودی شوقی موسوم بہ پیرایہ ویران کے عثمان سے لکھتا ہے میں موسوم بہ ایہ
مشغولی، خود غصہ ہی نہیں، دوسرا میرا شوق ہے کہ تو، قرآن سے مسلم ہو سکتے ہو دوسرا تو میں بہت دن قیام ہے چھٹے۔ یہی کہ اس شوق کے
مستند و شرط سے کہی آیت ہو سکتے۔ اس لئے اس کی کیفیت کا نام مختلف ہے کا نعمت آخر ہو گا اس میں خدایا اس پر ہاں کے باشندوں کی کتاب
دار اس میں اس قریب کی یہ سہ فالب کی ہر طرح شوق میں مشا رہے کہ تاں ہے، جگر تیرا ہی میں نہیں، ان کی ہڈیاں ذرا ہی شاعری ہے اس
کا نام بہت ہے، یہ نظم افسوس ہے میں شہاب کے ذرا ہی میں بھی ہے، جب کہ ان کی عزت ہی میں سے تھا وہ نہیں ہوئی تھی اس کی روحانی و دنیاوی
کی وقت، اس کی افسوس ہے، اور محاکات میں یہ ہر اور دھنیں ہی کہ اس کا معلوم ہوتا ہے، یہ غصہ خبا ل تو ہو رہی ہیں، بلکہ مشاعرہ وادعات نہیں
ہو ان کی کہانیت۔ کتاب کہ اپنے قصہ وادعات ہے میرا دماغ اور کچھ ہے جا نہیں، اس کے اعلیٰ قصہ وادعات ہے، جگہ کہ زبان وادعات کی علامت اس ہے۔
تجربہ وادعات وادعات کے ساتھ ان میں درد ویران ہی، ان کی تھی، اس کی کہانیت آخری کے قصہ وادعات ہے، بہترین قصہ وادعات، اگر اس وقت کے
مقابلے میں کہہ جا سکتے ہیں، لیکن بہت ہے کہ اگر وہ بھی مشغولی ہاں ہی تو وہ ہر حال رکھتے ہیں کہ فیاں تھو، جگہ کہانیت، قرآن ان کی زبان کی
سناؤں کہ کہانیت ویران ہی، ان کا نام اس وقت کے وقت ان کے مشغولی کے ساتھ ہاں ہاں۔

تعلیم، معاش، اور مشنوں کا جو مستقبل ملے ہے، اس پر غور کیا جائے گا۔ اسی سال، افریقہ میں دعوت ہوئی، کیونکہ اس وقت تک اس میں کسی جوش کا بغیر رہا تھا۔ اس موقع پر اچھا احساس تھا کہ اور کیا ہے اس وقت تک پہنچا ہے۔

10

کتابخانه

پہریشاں قمر نے دیکھ کر ہنس کر کہا:

۱۰۸ - لیلہ یارم فقیر آلا بیانی

پہلے تو دیکھیں کہ یہ کیا ہے

۴۰: پریشانی خود را فراموش کنید و شادی کنید

پہلے پڑھیں پھر سوچیں

- (۳) مکتب انگلستان بیرون گوہر ہم ما
چو کرد افشردہ آہن جوہر ہم ما
- (۴) گرفتہ کز پستان آما در دستم
فریضان ما چسوا از یاد دستم
- (۵) مجروحہ داغ شقایق آہن سوخت
قلم بے ہری آہل دہن سوخت
- (۶) نہاشد قطب بہر آسمانے
سر مشاغلے در پستانے
- (۷) سخن ما نا ز نفس رعیش قرائی
و گلابکستانش ہائے لاشی
- (۸) بود در عرض ہاں افشا ز ناز
نوا نفس گفتہ پشیمان ناز
- (۹) زیارت فغانا تو سیاست
ہما نا کہیں ہندوستانست
- (۱۰) بہ طاعت اندوختہ گوہر غم و دگر
ہا نا ز از شوق عاشق کرم و دگر
- (۱۱) ہستی موج را منور مودہ آہم
ز شوقی آب را بکشیدہ انعام
- (۱۲) بہا درستان عشق لافانی است
بہ کشور با سحر دوسہ مافیاست
- (۱۳) بہ آہن ہے ہر دگی ہائے علامت
چرا پیدا نمی گرد و قیامت
- (۱۴) بہ مشہور از بیکس صحرایان
بہ دوسے شعلہ دل جاگزینان
- (۱۵) ہر شمع از سوز دل آفرینان
بہ ہندم عرضا دعائی ہے زبانان

چو کرد افشردہ آہن جوہر ہم ما

مراستان ما چسوا از یاد دستم
مجرعہ داغ شقایق ہستان سوخت
قلم بے ہری آہل دہن سوخت

سر مشاغلے در پستانے
سخن ما نا ز نفس رعیش قرائی

نوا نفس گفتہ پشیمان ناز
زیارت فغانا تو سیاست

بہا نا ز از شوق عاشق کرم و دگر

ز شوقی آب را بکشیدہ انعام

بہ کشور با سحر دوسہ مافیاست
بہ آہن ہے ہر دگی ہائے علامت

بہ دوسے آتش دل جاگزینان
ہر شمع از سوز دل آفرینان

اس وقت کلیات میں اس مثنوی میں (۱۰۸) شعر ہیں، لیکن گزشتہ ص ۱۰۳ پر یہاں مندرجہ قول پانچ شعر مندرجہ کلیات میں نہ آئے ہیں۔

دار بابہ وطنی جو ہم سے تھا مرا کہ رنگ درونق اندام نہ پھن ما
جو خود در جسد سنجہ ناز خود ہم ہم از حق ، فضل حق را باز خواہم
جو حق با دوست ، یاران تو ہم صام الدین حیدر خان تو ہم
جو پیر تو قبیلے جاں طراز ہم ابن المرتی احمد خان طراز ہم
بہا مان درشت و صفت نوافقی ہکاشی ہی کند قشاق و غیوق

میر تقی ہے کہ ان میں سے پہلے چار غروہ ہی میں ملے تھے، ہونگے، لیکن ان میں ان کے لائق دوستوں کا ذکر ہے، انھیں بڑی مروتانہ باتیں بھی نہیں تھے، اس نے انتہا کیے وقت یہ شرمزدن کر دیتے تھے۔ بہت ہاتھوں شر و عکس ہے کہ بعد کہ انکار ہوا۔

ان کے تہذیبی گورستان میں ایک شریعت ہے، عذاب کیا تھی نہیں۔

کشیہ نگار کیا دشمنی و عداوت عمارت و در عمارت ، قات و در قات

(۵)

مٹری کے بعد ۲۰ سے آفریقہ میں ۲۰ تک فرما لیا ہے۔ یہ تعدادیں ۲۰ ہیں۔

۱۱، مطلق ہے سے

جنوں مستم لہذا تو بہا نام ہی تو ان کشتی ہر ای برکت دکن در کس نام ہی تو ان کشتی

کلیات (طبع اقل) ۱۳۴۳-۱۳۴۴ء میں دوم ص ۵۰۵-۵۰۶، ۵۰۷ میں اس غورنگ کے بارہ شعر ہیں، ان میں سے تو ہا مطلق ہی کلیات میں شعر ہے۔

غدا یا از عشق زان عشق شیون کہ بیتا ہے ہوا از فغانساں ، دودا دنیام ہی تو ان کشتی
کلور عسائی صریح ادلی کی شکل ہے ہر

ز خوبیش متھو یکا تو دی با یکشیہ آخر

کلیات میں دوم میں صریح ثانی میں غنائی کی جگہ غان دان بنا دیا ہے۔

کلیات کے مندرجہ ذیل تین شعر کل رہا ہیں نہیں سے

ہر چوں زبست کو راست ، تو ہم را دیت نمود ہر با و دیتے شیر مزارم ہی تو ان کشتی
ہر برنگہ من اگر خود کل انشا فی داندود تو بہر وعدہ کو انتظارم ہی تو ان کشتی
ہر غور من ، اگر رنگت ، دست و خیر آفت

۱۲، مطلق ہے سے

نئی بینیم در عدا لم قتلے کا سوا نا بد تو مانہ شرم تابنا ز ساغر زنت مہبلا

کل و عکس کے بارہ شعروں کے مقابل میں کلیات ۱۵ ص ۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷ میں ۳۵۶-۳۵۷ میں چند شعر ہیں، صرف ایک شعر کے متعلق حینت کی تہذیب ہے۔ کل رہا ہیں۔

درا غورکھنا تھا، غرض جیتا بلاناں نادان
کہات میں معرکہ اولیٰ میں جیتا بل کی جگہ یک دہائی ملکہ ہے۔
کلیات میں اس قول میں یہ چار شرف نامہ ہیں سے

من و ذوق و نشاط شلے کے، اگر تاجہ رخاں
نیا شش ماہ لے ہر یا انکا نامی جسم
پہاں است و تاک از جلوہ گل است دارد
نکی رنجہ کہ در دام تعاف می تہد یکیش

۳، مطلع ہے سے

باجہ گم کشگی غالی ہو در جہانم ہنوز

یہ قول مکمل ہے۔ کلیات میں (۱۶) ص ۳۸۸ - ۳۸۹ - (۲) ص ۳۹۳ - ۳۹۴ اس کے دس شری اور بھی گورکھنا

نما ہو جویں۔ اس میں شہ ہے سے

تا سر خار کرداں دشت در بیاں می ماند
گر دنا میں معرکہ نانی میں شوق کی ذوق ہے۔

دوم غورکھ سے

صفتی است در نود ہر نفس نور شست است
اس کے معرکہ اولیٰ میں پہلے نود کی جگہ گورکھنا

۴، مطلع ہے سے

اے بہ مدعا آہے بر دولت نداد سے

کل دنا میں اس قول کے فخر میں اور کلیات (۱۶) ص ۴۰ - ۴۱ - (۲) ص ۴۶ - ۴۷ اس میں دس کلیات
یہاں یہ شرف نامہ ہے سے

شرقی شمشیں ہیں، جہنشی شمشیں ہیں
جہاں تک باقی فخر کے متھ کا غن ہے، اس میں کوئی غلطی نہ تھی۔

اس قول کا مطلع ہے سے

کاش کہان بیت کا شہ در پردہ دم قاقب!
اس میں خیال ہو کہ ہے کہ یہ قول بھی سفر کلکہ، بلکہ مانا کلکہ میں بھی لکھی تھی۔

۵، مطلع ہے سے

شب اپنے غم کہ پھرہ بر عزا ہشت و ام

یہاں اس میں سات شری اور کلیات (۱۶) ص ۴۲ - ۴۳ - (۲) ص ۴۶ - ۴۷ اس میں دس شری اور بھی نہیں ہشت

پیمانہ را زبا وہ بخون پاک کرد ایم
 کا شانہ مار رخت بہ سیلاب شستہ ایم
 در شنگ و ف ز میا آب گشتہ ایم
 خون از جبین دوست ز قصاب شستہ ایم
 اس غزل میں ایک شعر ہے
 انسو مجرے بردہ دُخوتِ عتاب ما
 از شعلہ تو دود بہ ہفت آب شستہ ایم
 گلہ ز عانی معرۃائی میں شعلہ کی جگہ آتش ہے۔
 کلیات میں اس غزل کا مطلع ہے
 غائب رسیدہ ایم بہ کلائے وہ سنے
 از سینہ داغِ دوریِ احباب شستہ ایم
 گلہ رحمت میں دوسرا معرۃ اس طرح ہے
 از سینہ داغِ رحلتِ نواب شستہ ایم

یہاں بھی غزل الدولہ نواب احمد علی خان رئیس فیروزپور رچھڑ کر دہلہ و روستہ ہے۔ ان کا انتقال اکثر برشتہ شاعری میں ہوا تھا جب
 غائب اس سفر میں تھے۔ کلائے پہنچنے کے بعد اپنے برا و دبستی را و در نواب احمد علی خان کے بھتیجے امیر علی علی خان کو لکھتے ہیں کہ
 میر فضل مولیٰ خان نام اسے کاشتم اودا اگر رفت در غم و ماہ بہ مرشد آ دیا ختم۔ در
 خود کشتہ بستے فہرس وجہ ہستہ کر رفت اگر از جاہ گنشتہ فزادہ و لہر ہا و در بین غم و داو
 بہانہ کلائے مرزا فضل بیگ و دیگران پر گفتند۔ آہستہ کہ چرخِ روشنی ایں دُور دای خود
 و مشیتِ جہان و دایہ و تار شدہ
 اس کے منوم ہوا کہ یہ غزل بھی کلائے میں لکھی گئی تھی۔

(۶) مطلع ہے

ایں چہ شہر است کہ از عشق تو در کس دایم
 ذوقِ پروانہ و حسیں مسند دایم
 گلہ رحمت میں اس غزل میں دس شعر ہیں۔ کلیات (۱۱۱) ص ۳۲۱، ۳۲۰۔ (۱۲) ص ۳۰۹ میں یہ دو شعر زیادہ ہیں
 کہنہ کار بخی دایم، انفسِ شعلہ و راست
 شریعہ کثافتِ صفا آتشکدہ انہ بردایم
 ہم زمشا دایہ تا ز تو، بخود ہی پالم
 ریشہ در آب ز آب دایم غلجہ دایم

مطلع اور پہلا شعر ہر جگہ ہے۔ یہ گلہ رحمت کی صورت ہے۔ اس کلیات میں پہلے معرۃ میں عشق کی جگہ عشق اور دوسرے میں عشق
 کی جگہ دکن ہے۔

شعر خاصہ

آں چرا اور تعجب دایم زچہ رہ در طرب است
 قصہ بر غفلتِ وہ و بیش توان گر دایم
 کلیات میں پہلے معرۃ میں تعجب و طرب کو مقدم و موزن کر دیا ہے یعنی
 آں چہ در طرب دایم زچہ رہ در تعجب است

گورہنما کے ذکر و تذکرہ کے مقابلے کی کتاب (۱۱) ص ۳۲۱-۳۲۲۔ ۱۱ ص ۳۲۰-۳۲۱) میں درج ہے۔ گورہنما میں
یہ شرحیں ملتی ہیں

یہ پروردہ شواہد و آثار و دلائل و قیاس کے ساتھ
اس قول کے معنی میں صرف ایک بڑی نصیحت کا اظہار ہے۔ کل رہنما میں شرح ہے
گوہر پر شکایت کہ خدا اپنے سرور پر
اب کلیات میں سورہ انعام کی آیت کی جگہ تاہم ہے یعنی
ماہم و سرسخت کے کہ چکین نشانہ

نیز طبع دوم و تکرار میں یہ سرور پر ان کی جگہ ہے ہر دوں پہلے ہے۔ یہ ہو کتابت ہے، ورنہ یک دوست نہیں۔ شکی
یہ سرور پر ان ہی ہے۔ اس قول کا یہ شرح ہے کہ
ما لذت و مدار و پیغام گر خیم
مرکز ہے شرح آہنگ کے آہنگ سوم کی آہنگ کیلئے۔ دہا اس کا عنوان ہے؟ ورنہ تو یہ ہر آواز
(۸) مطلع ہے

یہ عشق از دور ہمارا ہے نیاز باہر
یہ پوری قول ہے۔ دونوں جگہ اس میں شرحی (۱۱) ص ۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸) میں درج ہے۔
گورہنما میں ہے کہ

یہ صحن میں کہ امت کی قواں گروہ
یہ کچھ صومہ باہر ساز باہر
اب کلیات میں یہ شرحیں ملتی ہیں
یہ صحن میں کہ سرست کی قواں گروہ
یہ صومہ و لذت ساز باہر
یہ صومہ و لذت ساز باہر
یہ صومہ و لذت ساز باہر

(۹) مطلع ہے

از وہم تو گریخت کہ در غم و گیم ما
کل رہنما میں اس کے آٹھ شرحیں اور کلیات (۱۱) ص ۳۵۷-۳۵۸۔ ۱۱ ص ۳۶۵) میں صرف ایک شرح مذکور ہے۔ متن میں کلی
نہیں، شرح ہے کہ

از حد گذشت شملہ دستار و پیشینہ
ہرگز ایسا دانا و دانا یال و دیم ما
ہاں کل ہے مزہ شہ ہے۔

(۱۰) مطلع ہے

آہاں کہ وصل بیا رہی آرزو گشت
باید کہ غریب را بچندارت و او گشت

لے کلیات و شرحاں، ص ۳۶

کلیات (۱۳۹۵ء تا ۱۴۰۲ء) میں اس قوال کے نو شعریں مدحیہ درج تھیں، مگر ایک شعریں
مختصراً اس وقت ہے۔

کلمات معنی آینه در صورتی که به گردن گرفته اند
آنان که گفته اند: بخوابان فکر کنند

آئندہ واقعی بیکار اور معاشی مسئلے کے لیے الفاظ کا یہ نفس دور ہو گیا، اگرچہ شریک کے غور کوئی بہت لمبا نہیں۔
 وہ، مطلع سے، گنج مشہور ایوان الشیوخہ، عجمہ انظر ابرما، زینت و دستار، باہا خدا کو شریک سے لایا

یہ نوزائیدگی ممکن ہے۔ اس میں باوجود خیر اور دونوں ہنگامے ہی ملتے ہیں، دکھایات ۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰ ص ۳۶۶-۳۶۷

۱۲۲۔ مقلد ہے۔ گلابے پر چڑھیں دشمنی دلا گئے۔ دلائی لاما نے ہرکارا رعبیہ جیلاؤ غوری شہم ہر آئینہ
یہ فیضانِ ایلوئیل کیل ہے (دکھات ۱۱) ص ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶۔ سورۃ مقلد کے ہماری فزول دوقوں چل گیا ہے۔
کل رہتا ہی مقلد ہے۔

عقاب : اے خداوندِ آب و ہوا سنگ گزیدہ !
 سے مقرر کر کے کہا تھا ، اب کل کیا مطلق نکلتا ہے
 آجین جی ، اور غصہ سہرا آ رہا ہے

2012

ہیچو مراد دوز کریم بخش نمازگار است تاربخ زہم گستر و پودوس نمازگار است
یہاں تو مشرقی اور ساتویں اور کلمات (۱۵۷ ص ۲۹۱، ۲۹۲ ص ۳۸۹ - ۳۹۰) کے متن میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ کلمات

دل در غم تو ایام به روز جز بهر چه است کار از نیل منگوشد و سودش فانی است

تمام پیشین آرہے سرنامہ و کتابت (ص ۳۲۶ تا ۳۲۷) میں ہے وہاں حضرت قول پانچ فقرے لکھے ہیں۔ مشورہ
مردوں میں ورنہ ہر مثنیٰ کیا ہے سے

چو بزرگ لاله که در گلشن از بهار میزد
تلاش زینت چو بار پسته در باغ آلود
کوهی که جیبش تخته کوهی بهار میزد
تجسّمیت به پاییز گشت کار نوروت
کودل گزارد و در قالیب و دار میزد
بکجا ره دور تو کجایه نیاز میخواست
ناله و ناخود دست گره کش میزد
عصه که خواست قضا طبع ازین چنان میزد
بر دست عقصه کارم به چنگ و گنج میزد
عسل از شوق به عزتای امید میزد
فلسف از شوق به عزتای امید میزد

۱۵۱ مطلق ہے۔ خود رسیدن نشانی از تار جگر دشوار است۔ چہ اہلجام قتلے خود گرفتار است

یہ قول دونوں جگہ۔ اگر دھنا اور کلیات ۱۱ ص ۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷ ص ۳۱۰-۳۱۱ میں ایک سہ ہے۔ دونوں جگہ اس میں گیارہ کبارہ شرحی احادیثیں کو لایا مختلف نہیں۔

۱۵۲ مطلق ہے۔ امشب آتشیں دھن گرم شمرہ خوانی است۔ کویش فراہم و دیکر رشتا کی است

اگر دھنا میں یہ قول مکمل ہے۔ کلیات ۱۵ ص ۲۹۱-۲۹۲ ص ۳۸۵ میں ایک سہ ہے۔ شرح میں امشب پانی کی۔ دھن و شمرہ میں کہ اختلاف ہے۔

گرم دھنا ہے

۱۵۳ دم از مرغا کم، شروع ہفت بکر مشق سے تو وعدے تو با میں چہ بگانی است

کلیات میں دوسرے مصرع کی شکل یوں ہے ۶

ہاں دھنا، غدا تو میں! میں چہ بگانی است

گرم دھنا ہے

۱۵۴ با عدو عکبے، و ز منق حجابے۔ وہ، چہ دل را با کی است، میں چہ جاں ستا کی است

کلیات میں مصرع آئی میں ہاں ستا کی کہ جگہ سخت ہاں بنا دیا ہے

۱۵۵ مطلق ہے۔ زگرلو گشت خود دل بگوش آمد۔ دستا دی تخت سینہ و درخوش آمد

یہ قول بھی مکمل ہے۔ دونوں جگہ دس ہی شرحی کلیات ۱۱ ص ۲۲۵-۲۲۶ ص ۳۲۱-۳۲۲ میں اس کے سولے کوفہ فرق ہیں، اگر دھنا میں ایک شرحی دوکان علیہ اللہ کلیات میں بھی فقرہ کان علیہ ہے۔

۱۵۶ مطلق ہے۔ طاق شرفاقت و محنت بر کران غلام شدت۔ ہرمان شہر، در نہ بر خود ہرمان غلام شدت

یہ بھی مکمل قول ہے۔ دھنا جگہ دس دس شرحی کلیات ۱۱ ص ۳۳۵ ص ۴۲۱-۴۲۲ ص ۵۰۷ دونوں شرحوں کے مستوی الہذ خفیت سا اختلاف فریب ہے۔

۱۵۷ گرم دھنا ہے۔ نگر مانی ہانے نازک بکری کا پدرا۔ سنا بھر انارٹے ماسے سیاں غلام شدت

کلیات میں پہلے مصرع یوں علیہ ہے ۶

بیکو نگر مانی نازک بکری کا پدرا

یہ پہلے ۱۱ ب شرح دیا ہو گیا۔ پہلے مصرع میں ثنائت اور تہذیب تھی

۱۵۸ دھنا ہے۔ غمزدن ہرگز در آتش سوخت، آتش می شود۔ موم ز شوق لب، چندان کہ جاں غلام شدت

کلیات میں دوسرے مصرع میں شوق کی جگہ دوق ہے۔

اگر دھنا میں اس قول کا مطلق ہے ۵

۱۵۹ لاشہ در قوم جرموں، قاتلہ! مدافعا کی دود۔ دیکھ اگر نیست، راحت را غلام خود شدت

اس وقت کلیات میں مصرعہ اعلا میں در دم کی جگہ در قوم ہے۔ میرے خیال میں در دم بہتر تھا۔ وہ دیکھ لاشہ میں تو ایک بات بھی تھی

یہ نظم کی نسبت کیا ہوتی ہے ؟

۱۹۱۱ء مطلع سے خوش بود، قاصد زیند کفر و ایمان زیست

حیث کا فر مروت و آدش مسماں زیست

گل رعنا حد کلیات ۱۹۱۱ء ۳۳۸-۳۳۹ (۲۰) ص ۵۰۹، دونوں جگہ شروں کی تمنا و گیارہویں ہے، لیکن اس کی نقلی اختلافات

گل رعنا سے

تا پیر ما زانور تپ ایما پردہ پنہاں کردہ اند
مرگ کھوتی بود، کا و راز غنواں زیست

کلیات میں معرکہ ثانی ہے ۶

مرگ کھوتی بود، اکوہ است غنواں زیست

گل رعنا میں معرکہ منہی ہے، اس کا تپ ہر گاہ

گل رعنا میں شرف خاص

نیست گریزم نشاط، ایمان بیا بان گردن

قاصد کو پہا تو، ناہنگ مرغواں زیست

خانہ معرکہ ثانی میں، ناہنگ مرغواں کی نسبت ہے۔ اس کی جگہ ہے ہنگ مرغواں

۱۹۱۱ء دہلی، اسی صورت کا ایک شعر ہے

ایک ہنگے پہ سرفراز ہے مگر کی روئی

نورم غم جی سہی، لغز ستار دی زہی

لیکن کیا اندیش یہ شعر سے طعن کیا کر یا اس کی جگہ مندرجہ ذیل شرفاں فرما کیا گیا ہے

دیر گر و دش سواد خلعت و لہذاست پایت

قاصد انار پرین و خاقل زینداں زیست

مطلع ہے

غائب! از بندستان گریز، اوست طاعت

در بخت مردن خوش است و در غلامان زیست

اس سے خیال ہو سکے کہ یہ فرال کی اس شکل کے کیا دکان ہے۔

۲۰۰ء مطلع سے تا نیم دود و شکایت زبیاں بر خیزد

بیت آتش کی شہیدان زبیاں بر خیزد

یہ ممکن فرما ہے، گل رعنا میں گیارہ شعر ہیں اور کلیات میں بھی گیارہ (۱۹۱۱ء ۳۳۱-۳۳۲ (۲۰) ص ۳۲۰)

یہ فرال یقیناً کلاں میں لکھی گئی تھی اس کے ایک شعر میں بھی وہاں ملا ہے، اس میں بھی ملا تھا، شعر ہے

بزدلے از عالم و از ہمہ عالم بیشم

انجھ مومے کہ بتاں راز میاں بر خیزد

پچھلے معرکہ میں اعتراف تھا کہ بحسب اجتہاد فقہین، ہر عالم کی ترکیب غلط ہے کہ عالم مفرد ہے اور ہر جہے۔

گل رعنا میں شعر ہے

دینار راز قہر و دوزخ جسا دہ سال

فوق بہار نیست کو دریم خستہاں بر خیزد

کلیات میں سال کی جگہ خس بنا دیا ہے۔ یہ بہتر ہے

گل رعنا سے کشتہ و موی پیدائی فوریس اند ہے

دلت گریہ و الزی راز نہاں بر خیزد

کلیات میں طویش اور کی جگہ "تو لیسلم" ہے۔ یہ بھی فرق ہے۔
گل رشت نام

ہمدرد ! از خود و خاتم پرست و آئندہ
بہش ، نامخت میں از خواب گراں بخت
بہ شک گل بعدا دلے شری کہنے میں بات نہیں تھی ، دونوں معرہ ہی دونوں۔ لیکن یہ نیا شعر بھی کسی طرح اس سے بچ نہیں۔
اس فرق کا یہ شعلہ بہت مشکل ہے

گرد ہم مشرب ستم ہائے حریفان ' خائب !
رہم امید ہرانا جہان بر حصیر

اس میں اپنے بطل کے حالات کی طرف اشارہ کیا ہے ، امداد بھی اس بعد ال ہے کہ یہ غزل کلمت میں لگی تھی۔

۱۲۱۱ مطلق ہے ، بہ شعلہ اشتیاق و روشاں و طویش شب
سریا یہ نظر شد دست کیسے کوکب !
یہ پوری غزل تو شرک ہے ، میں طرح کلیات میں لکھتا ہے (۱۱۱ ص ۲۵۱-۲۵۲) ۳۶۰-۳۶۱ ، گد رشت میں مود و شری۔

یہ تین شعر کلیات میں لایا ہے

خوشا ہے رنگی دل ، دوست کا و شوق رنادر
نئی ہالہ کویش اس قند از طر خان مشرب لم
خوشا رنوی وچ شائندہ مود و مشرب بطویش
بہ لب شعلہ چہ میری و درساستان شرب !
تو کسے پنداری دعائی کہ جاں بردم انھی دانی
کہ آتش دہنا دم آب شادان گری تب !
گل رشت نامی شعر خاص

بہ خلوت خانہ کام ہنگ آتا ز دم خود را
بستوہ آید دل از ہنگ منہ غم طے مطلب !
کلیات میں معرہ اولی میں "آ" کی جگہ "ا" لکھی ہے۔ گل رشت نامی خانہ کام کا حصہ ہے۔
دوسرا شعر خاص

نادر و من از مشاغل ہائے غم و شغل
پردہ بند ہونا اسبیل خط و رقم لب !
اب پہلے معرہ کی شکل یہ ہے

نادر و من در ہر حال از مشاغل غفلت

اس سے قناعت تو دوسری لکھی ہے ہر حال اس کی گٹا ہے۔

مرتب ہے شعر نام پہلے اسدوی میں لکھا تھا

کہ ہے صوفیاں پر وہی مشاغل ہی
کہ ہے تو ہندی خط ہنر خط دور چ لب !
اسی طرح اس غزل میں دو شعر دہی ، ایک تو مندرجہ اسد مطلق اسد ایک یہ شعر ہے

کہ گد رنگر تعمیر خرابی ہائے اگر دوی
نیا : نشت گل باختران یہ لب ز قابل !
ان دونوں شعر کے ساتھ پانچویں شعر تہذیب (۱۱۱ ص ۲۵۱) میں یہ شعر لکھی ہے

بہ شعلہ اشتیاق و روشاں و طویش شب
مرزا بہ رنگے دستہ قہقہہ کوکب !

کے کہ تم کو غیر فراموش ہے دل گردوں نہ بچے نشت مثل استخوان ہر وقت تائب
 معلوم ہو چکے کہ جب انھوں نے ان چیزوں کے اردو کا ہے غارت کوئے کا نہیں کیا، تو بڑے لگاؤ کے انھیں اپنے تازی گاہیں
 مثال کے لیے

(۲۲) مطلع سے : خوش وقت، صبر کے برآمد ہو سسرا مشہور روزی تحقیق مسیر گل قفسر
 کلیات (۱۱) ص ۲۹۰-۲۹۱، ۱۲۶ ص ۳۹۷، ۱۱۱ ص ۳۹۷، ۱۱۱ ص ۳۹۷، ۱۱۱ ص ۳۹۷
 آواز کا شریعہ از سر تصور بلند است از شب روی باست مشکوٰۃ مسرود
 حواشی بحث کو نہ اندر کلا ہے پر غولیش فشا نند گدا از نفس با
 ہر جا رہم شکست دہا در وہ سر خوش در جہد پروصفتی شغل ہر سسرا
 با سسرا کہ دنیا سبایہ در سر چشمہ گزاید یا مان عزیز اندر گزشتہ ز بسرا
 انکار کے تحت وقت دو چلے ہے، گل رشتا شہ ہے
 وقت است کہ خوش جگر از نال بکشد چندان کہ چکد از مشرہ داد سسرا
 چلے صبر سے تازگی بگ، تازہ کر دیا ہے، دوسرے شعر ہے
 در دہر فرد رشتہ نشت استخوان ہر بر وقت نشت است مانا گسرا
 دوسرے صبر بلکہ ہیں بنا دیا ہے

بر قسط، نہ پر شہد، لہذا گسرا

دولت، اصلاحیں، ملک، ہی اور دولوں بگات سے غفلت میں مبتلا ہو چکے، معلوم ہو چکے کہ یہ شہ کی تختی اور تختی کی کھلی
 مرزا کو پہنچے تھی۔ اسے ایک اردو خط بھی لکھا ہے۔ جب مرزا حاتم علی بیگ تھرا کی راوی کا مشکوٰۃ چنگا جان کا انتقال ہوا ہے، تو مرزا
 نے انھیں قزاق کاغذ لکھا۔ اس پر جب دوبارہ ہفتہ جزیع قزاق کا تھا لکھا، تو انھیں لکھ کر دیا۔

مرقا عتاب! ہم کو یہ اتھو بند نہیں۔ پینسٹریس کی طرح یہ پچاس برس عالم رنگ و رنگ و رنگ و رنگ
 کی۔ ابتدائے مشابہ میں ایک مرزا کا لے یہ نصیحت کی کہ ہم کو نہ بدودع مشورہ نہیں، ہم اپنے فتنہ و
 فتنہ نہیں، یہی مرزا اشد، اگر تاد کو کو کو کو کی مکتبہ شہ کی مکتبہ دیو، سویرا اس نصیحت
 پہلے دیا ہے۔ اس کے سونے کا فم دو کرے، جو آپ نہ مرے؟

(۲۳) مطلع سے : از کست اگر ساختہ پر ساختہ ما کزے نور و مطلب ہے ساختہ ما
 گل رخسار سات شری یعنی کلیات سے (۱۱) ص ۲۵۹-۲۶۰، ۱۲۶ ص ۳۹۷، ۱۱۱ ص ۳۹۷، ۱۱۱ ص ۳۹۷
 در عشق تو بریاست دیت اہل نفس ہر اہلے تو یقیناً بنسب ال آفتہ ما
 بدیم فکر از تو بر دل زدو باز اسے دیدہ: تاجا زشی دق، خواہنا

نفتق ہائے رنگ و رنگ

انتخاب کلام فارسی

میرزا غلام نے غازی میرزا پر اپنی گفتگو اپنے رنگ رنگ بچھ پھیندے، بلند راہروں کو کہہ دیا کہ "میں تم کو اپنا بیٹا سمجھتا ہوں، لیکن یہ میرے دل کی آواز نہیں، بلکہ غریب مادیوں کی آواز ہے، میرا رنگ تو میری طبیعت کا آئینہ ہے۔" یہ محسوس ہے کہ میرزا غازی نے اس آواز کو ان کی حقیقت جیسے اور تو سمجھنے کیلئے غلام صاحب حقیقتاً غریب و شاعرانہ کو تیرہ رنگ بچھتے تھے۔ حالانکہ غازی صاحب نے اسے ایک غازی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

جوتے کے درخت کو حکم رنگ دے گی غصہ نہ آپ ایک ہارٹھو کے اے رنگوں

اس نے خواب کو کم خواہار و دور خواہ قرار میں مگر غلط گزشتہ رہا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ فارسی و عربی کا بھی اگر خواب ہی طرح انتخاب کرتے جس طرح اردو و دیوان کا انتخاب کیا تھا تو شاید ایسے چند اشتباہ بھی باقی نہ رہتے جن میں مضامین کی گمراہ نظر آتی ہے جو عربی و فارسی کے لئے نہیں۔

جہاں صاحب نے دیوان فارسی سے انتخاب کی فراوانی کی اس سلسلے کے لئے عربی میں وہ دیکھتے ہیں کوئی چادر چلے اشتباہ کا سامنا بھی کرنا تھا۔

انتخاب بھی کرتا اور نقل بھی کرتا۔ اساتذہ ہی مصنفات پہلی پابندی مایہ گردانی، نتیجہ ہرگز نہ وہاری خیال کو نہ اس لئے غلط نہیں جہاں صاحب سے اس سے غروم ہو گیا۔ یہ صرف اس سلسلے میں غلطی تھی کہ اساتذہ نے وہی نہیں دیکھا کہ اساتذہ ہی مغل جاتے۔

ہر حال میں امت کو کہہ دیا کہ یہ ہے شیخ کا ہاؤس۔ اگرچہ اس میں خلک نہیں کہیں پانچ سو روپے کے باعث بچے بہت سے ایسے خستہ درگ کرتے ہوئے جن میں آج کل میں لینا پاتا تھا۔ مگر تو ہی بعض غلو روپے سے ہاتھ جو سات یا دوا دوا شہر کے مرق و قیو، شہر کے کھانا ناچ، پھر لوگوں نے اس فکر سے آج کل میں ایسے شہر کے ہیں جو سے قابل کے دل دوا کے معاملات کھلتے اور ان کی زندگی جو دوشی شہر ہے۔ جس کے تھوڑے اور انکار کا اعزاز ہو کہ ہے۔ ان کی شہر میں اور ان کے شہر میں مسکراتی ہیں۔

ان اشعار میں ان کی کیا آہیں بھی ہیں اور آواز کسویں بھی۔ منگوا پہنچیں بھی ہیں اور نہ منے بھی۔ آواز دیکھیں اور نہ سناں بھی ہیں۔ مسرتیں اور اوجوہیں بھی۔ تنگوائیں بھی ہیں اور شکایتیں بھی۔ مسرتوں کے چھوٹ بھی ہیں اور نہ کھوٹ کے کاٹنے بھی۔ غرض ان اشعار میں یہ غلیظ شاعر اور ہلکے منتہا ہوتا۔ اور کبھی جہتے، کبھی اپنے آپ سے، کبھی غلام حکمرانوں اور کبھی انی مجبور سے غنا طبع نظر آتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اس اشعار کا مطالعہ غالب کی شاعری اور ترجمہ کی بے خوف نگاہوں کی طرف توجہ دانے میں ناکام نہ رہے گا۔ اور
 بعض اشعار تو قیفاً انصوحاں ہو گئی کہ حضور نے غالب کے فارسی کلام کا مطالعہ نہیں کیا ہے، اگرچہ وہی سمجھے۔

غالب نے ۱۹۱۹ء میں اپنے اردو ادبی کلام کا خود بھی ایک مختصر انتخاب کیا تھا جسے عرضی مرامیت شائع کر دیا ہے۔ لیکن میں نے — وہ سن جو جو دہرے کے باوجود — انتخاب کرتے وقت نظر انداز کر دیا کیونکہ غالب کا مقصد اردو کا انداز میرا مقصد اور —

مجھے خصوصاً یہ کہانی - کائناتِ زمانی کے باعث میں نے قصباتِ مقطعات، ادبیات اور مشنوں میں سے اختصار منتخب کیا ہے کہ

"گلخانے خزانہ کے تاج پر میں اشعر کرتی کہنے ای امتحانِ سخن میں نہ راہ و مستقیم" جو کہی ہیں اور غالب کے ان دو مستوی سے کہ اختصار

نما کہہ بھی اٹھا ہے۔

خدا به غالب سپارد تا نگردد دل و دهنش
 نیکسود و عند سبب خاصه تو آیین تو را

براعت شادام آفاقین خجالت چو بر دل آیم
 که دشکم و دهم انگشت غلظت آراهم گاهان را

خاک خوشی مانگشت به آموزستان را
 زین پیش و گزشت اثری بود و فغان را
 منت کشش تاثیر و منایم که آتش
 این شیشه میان ساخت عیار و دگران را
 در طبع بهار این همه است غفل از بصیرت
 گوئی که دل از بیم تو خوں گشته خزان را

حال ما از غیری پرس و منت می بریم
 عیش و نعم در دل نمی است خوشا آذوقه
 ماهی سگرم پروازیم فیض اندام بخور
 داده و خوشتاب یکسانست در قربال ما
 جان غالب نامب گفتاری گاهان داری هنوز
 سایه بچرخ دود بالای رود از پهل ما
 سخت بیدری می کردی پرس و زما احوال ما

گر بیانی مست ناگه از در گلزار ما
 گل زبایدن رسد تا گزشت دستار ما
 و عشق و در طایع کاشانه مادیه است
 می بود چون رنگ از رخ سایه دیوار ما
 گوشه گیرانیم و جو پاس ناموسین غویم
 آبروی ما گداز جوهر رختار ما
 سخت جانیم و قماش خاطر ما تا نگرت
 کارگاه همیشه پنداری بود کسار ما
 میفرایید در سخن رنجی که بر دل می رسد
 طوطی آئینه مای شود زنگار ما
 سرگزانیم از وفا و دشر ساریم از جفا
 آمد از ناکامی سستی تو در آزار ما
 مکن تا زود اواچسندین دلی بتان و جانم هم
 دما را تا کب تا بر نمی تابد قضا ما را
 سبب آتش اذنا سر دنگان چون شمع تصویرم
 فریب عشق بازی می دهم اهل تماشا را

سخن ما از لطافت نه چو بر و تحسیر
 نشود گردن سایان درم تو حسن ما
 ما بخودیم بدین مرتبه را ضی غالب
 طغری و طواشش کی که که گرد و غن ما

بایندۀ خود این ہر سختی غمی گشتند
خود را بزدل با قوم مگر بست ایم ما
بر رویے حاسدان در دوزخ گشودہ اند
از ہر خویش جنت در بست ایم ما

دو گرد و عشریت آیندہ دار خود ایم ما
یعنی زبیکسانی دیا بر خود ایم ما
از بسکہ خاطر ہوس گل عزیز بود
خون گشتہ ایم دباغ و بہار خود ایم ما
ما جلد وقت خویش و دل ما زنا پرست
گوی بجوم حسرت کار خود ایم ما
مشتبہ غبار ماست پر آگندہ سوسو
یار بہ دہر در چہ شمسای خود ایم ما
در کار ماست نالہ و ما در ہوا کی لو
پردانہ چہ راغ مزار خود ایم ما

دل یا یوس را قسیمی ہم روی می توان آؤ
چہ امیدست آخر غم و الیاس و میسار
خلفی بر حسن عالم کشیدیم از غم و بشتن
ز خود رفیقیم و ہم با خویشستن بر دیم دنیا را
ازیں بیگانی ہمای ترا و آشنائی با
حیای در زد و دہدہ رسوائی گشتہ ما را
حذر از زہر بر سینہ آسودگان غالب
چہ منتہا کہ بر دل نیست جانی تا شکیبہ را

پس از کشتن غم ایم ویدنا زم بدگمانی را
بخود بچکہ ہے دی غلط کردم متلافی ما
دلہ پر رخ تابرداری گشتہ با و می سوزد
خدا و نما بیامرز آن مشبہ امتحانی را
درین از حسرت دیدار ورنہ ہائے آن دارڈ
کہ بہ رویت بدشن دادہ با شمع زندگانی را
بیافش جان فشاندن شرمسام کردیم دلم
کہ داندار زخی نمود متاراج را نہ گمانی را

آشنایانہ کشد غبار بہت دامن ما
گوی این بود ازیں پیش ہم ہر ابن ما
سایہ چشمہ دھوا دیم عیش دارڈ
اگر اندیشہ منزل نہ بود در ہزن ما

غالب چو عکس شخص در آیندہ خیال
طو در خویشتن کی و دو چار خود ایم ما

منامم را بغاوت داده اندازاروانی با	نیستم لغات وند و سزین به نیامکین
ز ننگ زاهدانم به کار مجبورین	سخن کوزه مردم دل به ققوی بالست اما
بدار الملک معنی می کنم فرمان روانی با	فرخیم هر بصورت از گدایان برده ام غالب
فریادش که گرمی توان فریفت مرا	من آن نیم که گرمی توان فریفت مرا
به نیم جنبش سرمی توان فریفت مرا	ز درد دل که باستان در میان آید
به آرزوی خبری توان فریفت مرا	دانا نادان نام بر خوشم که هنوز
به گفتگوئی سرمی توان فریفت مرا	شب فراق نمار و محرومی یک چند
بهانه جوئی باش دستیزه کاریا	دمن گرت نبود داده انتظاریا
عنان گیسو تراز باد و زبهاریا	هلاک شیوه تمکین خزانه مستان را
یکه عهد وفا نیست استواریا	ز ما گشتی و با دیگران فرو بس
هزار بار برود صد هزار باریا	دو ابرو وصل جدا گانه لذتی دارد
یکه به پیش جان امیدواریا	فریب خورده نازم چنانی خواهم
دشک گفته اردو که گویم نام را	چون به کاسد بسرم پینام را
که چراغی تابویم شام را	گشت و تاریکی روزم نهان
من به سستی بسته ام ابرو را	بیگشتم پیر در ازمین مرغ
گرمی است گداز پین پیشانی مرا	تشنه لب بر ساحل دریا نیفت حال دم
چون قطره در روانی دریا گیم ما	پنهان به عالم زمین عیانم
بموج باقه مانده بر قشع مز ارسا	بنزد از مستی چشم قوی بال قشاشکی
گداز جو بر سستی ست غالب آیار ما	نهالی شمع را با ابدیت از کابینت این جا
بشدود نخستین سبیل نفس ما	خوش وقت اسیری که برآید بر سر ما
آتش بر دارد به پیش نفس ما	حیرت زده جلوه نیرنگ خسیایم
چون گرد و فروخت صدا از جر ما	طلوع سفر شوق چه برسی گدیی راه
یک باره فراموشی که استیلا کس ما	خوشدلی غالب نبودن بر گفتن
مراخت غلب داده انصاف باران را	برخیم غالب از ذوق سخن بودی لودوی

ز کب تشنگی جان را نوزید آرزو چشم
 و داری شب چراغ زمرگ زشت بیا
 حشر مشتاقان جان بر صورت مرگان بود
 شوخی که خود ز نام و نشانک داشتی
 غالب ز عاشقی به ندی رسیده ام
 سوز ز بسکه تاب جانش نقاب را
 آید چشم بدشمن زوره آنتاب
 غالب بر دم از هر دو لیم که تو کس
 اے لذت جلالت تو در غالب بدیدم
 عیان نازده حرام کده ساقی بخیز
 به چراغی ز رسیدیم درین تیره سزا
 داده بر تشنگی خویش گمراهی غالب
 جهان را خاص و عامیت آن سفورای طو
 نگرم تازه دارم مشهور با دو بیابان را
 آسوده با دوا طر غالب که غنی است
 چنان گشت بزم از جلوه ساقی که پنداری
 مکتب بطور لب تشنه بوس و کنا ستم
 بختلوت مزه نوزیدی یار است پهلورا
 جهان از بادیه و شا بدراں ناز که بندگی
 بے خطر از خودی بآب به انا انقسم کلا

عالم آئینه ما ز دست چه پیدا چندان
 غم افسردیم وقت کائن اے شوق
 دارغ ناکامی حسرت بود آئینه وصل
 تاب اندیشم ندری به نگاهی در یاب
 نقسم راه به پراشانی مای در یاب
 شب روشن طلیح روز سیاهی در یاب

فرست از کف مده وقت غنیمت پندار	نیمت گریج بهاری شب ای دیاب
مشغله دامدوسن منتقد خوشه دیم	شوتم از رخخوش او اگر بغیراید چه عجب
کار با مطهره زهره نهادهای دام	گر نیم ناله به بخار سراید چه عجب
جنون مکی به حوائج تخریب مانده است امشب	نگر در چشمم وایم در جگر دامانده است امشب
بدوقت و عده سامان در شلای کرده پندام	دخترش گل بدمت آتشم بنشانده است امشب
بقدریشام بجزش دمازی باو عرض را	نگ نیر از کاکب سجد باو گردانده است امشب
بخوانم می رسد بد قبا صا کرده از دست	ندام عشق من برصه پافسوز خوانده است امشب
عزیزت گوی میرم و مردن تو تمام	در کف و بیداد تو فرزان قضایت
جنت نکند چاره انسو و گدل	تعمیر با ندانده دیرانی نایت
آن هم از ادگی وین همه دلدادگی	حیف که غائب در غریبش به خیر انداده است
مست و درخ کشاده به گزازی دود	خود در دل بهان تاثیر آه کیست
به خود بوقت فدا بپیدن گناه من	دانستم و شتر تیر زد کردن گناه کیست
در تالم از خیالی کرد دل جلوه گاه کیست	دام زانتظار که چشمش برده کیست
عالم تو دشکایت عشق اینجه ما بر است	باری بمن بگو که دلت داد خواه کیست
سختی رنگ تو از عشق خوش تماشا نیست	بهار و بهر به ریختن خسروان تو نیست
نغم و شرفش شودش انگیزی گوی باید بخوار	ایکدی برسی که غائب در سخن بیکناست است
ایکدی گوی تخیل گاه نازش و دوش نیست	مهرش از حسن و فوق تماشا نشست
به تکلف و در عالمی که با ذیم باست	تو دریا سبیل و دوتی دنیا نشست
پاک ضم مرد و زنهارا نهی شرفان	در شرفیت باو در آید آب و درون نشست
بیا که فصل بهار است دگل به ممکن چین	کشفاده رفته از شاهان با ناز است
نگاه خیره مخداز پر تو رخس غائب	تو گوی آید ما سراب ویدا است
ز وضع روزی و بهاری توان دانست	که چشم عکله ما برده سبیل است
نادم نگه سبهم که دهاز میاں بود	زاسان که نمود از چشمش سافز دانست
غائب سخن از بند بری بر کس انجا	سنگ از گهر و شهیده ز انجا ز دانست

ہر فردہ محو جہلولہ من یگا نہایت
 گویا کسم شش جہت آئینہ خانہ است
 تا پیا رہا کتبائل صیادہ ششم
 پنکاشتم کہ حلقہ دام آسپا نہایت
 غائب و گریز مشاوار آوارگی چرس
 کفتم کہ جد را ہوس آستانہ است
 جاہ از علم بے غیر علم نہ جاہ بے نیاز
 ہم تک تو زندگی ہم در من تک خواست
 رعد ہزار کیچیدہ را طاعت حق گراں بہاد
 داد از قفلی کہ بہ گزشت نمی رسد
 آہ از قوقی کہ در جوش نہانہ است
 غائب نہای بریدہ و آگندہ گوش نیست
 اما سارگفت و سخن درش نہانہ است
 غائب من تھا کہ سرانجام بر نکال
 غیر از خراب و این درین آب و تہ نہایت
 چند گیس بکند و کشش شکست بر طوت
 دیدہ ام دلمان غائب اتھا لہایش نیست
 باہاں زمین خود ہما با خود از وجہ دوی
 و دیات باو غائب باو غائب مانا است
 از جلوہ ہنگام شکبا نہ توان شد
 لب تشنہ دیدار قرا غلغلہ سرا بہت
 نہ سہ اخافت پر واز سہا بر ہمار
 کہ ہرچہ در دل اوست از زمین پیدا است
 ہما و نرم در شیرین سخن غائب
 لبان موم نا جز می انگبیں پیدا است
 شہا کند دروی تو در پودہ ضیا
 سرکار گمانی خویشید ہر وہ است
 ہر گز نہ حسرت کہ نہایام می کشیم
 در و تہ پالہ اتید ہر وہ است
 یا در ہمدیش شہا ہم بہ کار آمد و رفت
 ہم چ عید سے کہ دوا کام بہا و آمد و رفت
 مشاوی و غم ہمہ گزشتہ قرائک و گرانہ
 روز روشن بہ وقوع مشہ تا آمد و رفت
 اخروی خوش تر از زمین بہاں می بایست
 فرو بہر سرا بخشت جوان می بایست
 بزمینہ کہ بہ آہنگ حسرتل بشینم
 خاک کلبوی و ہوا مشک نشان می بایست
 از لرگ آمد و در ہجر فراوان شدہ است
 جرمہ را وین عوض آید کہ ارکان شدہ است
 غائب اشدہ سر و شش است کہ از دست قرب
 ہم ہاں وی کہ آمدہ غزل خواں شدہ است
 شکندہ کہ نہ تشنہ نہ سوخت ایمانیم
 ہم ہاں وی کہ آمدہ غزل خواں شدہ است
 مرا و میدان گل دستان گفتہ امروند
 ہم ہاں وی کہ آمدہ غزل خواں شدہ است
 ز گل فرو کش نہ نام کہرا بل با قرامت
 ہم ہاں وی کہ آمدہ غزل خواں شدہ است
 تہاک گری رفتار با غب نام سوخت
 ہم ہاں وی کہ آمدہ غزل خواں شدہ است

نفس گداختگی با من شوق مانادم
 چه مشجب بسرا پرده بیام سوخت
 منم پیام غایب ریده است از دوست
 شکسته دلی با مان مان دادم سوخت
 گفتم برو که گاو سگ خود چون بس است
 گفتند اندر می که تو رفتی سخن بسی است
 چه صبح من در سیاسی بشام با نداشت
 بگذریم که از شب چند رفت یا چند است
 وجود او همه من است و بسیم همه عشق
 بر بخت دشمن دانهال دوست سرگذاست
 دل بر من ازین شیوه عیافت و عیالیت
 فانی که مرا بر تو گمانست و گمان نیست
 در شام بود موسیقی کل از خوشبختی بهمان
 چو با ده به میان که نباشت و نهان نیست
 دل برد و حق آنست که دلبر نتوان گفت
 بیدا و توان دید که سنگر نتوان گفت
 آن دانه که در سینه نهانست نه و عیافت
 بر دار توان گفت و بر منزه توان گفت
 کاری عجب انستاد بدی شیفته مارا
 مومن نه بود عیافت و کار نتوان گفت
 بود محال و شب تار و بحر توان بفر
 گستره بگر گشتی و نا خدا خفت
 بهین ز دور و بخوبی که منظر را
 در هیچ باز و در دانهال و دبا خفت
 برای خلق من هر که بمنگر و دانه
 که میر قاضی در کار و انسر خفت
 و اگر دانی راه و قرب که چه حظ
 مرا که ناله در رفتار و انسر خفت
 شمع حرم و گدا پلاس برید
 آنچه من قطن کرده ام، نکوست
 نفس و دام را حنا ای نیست
 ریختن و دانهال و بال و پاست
 ریزد آن برگ و این گل افشانند
 هم خزان هم بهار در گذر است
 شرف آب نبود و جی و رنگو نیم دلی
 قهر ویز و ان نتوان گفت که اهای بست
 لطافت پیشکوه از بوس و چشم از من
 خورم چنانکه از دستم به قیاس نیست
 با من که عاشق سخن از عک نام نیست
 در امر خاص محبت و ستود عام نیست
 با دوست هر که با ده بخلوت نمودم
 دانه که خود و کفر و دانه اسلام چیست
 در روز تیره از شب تا بهم نماندیم
 چرب و بیخ نیست عید چه شد هم که شام چیست
 گفتی قفس فرخش است توان از در کشود
 باری علان خستگی بند دام چیست
 غالب اگر نه خود و صحت بهم فروخت
 بارسد چنانکه خورشید نه لا و دام چیست
 برسد چنانکه خورشید نه لا و دام چیست

خود را بستاند ای پندشیم زین سپهر	درما و عشق جماعه و دیگر کیم طریق
آئین بر مین به نهایت رسانده ایم	غالب بیا کر شیوه آذر کیم طریق
قد سخن کار بر عیاس گمن	قرش گرد و ترش ز تیغ تیغ
قامد من بیا به مرده و من	هم چنان در شماره فرج
بن گمراهی و دو فاج که سوده بر منم	بستگ هر که دهد دل به غره چون ندید
شباب و زهد چنان قدر دانی بهیست	با بجانو بجانان با رسا بیزد
ز کسکه پانده پا انتم و کنم فریاد	بدان و بدین که داند نامهای افتاد
می دیدم بخنده جارم کماست له خدا	آب و هوسه اس فضا کسکه گویا دای وید
دل اسباب طلب گم گرفته در جلد غم نا نا شد	زماعت گاه و چنان می خورد چو باغ ویران شد
جنون کردیم و بخیزد شهر و گشتیم از غروندی	برون دادیم باز غم بخواهی که چنان شد
فرغت برست به بر دل مشکل پسند من	ز و مشغولی بجهان می افتد کار می کسان شد
ز امر مست این جنگه در بستگر شود بهستی ما	قیامت می و دعا ز پرده خاک که آسان شد
خسار ما به بتان گرد و دش گردیدنی داد	در یغایا بر دهنه و دیگر غاب سلسا شد
دایتم به تو زین رنگ ز کشتیم عهد	جان فدای تو میا که تو حیا می آید
بجوشش ورق رنگ و باخت رویت	گل از نازکی تاب شبنم ندارد
گفت را تو از گشت ما قمار شایا	تو دای بهاری که عالم ندارد
مژده ببح درین قیسره ست با نفاوند	شیخ گشته و ز خود رشید نشاتم دادند
سوغت آتشکده ز آتش نفسم بخشدند	ریخت بت خانه بنا قوس فغانم دادند
گهرا دایمت مشایان عجم پریدند	بعوض خانه گنجینه نشاتم دادند
گوهر آفتاب گسسته و بدانش بستند	هر چه بدو به پیدای نهاتم دادند
هم ز آغ از بخت خورستم خائب	طایع از قوس دشمنان را از مرغانم دادند
جزوی از عالم و از همه عالم بشیم	ز چو موس که بتان و از میان بریزد
گردیم شریک ستمخانه عزیزان غالب	دسم امید همانا ز جهان بریزد
برجم زدن کارین آسان ترا داشت	کوباد سحر طره ستمشاد بچند

فائب غفلت پر وہ کشائے دم عیسیٰ ست	چوں بید و دشمن طرے خدا داد بچند
مقصود ما ز در و حرم جسو حبیب نیست	بر جا کنیم سجدہ ہاں استان رسد
گم شد نشان میں چہ و سیم ہ کجا وہ	باشند آن صدا کہ بگوشش گراں رسد
در دام ہمدردانہ نیغتم مگر قفس	چندان کنی بلند کہ تا آشیای رسد
چوں نیست تاب برق تجسّی طبعی ما	کے در سخن پہ فائب آتش بیان رسد
دل از تو بود و تو پہ انام ماندا	بر وہی غنمت آنچہ زمینش شود بود
قطع پیام کردی و دانستم آشفت	دل از تو بروی و دلم نا صبور بود
پرس و رسوا و سفید باغ آب	سخن پہ مرگ سخن رس، سیاہ پیش آمد
ز بس کز لالہ و گل حسرت تا ز تو جوشد	خیابان محشر دہشت توں گزیدہ ما ماند
فائب ز غریزان وطن پرده امانا	آوارگی از فرد صابم بدر آمد
آلودہ ریاض نقار بود فایضا	پاست خرقہ ز پیرے شست و شو کند
آئینہ خستہ از دست خیارم نہ اختیار	ادبانی پست پہ تماشا چہ می رسد
ہفت آسمان بگردش و ما دمیادیم	فائب و کر پرس کہ بر پا چہ می رسد
چہ عیش از دودہ چوں با در عنوان می آید	نبوئی گفت می آیم کہ میدانم نمی آید
وہیم . مشاعرہم ندیم شیوا دام	گرفتہ رحم پرسترا و دافنام نمی آید
کفر و دیہیت جز آتش چند او جود	پاک شود پاک کہ ہم کفر تو دین تو شود
خشک و تر سوزنی این حد تا خداداد	عشق یک رنگ کن ہندہ و آنا د آمد
دید پر یختہ دار قفس کو و آنا د	رحم و لطیف عالم ستم از بجا د آمد
دشمن کز گردش بختم گزیرے تو بود	چشم سوتے فلک دودے متنو سوتے تو بود
شب چہ دانی ز تو در بزم بختی چو گشت	خامر بر صد شیشی کہ پہ پلوسے تو بود
خدا ما از نفس شعلہ فشان می سویم	تا خدا شد حریفان کہ سر کوسے تو بود
پیمانہ برادران دست کہ فائب	در بخوئی انانہ گفتا زندان
دہد بہ مجلسیاں باد پہ نوبت من	بہن نماید و در انجن فریاد
اگر بدل نہ خلد ہرچہ از نفس گزرد	خوشا مسافت عرب کہ در سفر گزرد

دلیعت منت احباب نیستم خاکب خوشم که کار من از سنی چاره گر گفتد
 پیچ و خم دستگا و گردن و دامن چاه دلشده چرا مدبروں داد تا دام خدر
 سے بہ لہا و لکن عرض کریں جو ہر ناب پیش میں قوم بہ خود اپنے زخم نہ رسد
 خواہد نمود و سب بہ میراث نشاوار و دلے گرد و در و دشمن نسل بہ آدم نہ رسد
 ہرچہ بینی بہ جهان حلقہ زنجیری بست بیچہ باغیست کہ این دام نہ باہم نہ رسد
 بر مطلق کہ ریزد از خامام نفاہیت جز نفع بہت سازم فزا نہ دارد
 آتش گداز خاکے، باوش تن ہمارے حق کہ برگ خاکب آب و ہوا نہ دارد
 باید نہت ہر آئینہ بدر ہیز گفتہ اند آرے دروغ مصلحت آمیز گفتہ اند
 خاکب ترا بہ دیر مسلمان شمرده اند آرمی دروغ مصلحت آمیز گفتہ اند
 ہستہ پرکاری ساقی کہ بہ اسباب نظر سے با عداوت و بیجا نہ ہا نہ انداد و بد
 من سرا تا بلشتام بر کسی و سپہر ہر دم انہدام مرا جلوت آقا نہ بد
 ہر کسی کہ ز کشتہ تو بنہا کم گفتد یاد دم از دولہ عمر یک تار نہ بد
 عشوہ دہشت چرخ عز کیں عیار یوسف از چاہ ہزارہ کہ بہ بانہ رو بد
 جو ہر طبع درخشا نیست، یک روزم اندام بر ہنساں می رود
 جز سخن در کفر و ایمان فکاست خوشن و در کفر و ایمان می رود
 تو میدی ما گردش ایام نہ دارد روزی کہ یہ شدہ سحر دشام نہ دارد
 ہر فتنہ خاکم ز قورقصاں بہ ہواست دیوانگی، شوق سراسر انجام نہ دارد
 روتن بہ بلادہ کہ در گیم بلا نیست مرغ قفس کش کش دامن نہ دارد
 بے لفتی و جوئے تو را بے من از لغت چون بستر خواہست کہ اتمام نہ دارد
 بلبیل چہین ہنگر و ہر وہان بہ محل شوقست کہ در وصل ہم آرام نہ دارد
 چہ نیز و از سخن کز دودن جہاں بود بریدہ با دلیانی کہ خون چکان نہ بود
 زام ناقہ بدست قمر شوق است بسوئے قیس گمراہش نہ سامیان نہ بود
 خون ناکامی سنی سار بہ در خواہد بود ہر با ما اگر از ہر غما نیز گفتہ
 اندامی رود کہ کیش دھان بہ کشت کاش با سخن از صریح مایہ گفتہ

پئے مستاسب ہانا بہا نہی طلبہ	نکاحی کو دہانت ہم بسا عابد
بیادہ گریو دم میل، شاعر دفتہ	سخن چہ تنگ دامودہ دامن دارد
از نادگی بدہر مکرر نمی شود	لغشی کو کاک فاقب نویں رقم کشد
خوشم کی استواری نیست بچوں موج کارم سا	کہ ہر دم از شکست خوردوانی ہمیشہ گروہ
ہیروی میا دفاذ کہ ہنگام نیم روزہ	رنگب آیم کہ سایہ بہ پا پوسای رسد
سجاد رہن سے شہزادہ سے فروش	کیں دانسب بہ فرقہ ساوس می رسد
دریغ کہ کام دل از کار ماند	سخن بایستہ ناگفتہ بسا ر ماند
با من میا ویزا سے پد رسد دند آذر سانگر	ہر کس کہ شد صاحب غزویں بزرگان خوش دگر
جسٹ ہر دم غم فردا بخورون می دید	تا قیامت قاسف از کویا شمش کردہ اند
شایستہ ہیں، او تو بوزیم کہ تقدیر	مارا سخن لغز و تزارو سے نکو بود
ساقی و گرم بدو بہ میخانہ مسجد	سے یک دو قدر بزد و قریب یک سو داد
گر رفتہ ام ز کوسے قراں ز رفتہ ام	ایں قفہ از زبان عزیزاں مشنیدہ باد
ذوقیت ہمدی بغاں بگزم درنگ	خا بہ دہت بہ پائے عزیزاں خلیدہ باد
دای دل ناشطہ فشاں ماند بہ پیری	ایں شمع شب آخر شد دغا موشن ز کوند
تاجر شوق جان رہ بہ تجارت شد	کرہ انجاند و کسرا یہ بہ غارت زدود
نہار و شیر و خرابا ذوق صہبا رسم می آید	لشاطر عید از ما ہدیہ سوت روزہ داناں ہر
مہر من سے قاصدا بل وطن ازمن کہ من چوں	سپاہرشن ماند از غبار گرانی بہ یارسان ہر
مژدہ سے ذوق غزالی کہ بہا راست ہمار	خود آشوب تراز جلوہ یاراست ہمار
قاب درہ سودا ز دگان خواہد ریخت	دند در گدہ و بیاباں بچہ کاراست ہمار
ذمن بہریم چیدن کتارہ می گروی	بیا بخاک من و آرمیدم ہنگر
دمید واند و بادید و آشیان گر شد	در انتظار ہما، دام جدید ہنگر
من آں نیم کہ درم جہاں بہم خورد	نفاق زاد و مندر یا دیر ہمن یا دار
بسا از ناہ گروی قابل دل و سیاب	بہند مرشد جھے ز اہل و فن بل دار
بخود شمار و فانی سے من، ز مردم پرس	ہمن حساب جفا سے خوشی یار

سے دل اند گھین امید فانی ہے ہمیں آرزو
 نیست گمراہی کے ایک خزانہ ہمارے
 ہاں ہمدرد مرزا فانی رہ ویراد
 شمع کو نوا ہر شدہ از با و غموش آواز
 حاکم کو زری داری ہر جا گزری داری
 سے گرد و ہر سلطان از با و فروش آواز
 آن کہ بخلوت با خدا ہر گز نہ کرے اجسا
 تالاں پہ پیش ہر کسے از جورا فلک کش نگر
 تا خود پس از سبقت قاصد چہ می رود
 غموش ہی کلمہ دل پہ امید جز ہنوز
 بختم دہزم عیش بغیرت نگشت دین
 مستم چنان کہ پاشنا سم ز سر ہنوز
 اسے سنگ بر تو دعویٰ طاقت مسلم است
 خود مانہ کہت مشیت گر ہنوز
 نیست با غنود نہا برگ پرکش و نہا
 اند ہم بر دل آدمی آدم ازین پرس
 خائب بہ جہاں بادشاہان از پیہ دادند
 قزاق دو ہیدا رگری را چہ کند کس
 یارب بہ ناہاں چہ وہی ظہر و نیگاں
 جو رہتاں ندیدہ و دل خون کردہ کس
 ہر جا خائب تخلص و غمزل بیلا
 می ترش آواز منوچہر بجایش ہی زبیس
 جہاں بگذر و پریشان روز و رما ہر وی
 بفریبے و عشق مشور بہزن ہوش
 برض مشہرت نویسیں احتیاج ما دارد
 چہ شعلہ کو نیا از آفتد بہ غار و غمش
 ہمارہ ہمیشہ جہانی کہ غالبش نازد
 کنوں بہ ہی کہ چہ غول می چکد زہر نقش
 بسان موج ہی با تم بہ طوفان
 برنگ شعلہ می رقص دما نقش
 با دامن زہر آتش زہر ہاں خواہش
 قطرہ غرق گرہ گردیدہ دل فاستش
 دامن زہر آتش زہر ہاں خواہش
 غریبم تا سا دگار آمد و غن فہمیش
 قطرہ غرق گرہ گردیدہ دل فاستش
 درسلوک از ہر چہ پیش آد گزشتن و شتم
 غریبم تا سا دگار آمد و غن فہمیش
 نکالت کرد خدا ہم روز محشر کشکافش را
 درسلوک از ہر چہ پیش آد گزشتن و شتم
 سرسبز و دہ و پچہنا ہمیدہ ایم
 نکالت کرد خدا ہم روز محشر کشکافش را
 سرسبز و دہ و پچہنا ہمیدہ ایم
 خائب بہ عالمی کہ قوی غن دل غموش
 مرا کہ بادہ ندارم ز روزگار چہ خط
 خائب بہ عالمی کہ قوی غن دل غموش
 مرا کہ بادہ ندارم ز روزگار چہ خط
 خوشست کو شرب و گشت بادہ کہ دست
 خائب بہ عالمی کہ قوی غن دل غموش
 مرا کہ بادہ ندارم ز روزگار چہ خط

تو آسوی کائنات روزن دیوار لیست اند
 بہ دوست از مشاہدہ بام و در چہ خط
 شام کہ برانکہ رمضہ صبح و برہمن گشتہ بچہ
 کوا حلاوت کفر و ورین خود غاظر من گشتہ بچہ
 بہ بزم بادہ گریبان کشت و نشس نگریہ
 بخت با بہرستی غوث شام رعایت حقوق
 ہر آن غزل کہ مرا طوطی طراست بخود
 بہ بانگ چہا او می کند ز فایت حقوق
 مرد آنکہ در بہیم قضا شود ملک
 از رنگ گشتہ کہ بہ قضا شود ملک
 نہ مرا دولت دنیا نہ مرا جہیل
 نہ چہ نرو و تو نادانہ شکلیا چہ ضلیل
 تا کہ برنگ و رنگ قضا نہ کہ در چمن
 گل در پس گل آمدہ در جستجوی گل
 رفتم کہ کہنگی ز قضا شا بہر انگنم
 در رنگ و لون خط و دیگر انگنم
 ہنگامہ را بہیم جنوں بہر جگر زخم
 اندیشہ را ہولے فسل و میر انگنم
 تا ما دستخورد شود و سینہ ریش تر
 بگذازم آہکینہ و در ساغر انگنم
 و در فدا دم زیاں ما بہر و جہل
 نیست و لم در کنا رد جہل بہ ما ہم
 تا بہ چہ مایہ سر گیم نالہ بہ ہزارے غمی
 از نفس آنچہ دیشتم مروت ترانہ کردہ ایم
 غالب اعلان کہ خبر و شرجہ بہ قضا ہو دست
 از بہار رفتہ و کس رنگ و بود دام بخود
 میدہم دل ما ز بیادست فریب القات
 و گیر از نویسم فرہود شکست بہ طوف
 کہ بودم کہ حرم ناخدا رفتم سوئے دیر
 ایں قصہ دافکہ غالب نام یاری دیشتم
 ہیکہ می دانی کہ ناگاہ چوں بسویدم بہر
 از کاشتم و نور رشید تا ماں دہم
 جہاں باید کہ عرض شوق دیدار شس کنم
 دل با حریف ساختہ و ما ز سادگی
 بردارے نویش گواہش گرفتہ ایم
 آنکہ و گذشتہ قضا و مرستہ است
 ایک کاشکے بود کہ بعد جالو مستہ ایم
 آغشتہ ایم بہرین خارے بخون دل
 تا قرن باغبانی صحرا ز مستہ ایم
 خوش خودم از تو در پے بعد ہش خلق
 آوازہ جناتے تو در عالم انگنم
 رنگہا چوں مشہد فرادان مصری و دیگر داشت
 غلہ را نفس و نگار ظاہر لسیاں کردہ ایم

زاده از مادرش تا کی چشم کم میس	بی نمی دانی که یک پیمان نه تصای کرده ایم
حق شناس صحت بیستابی بعد از ایم	گرچه دشمن نه با مرغی سحر خوان کرده ایم
هم به عالم زایل عالم برکت را نفاذ ده ام	چون امام سجده یون از دست ما راندا ده ام
ی قشاقم بال و در اندر پای میستم	طائر شوقم بدام انتظار افتاده ام
کشتی به تاخدایم مرکزشت از من میرس	از مشکست خویش بر دنیا کنار افتاده ام
دل زبوش گریه گر بر خویشش باله دست	قطره بود دست بحر یکدانش کرده ام
سنگ و خشت از مسجد دیوانه می آرم به شهر	خانه و دو کوه ترسایان عمارت کرده ام
کرده ام ایمان خود را دست مزد خویشش	می تراشم پیکر از سنگ و عبادت می کنم
در دایان به نغان جسمه روزم گذرد	بسکه خود را بتو از روزن دریا میم
گاه گاه از انفرم دست و فرخوان بکنه	در نه بر جوده من نیست که زجا بکشم
اگر طالع من سوخت فرمود چه عجب	عجب ز قسمت یک نفر خوشه چین دارم
نقشه ام به گدای به شاهزاده میخواند	هزار دهنه به برگوشه در کین دارم
بیا که قاعده آسمان به گردنم	قضا به گردنم رطل گران به گردنم
بگوشه به نشینم و در فراز کینم	به کوه بر مرده با سبیل به گردنم
اگر دشمن بود و گیر و دار ندیشیم	و اگر دشمن و رسد از مغان به گردنم
بجنگ باج ستانان روزگاری را	تجی سجد زود گشتان به گردنم
قلی خواش با راحمت عاشق	بخت از غالب بهمانا خواستیم
فیم در بند انادی علامت میخوانم دارم	شنیدم جامه ز نغان قزحیست می پوشم
مرا مشب میرم و در بخت دهنه به گردنم	همان دارم که فرق لغت بیانی و دشمن
بپار گلشن کوه توام مسپا بدعا	چراغ بزم نیرنگ توام پیسته خاموشم
خشک است کشت میوه تحریک و نکان	سیرابش از نم رگ ابر قلم کنم
هنوز ستم به فعل تو بهارم می توان کشتن	مراق برکت و گل در کنارم می توان کشتن
فدا یا از عزیزان منتی سخیوت که بهتا بد	جدا از خاندان دیوانه ایام می توان کشتن
به باغ و بهار بهار بهار	غلت چشم و چرخ ما ز دانا

وصال جان تو اتنا سنا میراں
 خیالت خاطر آشوب جراتاں
 حق گویم و نادان بہ تر باغم و ہوا زار
 یارب! بچہ خدا آن فتویٰ بزداد کشید
 فرجام سخن گوئی غالب بہ تو گویم
 طعن بگرمیت از گ گفت ار کشید
 حسن افتاد و ضعیف غالب گواہ حققت
 خوش بود قاریخ ز بند کفر و ایمان زینت
 بر عیاض کامل نفس من و آہائے من
 جیف کافر مردن و آکوخ مسلمان زینت
 روز وصل اربابان وہ و دہد عمری ہدیہ
 ہجولہ زینتیں خواہی پشیمان زینتیں
 تازیانہ حق حیات و رنگ طرب جنتی
 چہرہ ز غناب چشم رنگ ادم و ششتی
 نقش ہے نگاہ جاوہ بور و جہاں
 ہر کہ رو و ہایدش پاس قدم و ششتی
 سر از چاہ قیس اگر مردن آید
 چہ چلہ ہاک سہر گشت میقتواں کردن
 فرام آتو با سخن گشتای وارو
 رعایتی کہ بدر ویش می توان کردن
 نایم و ذوق بکدہ چہ سجدہ چہ بت کدہ
 و در عشق نیست کفر ز ایمان شتا عشق
 گلی بر گزشتہ دستار واری
 رمانی نام کہ مرست سخن خوابد شستن
 لی بر گزشتہ دستار واری
 کہ کیم ہا در ہم ادبے تو بے ہودہ است
 از دلی نام کہ مرست سخن خوابد شستن
 حرف و رقم و مذاق گفتہ جانور اگرت
 کہ کیم ہا در ہم ادبے تو بے ہودہ است
 جیل گفتن عشق آمدہ غالب نازل
 رنجی تضامت جنت آساں گذار ما
 دولت بہ غلط بودا دسی پشیمانی غور
 ہم خاند بہ سالان بہ ہم جود فراوان بہ
 سرمایہ کرامت کن جاگاہ بہ غارت بہ
 ہی دارم از اہل دل ہم گرفتہ
 ہی خندہ بر لبی مطرب سرودہ
 نیار و ہمیں جیسے کیا یاد ہرگز
 جلت اگر کہ در نہ نام نہ گفتہ
 جیف گرد مرزہ دست و دست بہ مہا کشودہ
 جہر خرمی ما میرتی بر مرزہ عبادان شود
 بہ شرمی دل از غول شستن ہم گرفتہ
 جہی خروہ بر لعلی جہم گرفتہ
 مگر خوںے خاتمان اعظم گرفتہ
 جہر روزہ دست بہ مہا کشودہ

درجہ غالب آئی و پھر و سخن گراں
 خرابی کو بشتی سخن نامشہود بہ
 بہت دفعہ دہن ہمارے ساری شمرست
 انتہاست اسی کہ باجمہر مدعا کردہ
 دیدہ ہی گزیراں نئی نادر دل ہی تپد
 حد ہمارے غالب سرسیر و اگر وہ
 بیل اگوشہ نفس از شستگی مثال
 چون من بہ چند خاندن آشیانہ
 ہاز موم و کافر بچہ دستاؤ آخر
 سب و مسوا کے خشقہ و دناوری
 کاغذ آن چہ کاغذی حد چرم غالب
 بندہ توام گویم گویم زبدا آری
 خاتم انصاف حوران نہ صد ہزار کی
 ملائمت زخمیان رو رگبار کی
 دو ہر قند ہفتقد و کف خاکے
 بنائے جز کی رنج اختیار کی
 روتہ ہی خرابی وہ تار و دران گرد
 طوفاں زدہ زور قی مایہ میں پانچہ
 تا ہم زول برو کسر او اسکے
 بالا بلند دے کو تہ قبائے
 گستاخ ساز نیا پور قس پستہ
 طاقت گلازے صبر آتماے
 از تابش حق زریں رواے
 از ذلعت پر غم مشکیں نقا ہے
 از تابش حق زریں رواے
 جہانیاں ز تو برگشتہ اندر غالب
 ترا چہ پاک حذای کو دشتی داری
 بیک کہ شہر کہ بر گھین خوران بڑی
 چہار ماہ و دو ہستیاں بکرائی
 بجا طے کہ وہ آئی جلوہ اراہی
 بنائے خلعت مرگ اندوہن بگردانی
 بجا طے کہ وہ آئی جلوہ اراہی
 لے موج گل فرید تماشا ہے کیستی
 انکار و مثال مسراپاے کیستی
 بیہودہ نیست سنی مباد و دیار ما
 اے جوئے گل پیام تنائے کیستی
 رفت اندر کسب ہے تولا باد کوئے
 گل دیدے و دوسے قرا باد کوئے
 رفت اندر قس را بسترگی ستورے
 در ہاجی تائیش قس باد کوئے
 رفت اندر جانب رخ و تخت گرختے
 در جلوه بحث باگی و خفا دگر دے
 اکسوں خودا تو فائے قرا زاری کشم
 رفت آکھ از چہ تے تو فریاد کوئے
 سرچہ خوشت زول تا جزیان ہے
 دارم سخن پا تو و گفتی نہ تو ان ہے
 سیرم تھاں کروڑ و دیار کوئی
 نگارہ ہمد شہم دول یک دغاں ہے
 نقاشی بیست دیں پروہ و بیہودہ چہ
 غالب بدول تاوڑ کہ در کارگر شرقی

انتخاب رباعیات

غالب آزادہ موحّد کیشم	برپا کی خویشی گواہ غویش
گفتنی بہ سخن پر فغان کس نہ رسد	از با پسین نکتہ گزراں پیشم
اے دادہ بہ بادِ عسدر ہو دوس	ز بہار مشور ز رحمت حق مایوس
ہشدار کو آتش جہنم حق را	تہذیبِ غرضی بود نہ تقدیرِ قوس
شرطِ طاعت بد ہر درِ منظر گشتی	اسبابِ دلاوری میسر گشتی
چامی نہ شرابِ ارغوانی باید	آن را کہ بود ہوائے قادر گشتی
آن مرد کہ زن گرفت وانا نہ بود	از غصہ فراتش ہمانا نہ بود
دار و دیہاں خانہ زن نیست درو	نازم بہ خدا چہرہ اتوانا نہ بود
چو گر کہ ز رخسہ زخم بر چنگ زند	پیدا ست کہ از ہر چہ آہنگ زند
در پردہ تا خوشی خوشی نہاں است	گاہ ز نہ زخمش جامہ بر سنگ زند
وہ بزم نش طاعتگان را چہ علاج	از سربہ پائے بستگان را چہ علاج
گر اگر شرابِ ناب بارو غالب	ما جام و سببِ شکتگان را چہ علاج
دی دوست بہ بزم بادام خواند بہ ناز	وانکہ ورق ہمسہ بہ گراںد بہ ناز
چشم من و عارضی کہ از رخبت ہے	دست من و دامن کی کہ افشاند بہ ناز
اے آنکہ وہی مایہ کم و نما بیش بیش	آن روز کہ وقت باز پرس آپد بیش
بگزار مرا کہ من خیالے دارم	با حسرت بپیشہائے ناکر وہ خویش
ہر چند نہ مانہ مجمع جہاں است	در جہل نہ حال شان یک سوال است
کودن ہے یک از یکی تا دگری	فسر قی خسر عینی و خسر و جال است
ہر چند توان ہے سر و پاں بودن	باز چہ خوئی ز خست نتوان بودن
بالہ کہ نہ دشمنہ بر جگر سکت تراست	از کردہ خویش پشیمان بودن
اور اقی زمانہ ورنہ خوشیم و گزشت	در حق سخن یگانہ گزشتیم و گزشت
ے بود روا کی ما بہ پیری غالب	نراں نیز بہ ناکام گزشتیم و گزشت

یہ رباعی دیوان غالب فارسی کے صرف پہلے ابواب میں لکھی ہے۔ غیاثی

گذرگاہ خیال

(مقتب مضامین)

پروفیسر آل احمد رُور

غالب کی عظمت

اُردو میں پہلی بھر قدر اور دھماکا رنگ شخصیت غالب کی ہے۔ ان سے پہلے کئی شاعروں کی شخصیت قابلِ توجہ ہے۔ اس میں انکی صلاح اور رنگینی نہیں ہے۔ مثال کے ساتھ غالب میں اسی نے ایک جامعیت کا لڑن اُتار دیا ہے اور اسی شخصیت کے اثر سے ان کا شاعری جیلو دار اور تپ دار ہے۔ ان کا عظمت اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس شخصیت کے عناصر کو ذہن میں رکھئے۔

غالب ایک ترک تھے۔ یہ ترک ان کا آبائی پیشہ تھا۔ غالب کے یہاں مشیت و سناں اور کلاس و طبیب کا اثر ان لکڑاٹھے۔ شخصیت میں سلسلو بہانہ خصوصیات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ لیکن اہول اور تربیت کے اثرات بھی بڑی سنگ اس کے اہل میں حق ہے۔ تربیت اور اہول شخصیت کو شکل نہیں کرتے۔ وہ اپنے صحیح نقطہ نظر کے ساتھ اپنے ذاتی انصاف کے غور میں جو پیشہ صوفیہ کی گنجین ہے وہ عموماً ان خصوصیات کی وجہ سے ہے۔ ان کے یہاں بزرگوں کا احترام اور برکتی سے لطف اُٹھانے اور اُٹھانے کے کام کو آخری قلموں تک چڑھا جانے کا سوجھ بوجھ ہے۔ اس کا ذہن کے علاوہ ان میں خاص کر اُٹھانے کا ہے۔ ان کے لئے مہمانی خصوصیات وضع قطع، لباس، سلیز معاشرت کی جو جھلکیں اس میں ان سے محظوم بننا ہے کہ ان کے یہاں کسی کی آگاہی کو خطاب نہیں جانا گیا ہے۔ کوئی عورتی سرشاری بجا نہیں آئی ہے۔ ان کو یہی خوشی و غصہ اور حرارت و رونا دکھائی دیتی ہے۔ اس میں بہت کم ہنس رہا۔ اس میں بہت کم تفریحیات، بھولنے کا رنگ، یوں تو عشق کا ہوا سب میں حصہ لگوانے کے ارمان کھینچے ہوئے ہیں تھے۔ وہ دریا سے نیروں جوئے مگر چاہے رہے۔ یہ لنگش، یہ پامنا، یہ یقین، یہ بہت کچھ حاصل ہونے سے پہلے ہاتھ کا اور اس میں ہونے ہے۔ اس سے غالب کی کشش کا راز سمجھیں آئی ہے۔ چنانچہ ان کی شخصیت میں سب سے زیادہ اہمیت اسی میرا لے اور تشنگی کے ہے جو ایک بڑے فن کا رنگہ بیان ہے۔ وہ میرا لے بات ہے کہ غالب کے کہیں میں کوئی ایسا گہرا روانہ نہیں ملتا جو خود سے ان کی شخصیت کو ایک سانچے میں ڈھال دیتا۔ میرا کہیں سے نصرت کی اخوات نے اقبال کو گھیر لیا، اہول میں وہ دوشی اور گہری نرسیت ملی۔ غالب کو یہ لنگش اور غرض اس روز کا نسل خصوصیات کا وجہ ہے وہ چندستان کی تہذیب کے مغز اور انفعالی جیلوئی کو پورے طور پر جذب کر کے اپنے تھے کہ علامہ اقبال کے خدایہ سے ہم کے غرض طبیعت ہے آشنا ہوئے۔ غالب نے جب شاعری شروع کی تو ذہن پر سب سے پہلے اخوات تھے، ان تصوف کے، ان کی کہیں اور خوش طبیعت ہو تارے سے اس طرح متاثر ہو چکی تھی جس سے کہ ان کی اپنی اور ان زبان سے ہوتا ہے۔ انہیں غلوں کا دلاؤ ہو گئی۔ جیلوئی کے آخر کو حالی نے ایک ذہین طبیعت کو شکل پسند کیا ہے۔ حمید سہیل نے یہاں تک پہنچ لیا اور غلیظانِ مینا کو دیکھا ہے۔ حقیقت دونوں کے مین ہیں ہے۔ غالب اس عمر میں غلیظانِ نظر پیدا کر سکتے تھے، ان خیال نہنگ اسے آڑک خیالی کے عظم میں اس پر دھکتے تھے۔ یہ کہ وہ ایک ایسے طبقے سے تعلق رکھتے تھے جو زمانہ اور وہیں خارج الحال تھا۔ اس لئے وہ نہیں بزرگوں اور ان کے پراسرار میدانِ غالب کے لئے کشش رکھتے تھے۔ اُردو شاعری میں کشش اس وجہ سے غالب قدر ہے کہ غالب کے ہاتھ

کہار ہو شامی و دربار سے تعلق کی وجہ سے غلوں کے فلسفہ اور سستے خفیہ جذبات میں محدود ہوتی جا رہی تھی کیسٹا سکول کے غرض بن چکے تھے۔ زبان سوزا رستہ کوئے کاغذوں خروید ہر چکا تھا۔ آفتوں ایک روایت را گیا تھا عشق زندگی کے ایک گہرے اور پندہ تخلیقی جذبے سے سوئٹ کر مضمون لاییت کا لٹن باق پر دیا تھا خاکا بدل کی عزت پر لے گئی تھی۔ مگر اس کی وجہ سے ان کی شخصیت خروید ہو گئی تھی۔ تھریگ گہری اور پندہ باق صلاکت کو رنگ بھولا گئے تھے۔ اس واسطے نیز زیادہ مقبول ہوتے لگے تھا غائب کے رائے میں کوئی ایک ہی روایات "اپنی تہذیب" پر "تھریگ مگر سلی ویاے سہرا یا یاہی نہیں ہے۔ غائب باقی رہے مگر اس ویاے غفلت میں نہ تھے۔ ان کا دھڑکا دار گہرا کی حد کہ سمیت خدا کی کونا تر کرتی ہے۔ اس ساری تھیب کا حاصل یہ ہے کہ غائب جب جہان ہوتے اور شمر کئے گئے تو وہ گہرا پیش میں "تھیں و تھیا" سودا کی نہ لے اپنے اشار میں لی۔ ان اشار میں کو کسٹ و کاہ بڑا ہوا ہیں۔ ہاہام بھی اور پالی بھی۔ لیکن ان سے غائب کی ان روایت ظاہر چلے ہے۔ پہلے دوسرے اشار میں نظر پادہ ہے لہذا کم مگر نظر کی مہر گ سے آگے کے مدخل نظاروں کا علم ہوتا ہے۔ ان اشار میں ایک روایت بھگت ہے۔ جو اس رائے کے کلاسیکل معیاروں سے غفلت میں ہے۔ لیکن جسے ابھی زندگی کے مدخل کے ہاتھ فیالہا لہا لے لیتا ہے۔ غائب تھیل کے چکر سے بھگت کے باوجود تھیل کی عزت کو نہ چھوڑ سکے۔ اس عزت نے اس کی شامی کی گھیب گھیب گل کھلے۔ یہ معمول بات نہیں ہے کہ تھیل کے بعد غائب "عزیز" اور "تھریگ" کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر کی طرف سے سب سے آخر میں۔ یہ ترتیب ان کی شامی کے ارتقا میں بڑا کامیت رکھتی ہے۔

غائب کو ایک خاصہ شہرت "تھریگ" میں دیتا ہوا اور ایک بھین طبیعت غلوں سے حاصل ہوتے۔ جہان ہوتے پر نہیں اپنے بھگت کی فکرت سے علم ہوا۔ جاگیر دارانہ نظام کے ایک ممتاز فرو ہونے کی وجہ سے ان میں وضع واری نشان ایجاد "حسن پرستی" انا نیت گہرہ ہونے کی بھین کا نشانہ اپنی زندگی کا ایک آئینہ بن گئی ہے۔ جسے حاصل کرنے کی کوشش میں وہ سارا کھرتی ہے۔ پیش کی نگاہ و مدد محض الی ہمد نہیں ہے۔ ایک غلطی میں ان کو حاصل کرنے کی کوشش بھی ہے۔ غائب اپنے خاندان پر فخر کرتے ہیں۔ وہ گلوں کی پرواز کا بار بھی اٹھا سکتے ہیں۔ وہ غلوں کی پالی نہیں دیکھ سکتے۔ ہمد کا ساتھ بھی ان کے لئے اس لئے اٹھا کہ کہ کوشش و ذلیل ہوتے اور زندگی کی قدر میں بدل گئیں۔ نصیب کوئی تھیں نہ تھا اور نہیں ہے۔ کالین کا سنا ہوا بھی ہے۔ یہاں وہ ہے کہ وہ تشیب میں بڑے بڑے سے بھل جاتے ہیں۔ گود میں ان کی چیزوں نظر آتے ہیں۔ اگر آپت باقی ہوتے تو وہ غلوں اور تھیلوں کے چکر میں نہ پڑتے۔ اگر غلطی رائے میں نہ ہوتے تو ان کی رائے میں نہ ہوتے تو ان کی رائے میں نہ ہوتے۔ غائب نے بازار کی انگ سے خانہ اٹھایا۔ مگر صرف بازار کی انگ پر بھی نظر پڑا۔ ان کا غائب اور تھیب کی اس لحاظ سے ایک ہی شخصیت رکھتے ہیں۔

غائب کے رائے میں وہ اپنی کی آخری ہار تھی۔ بیت سے لوگ عزت ہوا کو دیکھتے رہے۔ غائب کی نگاہوں میں کچھ اور ہوا اور ہر ایک شخصیا ان کے بعد اس نظام حکومت سے وفادار کا ایک پیدا نہ ہو سکا۔ ان کا بھین ایک بھیر اور دھند اور ہلاک کا۔ ذہنیت نہ پیدا کر سکا۔ ہاں وہ شاہ تغر بھی ان سے اس طرح خوش نہ رہے۔ جس طرح ذوق سے۔ وہ کسی مدد سے وابستہ نہ ہو سکے۔ وہ اسے خانہ اٹھانے میں اٹھیں پس و پیش نہ تھا۔ شاہی کے اس آخری دور میں وہ پہلے انواریت پسند تھے۔ اور انواریت پسند تھی اور وہ مدد سہلی واری میں فروغ پانا ہے ابھی دور تھا۔ شاہی کے اس دور کے باقی رکھنے کے لئے جس نے ہر جذبے کی مدد مل جاتی تھی۔ غائب وہ مدد نہ دے سکتے تھے۔ ان کے یہاں مذہبیت نہ گہری ہے نہ زیادہ اہم۔ وہ ہندوستانی تصوف کی ایک آزاد واری اور وحدانیت کو لے لیتے ہیں۔ مگر اس کی طرف سے زیادہ توجہ نہیں کرتے۔ ان کے یہاں جو وسیع المشرقی ہے۔ وہ ان کی انسان دوستی کو بھرا کر لیتے ہے۔ ان کے دوستوں میں "انگریز" ہندو شیعہ مسیحی اگر موملوں اور پہلے رند سب شامل ہیں۔ وہ ان سب میں بلی بھل جاتے ہیں۔ مگر ان سے علیحدہ ابھی ہیں۔ عورت اور شہر

ان کے نظریہ زندگی کو بڑھا لیا ہے۔۔۔ ان کی زندگی نہیں ہے۔ آئندہ شاعری میں ان کی مہذب زندگی ایک نئی روایت کا آغاز کرتی ہے۔ وہ لفظ چاہتے ہیں، مگر لفظ باؤ نہیں ہیں۔ غراب لفظ کو بڑھا لے کے لے ہے خود پایہ لٹا نہیں ہے۔

غالب کی زندگی اور لفظ کی بنیاد کی تصورات علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں۔ دونوں میں ایک نفسیاتی مزاج غالب کی کوئی بڑھاپہ نہیں ملتا۔ یہ کہا غلط ہے کہ غالب فلسفہ مسرت کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ تو فراقی ہیں نہ دعاوی۔ ہاں ان کے ہاں امید و ہمیشہ قسم۔ آئندہ شکست آئندہ مسرت و مسرت کی نگار بھی ملتی ہے۔ ان شعرا کے ہاں جو غزل کو اپنا وسیع الہام بناتے ہیں۔ کوئی فلسفہ و حیرت و عصا نیست ہے۔ غزل کا ایک مسلسل اور مربوط، تیسری اور منظم فکر کے لئے مزدور نہیں ہے۔ یہ اشاعت کی دنیا پر کان کے اور لطیف ذرا لگ کر ہر کسی واضح اور روشن نظریہ کی تحمل نہیں ہو سکتی۔ غالب نے ایک جگر شکستہ غزل کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بیان کے لئے زیادہ وسیع طلب کی ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ غالب نے غزل کی فن اور فارم کو نہیں مانا۔ انھوں نے اسے مانا اور پرانے۔ غالب اگرچہ اس فارم سے مطمئن تھے۔ مگر ان کے خیال میں ہر ایسے اس صنف میں لگتے ہیں۔ غالب کے بیان غلط ملکہ ہے مگر وہ فلسفی نہیں ہیں۔ جن معنوں میں انہیں فلسفی ہیں۔ ان کی شاعری کا کوئی پیام نہیں ہے۔ جہاں غزل میں ملتا ہے کہ آج کا پیام ہے۔ وہ غلطی نہ ہو۔ کتنے ہیں۔ ان کا مزاج جذبہ سے بڑھ کر فکر کی طرف نہ جاتا ہے۔ وہ تخلیق نظر رکھتے ہیں۔ غزل نے آئندہ شاعری کو ایک سو نہ دیا۔ یہ وہ ہیں اپنے زمانے کے تہذیبی اثرات سے باخبر ہے۔ فلسفے اور صوفی کے مسائل کو جاننا ہے۔ مذہبی اور اخلاقی قدس سے آشنا ہے۔ مگر ان میں سے کسی کا ہولناک طرح بائند نہیں ہے۔ غالب کے زمانہ میں ہر فکر کا سراپہ تھا غالب کے بیان وہ ایک اور ذائقہ سے نظر آتا غالب کا شوق مسخرہ آواز نہ دہول اور چاندرا انداز نظر ان خیالات کو رنگین اور دلکش بنا دیتا ہے۔ چارے لگان خیالات کی اجمیست اس وہم سے اور بڑھ جاتی ہے کہ ہمارا وہ صرف جذبہ کا پرستار نہیں ہے۔ وہ جذبہ کہہ دے قیمت کو جانتا چاہتا ہے۔ غالب کے بیان سب سے پہلے یہ کہہ دے ہی تھی۔ ان انکسار اور خاموشی کے انداز کی بھری ہوئی مسخرہ اور پرکشش تصویروں میں کوئی رابطہ اور مین و موثر نہ تھا چاہتا ہے اس انداز نظر میں مگر انہیں اس اشارت اور عبارت سے ہمیں درجنی تسکین پیش آتی ہے۔ اور اس کے اثر و معنی میں ہیں اپنے مریض و معنی لگتے ہیں۔ انہیں صحت میں وہ صحت و دیکھتے ہیں۔ ان کے انکار اور ان کا پرانے الہام دونوں ہیں ان کی زندگی اور انہی زندگی کی صورت ایک جھلک ہی نہیں دکھاتے۔ اس کے منطقی کچھ سوچنے پر غور نہ ہے۔ وہ اس طرح زندگی کی پہلی پھر تصویروں اور جذبات کو بچا چھوڑیں کوئی مسلط نہیں دعوہ نہ تھے۔ تیرے جیسے بڑے شاعر کا ساتھ دے ہیں ایک گہرے نرم جذباتی سیلاب میں غرق کر دیتا ہے۔ تیرے کے بیان عشق تازہ کا دہزارہ خیال ہے۔ ان سے آشا جو کرم زندگی کی لطافتوں سے آشنا نہ تھے ہیں۔ مگر مگر کا تخلیق غالب کے تخیل کی طرح عکس میں (KALEIDOSCOPE) نہیں ہے۔ تیرے کے بیان عشق پر بندہ شاعری تصویروں کی روایات بھال چکی ہیں۔ غالب کے عشق میں سرور و ہمارا تخیل پر لٹا۔ اور بندہ شان تینوں بل بل گئے ہیں۔ اس وجہ سے غالب کا تخلیق زیادہ دھڑکنے والا ہے۔ اور زیادہ خلاق۔ غالب کی خفیہ شاعری میں وہ سوز و گداز نہ ہو سکتا اور وہ الہام نہیں ملتا۔ جو تیرے کا طریقہ انشائیہ ہے اور وہ لذت اور واقعیت ہے جو موت کے معاملات کا جان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب کے بیان زندگی کا سوز و گداز زیادہ ہے۔ غالب نے عشق کی آواز کو اگر غلط لگے زندگی کے دوسرے تجربات بھی حاصل کئے تھے۔ غالب کے بیان و دھوم بھی ہے مگر اس و دھوم سے بلند ہوئے اور اس پر کچھ بچا نہیں لیتے کہ جذبہ بھی۔ غالب مریض نہیں ہیں۔ وہ مریض عشق بھی نہ ہو سکتے۔ وہ اپنے محبوب کی موت پر آسو بہاتے ہیں۔ مگر ان کی سارا کھرا آسو بہاتے ہیں نہیں گندمی۔ ایک ایک شخص اور آزاد طبیعت ان کے بیان وہ طبیعت میں پیدا کر دیتی ہے۔ جیسے (Sense of humour) کہتے ہیں۔ یہ خصوصیت ہی تہذیبی تحریکوں میں نہیں پختہ تہذیبی تحریکوں میں آتی ہے۔ غالب ایک

تہذیب کی پختگی کے آخری دور کی یادگار ہیں۔ جاگیردارانہ تہذیب کی نشان و شوکت کے ساتھ ان کے یہاں جو بے الطہیانی ملن ہے وہ ان کے نچر کو ظاہر کرتا ہے۔ جگر میں پائپ پڑنے سے عیادوں سے سیزا رہیں ہے۔ عرب ان سے بلند ہے۔ اور دھڑلے کو انھوں نے جذباتی سطحیت اور ادنیٰ لفظ پرستی کے بجائے گہری مزیت اور تحقیق معنی آفرینی سمجھا لی۔ داخلیت ان کے یہاں بھی ہے۔ مگر ان کے یہاں خارجی چیزوں کے حسن کا احساس بھی ہے۔ حال نے غائب کی ہمدردی، تشبیہات و استعارات پہلو وار کیا اور افراتفراف پر نورد ویا ہے۔ اکرام نے ان کی لہجائی شوق میں پرستندہ لہجہ ان کے یہاں زندگی کے سارے لغزوں پر۔ یہ اشارے سمجھتے ہیں۔ مگر کافی نہیں ہیں۔ غائب کے یہاں ایک ایسی شخصیت ملتی ہے جو نہ بھی اور اعلیٰ مقاموں کے بھانے انسانی (مختلفہ معنی) سہانہ کو سونڈھتی ہے۔ جو بہت اور اس کی حدود کے باہر "روز و در" اور انتظار کے بعد وصل کا کاف کی ہے۔ جو پارسو و ستر و نور و ستر کا خوش کی بھی دلدادہ ہے۔ ادا کیے شکر و تمنا کو بھی سمجھتی ہے۔ غائب کی شاعری میں ان انسان اور ادب پہلی دفعہ بے سہارے کے اپنی عظمت کے بل پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ انھیں کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔ اس نے غائب کا مطالعہ سہارے اور ایک وسعت نظر پیدا کر لیا ہے۔ وہ ہمیں "خار و سحر و قیود" سے آزاد کرنا ہے۔ انسانی شخصیت کی ہر چیز پہل میں روشنی رکھنا ہے۔ انھی پرستی سے روکتا ہے۔ انفرادیت سمجھا تا ہے۔ زندگی کی شکلیوں پر کڑھنے اور کڑھنے کے بجائے ایک حوصلہ بھارتا ہے۔ زندگی کی سختیاں بھی غائب کو اسیر و ران کے ذہن کی چلی کو اندہ کر سکیں۔ زنجیر کی سختی نے انھیں نروان پر مجبور کیا تو وہ بلا اعتبار آخر کے نکلے۔ غائب سے تخیل کی دولت اعم بھی نہ چھین سکا۔ غائب کے یہاں شاعری ایک آئینہ ہے۔ غائب اسی نے اپنے زمانہ میں نئے مقبول نہ ہو سکے کہ اس وقت عام طور پر جگہ تھی یہاں لکھا ہی کتاب نہیں لاسکتے تھے۔

غائب کی فکر و نظر کی اہمیت تو واضح ہو چکی۔ اب سوال یہ ہے کہ غائب کے فن کی کیا اہمیت ہے۔ اور اس کی عظمت کا راز کیا ہے؟ اس کا جواب زیادہ مشکل نہیں۔ ہر جگہ بے ساتھ ایک خادیم کو روٹنا ہے۔ غائب کی انفرادیت و ذوق کی زبان میں اپنے آپ کو گھومیں سکتی تھی۔ فن کی زبان ایک انسانی تحریک کا قدرتی ارتقا ظاہر کرتی ہے۔ یہ زبان کی ہمواری اور عارضہ کی چاشنی کا رنگ ہے۔ انہیں اور ذوق و دہن کے یہاں خیال سے زیادہ طرز بیان کی اہمیت ہے۔ ذوق خصوصاً شعر کی دلچسپی نہیں رکھتے۔ غائب کو اردو کی اس روایت کے خلاف غار و کا سہارا لینا پڑا۔ انھوں نے تہذیب، فطرتی، ترقی، ظہور کے اسلوب سے غائدہ اٹھایا اور آخر میں تہذیب کی طرف آئے۔ غار و کا یہ سہارا میری رائے میں اس وقت اردو ادب کے لئے مفید ہوا۔ اردو کا اسلوب میں اس سے باخفا "تحقیق اور مزیت" آئی۔ غائب کی ترکیبوں شیعہوں اور استعاروں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوا کہ غائب نے ایک طور پر ایک دوسرا خفاہ زما نچو اچھا کیا۔ اور زبان میں وہ انی اور سلاست پہلے ہی اچھا کر چکی۔ جذبات کے الجھانے کے لئے ہر نوز میں چھٹی تھی۔ مگر جڑ سے جڑ سے خلیفہ زنیات کے اظہار کے قابل اسے غائب نے بنایا۔ اگر غائب نہ ہوتے تو اقبال کہاں ہوتے۔ ڈاکٹر یوسف حسین نے اردو طرز پر اپنی نئی کتاب میں غائب کے اس فن کی بڑی تعریف سے روشنی ڈالی ہے۔ اس نے یہاں اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں، شاعری بہت کچھ ہے۔ مگر زیادہ تر اطفال اس تصویر میں رہا ہے۔ جتنا ہی شاعر کا تخیل بلند اور خلاقی ہوگا اتنی ہی اس کی تصویر پر تحقیق ہوگی۔ غائب نے غار و کا کی ترکیب سے کام لے کر کچھ کم ان الفاظ میں بڑی سے بڑی تصویریں پیش کیں۔ سہ۔ ڈی۔ یو۔ نے اپنی کتاب "دوسری" (Poesy) میں اس مطالعے سے شبیکہ مٹا دی۔ مٹا دی اور شیش کی تصویروں کی بڑی تعریف کی ہے۔ اردو میں جسر، فیکر، ستودا۔ اور انیس سب کے یہاں ایسی تصویریں ملتی ہیں۔ مگر غار و کا کی تصویریں علاوہ حسین ہونے کے خیال انگیز ہیں۔ ان میں ایک نہ ایک بات اور اے سخن رہ جاتی ہے۔ غائب نے جیل کو چھوڑ کر غریبی کی نظری کو اپنی پسند نہیں کیا۔ وہ اباس سے بچ کر صورت اور رنگینگی کی طرف آگئے۔ اور جب انھیں اشاروں میں ایک جہاں معنی قرار دیا گیا

تو حیرت کی سادہ پیکار کو اپنانے میں دیر نہ لگی۔ تیر کچھ رنگ میں غالب کے ہوا شمار ہیں وہ تیر کے سے ہوتے ہوئے بھی تیر سے عظمت پیدا۔ ان میں اختر آتے نہیں۔ تیری بھٹی پڑاؤں میں۔ میں نے اس صفوں میں کہ غالب کے متعلق اپنے تاثرات پیش کئے ہیں۔ اور اپنی نظر کے سامنے آئی تھے، اشعار کے حوالے نہیں دیئے۔ اہم چند اشعار نقل کرنا یہاں خود کا بکھانا ہوں۔

تو اور آراشیں منیم ساحل میں اودا غلیمہ اپنے قند و راز
کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے دامنسا کسے کوئی
ہو جس کو بے نشا در کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو پیچھے کا مزا کیا
ہو ابا کیا ہے میں ماضی و حیرت شہیدانِ گہک سا خون بہا کیا

غالب کے آرش کی وجہ سے غزل حدیثِ دلبری سے بڑھ کر حدیثِ زندگی بنتی ہے۔ سوزِ زندگی کے مختلف دھندوں۔ کھڑکیوں اور انقباضات کا ساتھ دینے لگتی ہے۔ ایک حد تک تیر کا نقل بھی ایسی ہے۔ اور تیر جیسے بڑے خاص میں جو آفاقیت ملتی ہے اس سے مجھے انکار نہیں ہے۔ مگر غالب کے یہاں۔ جامع فکر و دھندوں سے زیادہ ہے۔ سوزِ غالب کا اسلوب آدھ شاعری کو گہرے فلسفیانہ سیاسی اور علمی انکار کے نظارہ پر غور کرو چاہیے۔ اس لئے جیسے میری کا شاعر جو ریاست سے اس طرح اجادہ میں نہیں بچا سکتا جس طرح یونانی تہذیب کے عروج میں چین تھا۔ غالب کے اسلوب سے متاثر ہوتا ہے۔ اقبال اور عرفی دونوں غالب کے خوشہ چیں ہیں۔

غالب نے آدھ شاعری کو تاریک و آجنگ دیا۔ مگر ان دھندوں میں ایک معنی میں نئی رنگ دی۔ غالب اگرچہ اپنا فارسی شاعری

کو اپنی آدھ شاعری سے انداز میں نثر کا آدھ شعر سے بہتر سمجھتا رہا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کی آدھ شاعری اہمیت، فارسی شعر سے زیادہ ہے۔

فارسی میں وہ ایک صاحبِ طرز انشا پرداز اور کچھ عشقِ شاد میں۔ مگر آدھ میں وہ جدید نثر کے بانی اور کچھ لوئیس کے رہنما ہیں۔ مثلاً:

کہ انقدر بیتِ غزل میں نہی شان سے جلوہ گر ہوئی ہے۔ ان کا ساوگ۔ بے ساختگی، دلچسپی اور گرفتِ بھر پور نقد و یاد آ رہا ہے۔ مگر سب سے زیادہ

اہم ان خطوط کے لیے ایک صفت ہے۔ غالب شاعری شخصیت پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کرتی۔ وہ جیسے جیسے ہوا سادہ کر رہے۔ انھوں نے

اپنی زندگی کا سنا نہی میں لکھ نہیں چھپایا۔ جب اس کا چھپانا گہر کر رہے زیادہ مناسب ہوتا۔ انھوں نے اپنے اولیٰ نقدِ نظر اس وقت بھی

اعلا کر دیا جب اس کی ہر طرف سے مخالفت ہو رہی تھی۔ انھوں نے نہی ڈالنے اور نہی نظام کی اس وقت تاہنیک جب لوگ اس پر اعتراض کرنا شہید

سمجھتے تھے۔ سوسید نے آئینِ اکبر کی تصحیح کر کے ایک بڑا تاریخی کام انجام دیا تھا۔ غالب اکبر کے نظامِ سلطنت پر نہ ہی نظامِ حکومت

کو ترجیح دینے بغیر نہ تھے۔ انھوں نے فیصلہ برپا کرنا طبع، اقواب کسبِ مال کاں کے اعتراضات سب کے سب میں اپنی اندرونی طور

قائم رکھا۔ وہ آگے اور دور ستوں سے غائب اٹھانے میں مائل نہ کرتے تھے۔ وہ دنیا کے سوداگرم دیکھ ہوئے تھے۔ واقعات تھے ہی وقت چلنا۔

انھیں جان عزیز رہتی تھی۔ مگر یہ اپنے اولیٰ نقدِ نظر کو ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ غالب کی شاعری میں غالب کی عظمت جھلکتی ہے۔

مگر غلو کے مطالعہ سے عظمت مزید ہوتی ہے غالب کی انسانیت ان کی لڑائی میں۔ ان کی وضاحتِ رائی کی آخری لمحے تک کوششیں، ان کی

کینہ پروری، ان کا اچھا پس منظر جس لئے کاویئے، مولیٰ کی لہو لہو کے آگٹ مانے پر دھندوں سے غلو و کتابت کر کے عالم خیال میں انھیں آرائی

کا دواؤں زندگی سے آخر تک لڑنے اور باوجود جو جانے کے بعد پھر طرزِ مزاج پیدا کرنے کا جذبہ، غالب کے غلو کو ایک سدا بہار جوائی

حفاظت کرتی ہے۔ اردو میں پہلے خط ہی جو صفوں میں چھپا ہے۔ میں میں تھا کہ وقتا پردازی کا جنون نہیں ہے۔ میں میں زبانِ قلم سے ہجر

کو رسالہ بنایا گیا ہے۔ میں میں غلطی اور وقت کے احساس کو بخوبی دیکھ گئے تھے شاید ایک بے قصوری تھی لہذا رہے۔ نثر تمسیری

میںوں گورکھ پوری

دیوانے غالب اور ازو غزلے

[illegible][illegible][illegible]

آدمیوں میں غالبیت کا اعجاز پہلی آنکھ سے دیکھنا ہی ہے۔ وہ دن دماغ و دھنوں کو غالب کرتا ہے۔ یہ لگاتی ہے۔ غالب کے شیطانی احساس اور ٹکڑے دھنوں کو چھوڑ دینے پر۔ اور دماغ کو اس سے سوجھ کر دیکھنا ہے۔ غالب کو مراد دیکھنا پہلی ٹکڑے شیطانی غلطی ہے۔ چنانچہ اس کے کلام کے سطر سے یہ کہیں جیتوں ملے کہ وہ انسان کی زندگی میں چند بار یہ بات

ہر گئی ہی سب کچھ نہیں بلکہ ہم کو حقیقت کے ساتھ اپنے تمام غامی غاروں، حادثات و حالات سے چھوڑ کر آفت وادب کا جائزہ لینا چاہیے اور ان کی حقیقت پر جاننا ضروری حاصل کرنا چاہیے۔

یوں تو غالب بھی غزل کا شاعر ہے اور غزل میں کوئی خاص نمکری لفظ یا ہنسا نہیں لکھتا ہے۔ لیکن "دیوان غالب" کو غزل کے ساتھ چھٹا جانے کو یہ آخر چتا ہے کہ زندگی اور زندگی کے حقائق اور مسائل کے متعلق شاعر کا ایک واضح اور مستقل نگاہ سیلان ہے جو اس شخص کے مخصوص اور شخصیت ذاتی اعتبار ہے۔ غزل کے مزاج کا غیر عشق ہے ہوا ہے جس کو عشق اور مدحوں کے باوجود اپنے اور عام غزل کے مسائل اور مستقل ترکیبیں سامنے ہیں۔ غالب کے کلام میں بھی یہ عناصر جاری اور نمایاں ہیں۔ گھر سے اس نے گزیر غزل کا اصلی مزاج اور اس کا ناموس ہے اور "باؤں و سانوں" کچھ بغیر جان بات بن نہیں داتی۔ وہ نہ غالب اور حقیقت سے زندگی کا شاعر ہے۔ وہ محبت کا مانگ اس نے لگا آقا ہے کہ محبت بھی زندگی کا ایک فطرۃ اور لازمی سیلان ہے۔ مگر حسن اور عشق کے میدان میں بھی غالب کا اندازہ بہت بڑا ہے۔ وہ حسن کا بڑا بڑا تسلیم کرتے ہوئے عشق کے دھار اور اس کی حاکمیت کا بتا رہا ہے۔ دیوان غالب میں اس شان سے متعلق جتنے اشعار ہیں ان کے بغور سے لاپرواہ ہوتا ہے کہ عاشق اور معشوق کونسا درجہ ہیں جو دونوں کا اپنا منصب اور اپنا ہمسفر رکھتے ہیں۔ غالب نے کچھ اختلاف بھی قریب نہیں کہا ہے لیکن معشوق ہے وہ کبھی اس میں غیر فطرۃ اور اپنے فطری منصب کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ اس کا بیجا بیجا ہے کہ معشوق کا مقام اپنی جگہ تسلیم لیکن عاشق بھی اپنی ایک حیثیت اور حریت رکھتا ہے۔ اور اس کی انسانی عظمت کے لیے بھی کچھ مطالبہ ہے۔ یہ غزل کو غالب کے اشعار کا موضوع ہوا ہے عشق ہوا ہے زندگی ہوا ہے اور کشتیوں سے یہ صورت اور آواز خاص کر اس کی شکر اور بے جا شکر ادا کرنا سبق ملا ہے۔

"دیوان غالب" نے ہم کو رہنمائی کے لیے ان کے انداز سے محسوس کرنا اور صحتاً نہیں سمجھا بلکہ ادا کیا یا سلیقہ بھی بتایا۔ اسلوب بیان میں بھی غالب اپنا انفرادی مقام رکھتا ہے۔ اور وہ کبھی کبھار نظر کا اقتدار نہیں ہے اس کا انداز بیان بھی "اور ہے۔ وہ افکار اور الفاظ کے میدان میں مکمل ایک رنگ کا حامل ہے اس کے اسلوب میں ایک وقت متعلق تریب اور بیانی تہذیب کا احساس ہوتا ہے۔ الفاظ ہیں یا تشبیہات و استعارات وہ ان کو ٹھیک کیلئے نہ فرما سکتا اور بڑے حسن و آراہ قریب کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ دیوان غالب میں عشق سے دو چار اشعار ایسے نکلیں گے جو اپنی تمام تہ و تہذیب عاشق کے ساتھ حسن و صوفی سے مالا مال ہیں۔ غالب جس وقت انوس سے افسانہ لکھا یا غزل کی ترکیب یا انجمن سے انجمنی تشبیہات و استعارات سے کام لیتا ہے اس وقت بھی وہ حسن و چمک کر بات سے جانتے نہیں دیتا۔ اس کا شعور آسان ہوں یا مشکل پاسد خیال میں بالکل پہل لیکن وہ کم سے کم ایسے کو کہتے ہیں کہ انارک سے بزرگ سانس پر گاہے جا سکیں تو غزل غالب کا ہر مصرعہ بقول "گاز کز کھنڈی" کا یاد رہا ہوتا ہے۔ پھر موسیقیت یعنی غزل کی انداز بھی جوتی۔ بلکہ اس کے اندر معنوی گہرائیوں کا احساس ہوتا ہے۔ ایسی ہیئت اور بے غفل موسیقیت غالب کے لیے صرف اقبال کو نصیب ہو سکتی۔

یہ ہے وہ فکر و دیوان غالب سے ایسے شعروں کو طے کرتا تو اس کا خیال اور اقبال کی حتمی زبان میں پیدا اور زندگی نے انھیں طے کئے والی شاعر کے بعد میں لکھے ہیں نہ جانتے تھے یہ کونسی اور جادوی اور جادوی آئندہ شاعر کا موضوع غزل تک نہ جانے کبھی کبھی یہ سب سے بڑی ایک موقع پر کیا کہ انھیں نے عشق میں کو پیدا کیا اور شاعر میں نے بالی تمام شعرا کو تہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ غالب سے اقبال پیدا ہوا اور اقبال سے بعد کے تمام آئندہ شعرا پیدا ہوئے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی

غالب

ساتھ اور شاعر سے جسے کہتے ہیں

حیات غالب

غالب کی زندگی بڑی پہلو دار تھی۔ وہ شروع سے آفرنگ تہہ در تہہ نظر آتی ہے۔ اگر میں ان گنت لشیب و فدا و دکائی دیتے ہیں۔ وہ ایک حسین پرائی سلسلے کی طرف حسین اور دل آویز، پر شکہ اور شان و در ہے۔ خیال و خیال دونوں اس میں گلے ملتے ہوئے دکائی دیتے ہیں۔ رومان و حقیقت کا اس میں ایک نہایت دلکش اور دل موہ لینے والا اختلاط نظر آتا ہے وہ سیدھی سادہ اور سہاٹی نہیں ہے۔ اس میں تو مسد و جزر کی سی کیفیت ہے۔ وہ حادثات سے بھر پور ہے۔ وہ مسلسل جدوجہد کی ایک داستان ہے وہ ایک بے چین روح کی کہانی ہے۔ اس میں فدا و امانی شان شروع سے آفرنگ اپنے شباب پر نظر آتی ہے اس میں جو دیکھنے کا جلا سامان ہے۔ اور اس میں مشابہتیں کہ وہ قدم قدم پر انسان کو اس مسد و جدوجہد کی ہے کہ وہ اس میں گم ہو کر اپنے آپ کو فراموش کر جاتا ہے۔

مرزا غالب کا خاندانی سلسلہ آبی سلوٹی تک پہنچتا ہے جنہوں نے صدیوں تک عکرائی کی۔ غالب کے پردادا مرزا ترمس خاں تھے جنہوں نے سہرگئی کا پیشہ اختیار کیا۔ اور سر قندس آباد ہوئے۔ ترمس خاں کے بیٹے اور غالب کے دادا مرزا غوث خان میگ خاں کسی بات پر اپنے والد سے ناراض ہو کر شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ پہلے کچھ عرصے ان کا قیام لاہور میں رہا۔ لیکن بالآخر وہ دہلی چلے گئے۔ مرزا غوث خان کی ملازمت کی۔ اور انہیں کے شہسوار شاہ عالم کی سرکاد میں ملازم ہو گئے۔ مرزا غوث خان میگ خاں کے ایک بیٹے مرزا ترمس خاں تھے۔ یہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور اسی مرزا میں پرورش سنبھالا۔ ان کی شادی اگر سے میں مرزا غلام حسین خاں کی بیٹی عزت النساء سے ہوئی۔ غالب انہیں کے فرزند ارشد تھے۔ ان کی ولادت اگر سے میں ۱۲۵۴ھ سنہ ۱۸۳۷ء میں ہوئی۔ اور ان کا بچپن اپنی ننہیالی میں گذرا۔ یہاں انہیں پر عرب کا آرام نصیب تھا۔ غالب پانچ برس ہی کے تھے کہ ان کے والد بھگت میں ماسے گئے اور ان کے چچا نصر اللہ بگٹاں نے ان کی پرورش کی لیکن وہ بچا دیا وہ عرصے نہ چلے۔ غالب بمشکل دس برس کے تھے کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب ان کے سر پر کوئی لیا بزرگ در اجرائی کی نگہداشت کرنا چاہتا تھا۔ ان کا بچپن بے راہ رفتی اور اُبال میں گذرا۔ تنگ و اتارنے شطرنج

کھیلنے اور جنگ سے بہرہ پار کرتے۔ اس کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا لیکن تعلیم میں باقاعدگی انہیں نصیب نہ ہو سکی۔ زبان اور ادب کے شغف تھا چنانچہ چوبیسویں عمر معظم اور ملا عبد الصمد سے فارسی زبان اور ادب کا درس لیا۔ شاعری بھی چھپن ہی سے شروع کی۔ اس وقت ادب کی زندگی اور روحانیت پسندی نے اس کو آتش مشرق کو کچھ اور بھی بھر دیا۔ تیرہ سال کی عمر میں ایک شخص حاکم معروف کی بیٹی امراؤ بیگم سے ان کی شادی ہو گئی۔ اور وہ دلی منتقل ہو گئے۔ دلی میں دماغ میں بغیر حالی عہد گہری اور عہد شاہجہانی کی یاد تازہ کر رہی تھی۔ علم و ادب کے جذبے سے مایوس سرزمین پر جم جیسے اس ماحول کا اثر غالب پر بہت گہرا ہوا۔ اچھی صحبتوں کے اثر سے انہوں نے علم و ادب و فن کی طرف توجہ کی۔ شاعری میں توفیق دیکھ کر انہیں نیکلا کر تمام رنگ اس کے سامنے مانڈ پڑ گئے۔ سیاسی اور معاشی اعتبار سے اس زمانے میں دلی کی حالت اچھی نہیں تھی خود شاہی خاندان کا حال و گزروں تھا اس لئے ملالی پریشانیوں ان کے دم کے ساتھ رہی۔ بیاد شاہ بادشاہ تھے انہیں شعر و شاعری سے دلچسپی تھی۔ خود بھی شاعر تھے۔ لیکن انہوں نے ذوق کی شاعری اختیار کی تھی۔ اور غلبے میں انہیں کا طبعی ہونے تھا۔ ذوق کی سوجھ بوجھ میں غالب کی رسائی غلبے تک نہ ہو سکی۔ اور اس بات کا انہیں سلاں بھی رہا۔ غالب پیشانی پر ہر وقت چھپانے کے لئے انہوں نے جانے کیا کیا کچھ کیا۔ بیرون ہاتھ پاؤں ملائے۔ راپور اور ٹھکڑے سے رابطہ پیدا کر کے گوش کی پیشکش حاصل کرنے کے لئے لکھنے کا سفر کیا۔ لیکن نا آسودگی جو قسمت میں لکھی تھی۔ اس کو نہ مٹا سکے۔ اس پرستم ہائے مسموم یہ کامیابی کا لہر نہیں آیا۔ جا رہے تھے قید میں بسے۔ غلبہ کا ہنگامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ایک گوند بے فروی کے لئے شرابی تاکہ زندگی اور زمانے کا سارا غم اس میں دفن ہو جائے۔ لیکن یہ غم جلاں کا دامن چھو رہا ہے۔ غالب زندگی بھر اس کے سیر رہے۔ لیکن اس کے باوجود زندگی کو بسر کرنے اور اس کو برستے کا جال ایک لئے کو بھی ان کی آنکھوں سے اچھل گیا۔ ہوا۔ زندگی ان کے لئے ایک چتر مسلسل رہی۔ مرنے تک انہوں نے آمدنی کی تیج کو فروزاں رکھنے کے لئے جبر و جبرباری دی۔ ہزاروں

سن ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۳ء اور ۱۸۷۳ء سے ۱۸۷۵ء تک قید خانہ کی آغوش لیا۔

حیات غالب کے ان واقعات کی تفصیل ان کے بارے میں لکھی ہوئی بکریں ہیں۔ چل جاتی ہے۔ حالی کی یادگار غالب سب سے پہلی کتاب ہے جس میں معروف ان کی زندگی کے واقعات کو سلیسے سے یکجا کیا گیا ہے بلکہ ان کی شخصیت کی بھی بڑی دلکش تصویر کھینچی گئی ہے۔ اگرچہ حالی کی یادگار غالب کے بعد کی ایسی کتابیں اور بھی لکھی گئی ہیں جن میں حیات غالب کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یادگار غالب ان سب میں منفرد نظر آتی ہے۔ شاہ جاس کا ایک سبب یہ ہے کہ حالی نے غالب کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ان کی حیات اور شخصیت کے بارے میں اجسی ایسی تفصیلات پیش کر سکتے ہیں کہ کیا یہ جتنے ہیں۔ جن تک دوسروں کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود حالی کی اس کتاب کو غالب کی حیات اور شخصیت پر حرف آخر نہیں کہا جاسکتا۔ حالی کے بعد ان کی حیات پر جن ایم کتابیں اور لکھی گئی ہیں ایک نور مولا غلام رسول ہری۔ غالب۔ دوسری ریخ محمد اکرام کی، غالب نامہ۔ جواب "نامہ غالب" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اور تیسری مالک رام کی "ذکر غالب" یہ تینوں کتابیں اپنی اپنی جگہ اہم ہیں۔ ہر ایک نے بڑی محنت اور سلیسے سے غالب کے غلبہ کو سامنے رکھ کر ان کی زندگی کے واقعات عرق کے ہیں۔ شیخ اکرام نے غالب کی زندگی کے واقعات کو سامنے رکھ کر ان کی زندگی اور شخصیت کا تجزیہ کیا ہے۔ اور مالک رام نے بڑی تحقیق اور تلاش میں جو کے

بعد اُن کی زندگی کے واقعات کو بیان کیا ہے اور ان کے اخلاقی و عادات کی وضاحت کی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کتاب کو بھی غالب کی باقاعدہ سوانح عمری نہیں کہا جاسکتا۔ ”یا دکنشہ غالب“ نے ”شک کسی حد تک اُن کی سوانح عمری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس میں غامبیہ ہے کہ حالی نے بے تکلفی کے ساتھ کُل گمران کی حیات و شخصیت کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہئے تھا نہیں کہہ سکے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حالی کے مزاج کی ثقاہت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ دوسرے دن کے تعلقات غالب سے بڑی بری کے نہیں تھے۔ اس لئے وہ بہت سی باتوں کو نظر انداز کر گئے ہیں اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس میں دیکھنا چاہئے کہ کتنی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کی شخصیت کے بعض اہم پہلو اس میں دب جاتے ہیں۔

غالب اس اعتبار سے خوش قسمت ہیں کہ ان کی حیات اور شاعری پر اب تک خاصا تحقیقی اور تنقیدی کام ہو چکا ہے کئی اہم کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں۔ کلام بھی بار بار مرتب ہو کر شائع ہو چکا ہے جس میں سب سے اچھا ایڈیشن وہ ہے جس کو امتیاز علی خاں عروسی نے نہایت محنت سے مرتب کیا ہے۔ اور تنقیدی مضامین کی تعداد بڑھتی رہی ہے۔ ایک پہلو یہ ہے کہ علامہ اقبال نے ان کی حیات اور شاعری پر ایک عمدہ ماحول بنا دیا، انبیاز فتحپوری، قاضی حمید الدود، حمید امجد، اشید احمد صدیقی، آل احمد سوز، احتشام حسین، خورشید اسلام، اختر ادریس، مختار الدین احمد اور ممتاز حسین وغیرہ نے غالب پر اپنی دیکھ بھال دی ہے اور ان کی مضامین کا یہ سلسلہ بند نہیں ہوا ہے۔ یہ تو اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ ادب و ثقافت زندہ رہے گی جس کے ایک بہت بڑے علمبردار غالب تھے اور جس کی روح ان کی شاعری میں ابھی طرب اپنے آپ کو رد نہا کر رہی ہے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر یہ احساس کچھ اور بھی شدید ہو جاتا ہے اور یہی کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے کہ اردو کے شہساز شاعر ہونا کام ہو رہا ہے لیکن ابھی تک اس کی حیات کے واقعات کو سامنے نہ کر سکیں گے اس کی کوئی ایسی سوانح عمری نہیں لکھی جو اس کی حیات اور شخصیت کی شایان شان ہو۔ مواد موجود ہے، تحقیق کرنے والوں نے بہت سی باتوں کا سراغ لگا لیا ہے۔ غالب کی تحریروں کی بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں جو اس کام میں مدد و معاون ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ کام وہی شعر کو سننا ہے جس کے پاس اس بات کا شعور موجود ہو کہ واقعات حیات کا جو گمراہ سوانح عمری نہیں ہے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔

غالب کی عظمت

غالب ایک عظیم شاعر ہیں۔ ان کی شاعری عظمت کو سب ہی نے تسلیم کیا ہے۔ اردو میں شاید وہ تنہا شاعر ہیں جنکی شاعری دل نشین اور دل آویز ہونے کے ساتھ ساتھ خیال انگیز اور فکر پرانی ہے۔ وہ دونوں کو سمجھتی ہے۔ اس پر مبنی لائق اور مدوح پر غور کیا جائے تو یہ بات بھی نہیں ہو جاتا۔ وہ فکر کو اُن قدر بھرا دیتی ہے کہ اس کے ہاتھوں ذہن میں اُٹھتا ہے۔ یہی وہ ہے اردو ادب کی بڑی اور شعور سے بھرپوری کمی پیدا کرتی ہے۔ غالب صرف محرمات ہی کے شاعر نہیں ہیں، ان کے یہاں خود فکر اور سوچ بچار کا بھی خاصا سامان ملتا ہے۔ وہ زندگی کو دیکھتا اور بسر کرتا نہیں سمجھتا کہ اس میں

حقیقتوں کی تلاش و جستجو کا دس ہی دیتے ہیں۔ اور دعوت یہ بلکہ ان حقیقتوں کے مختلف پہلوؤں کا اور ان کے ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ وہ بلا پر عمل سے بات کہتے ہیں لیکن اس کی تہ میں انسانی زندگی کی کوئی بڑی اہم حقیقت چھپی ہے بار بار انظر میں وہ کوئی ہیبت یا معمولی سا خیال پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس کی تہ میں کوئی بڑی فلسفیانہ نگاہ چھپی ہے۔ غالب انسان بھی ہیں اور شاعر بھی۔ فکر بھی یہی ملے گی۔ زمانے کے تباہی بھی ہیں۔ تہذیب کے علم نہ رہا بھی۔ اور ان کی شاعری شخصیت کے اچھے پہلوؤں کی ایک نہایت ہی سچ اور دل آویز تصویر ہے۔

اس تصویر پر عظمت کا رنگ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ بڑی ہی با وقار معلوم ہوتی ہے۔ وجہ ان کے ایک ایک انداز سے لکھتی ہے۔ شان و شکوہ اس کے پہلو سے چھوٹا پڑتا ہے۔ اس میں جلال بھی ہے جلال بھی۔ گری بھی ہے سرور بھی۔ تیرا بھی ہے غری بھی۔ شدت بھی ہے آسپاس بھی۔ بلند آہنگی بھی ہے آہستہ مدنی بھی۔ اس میں جرات و شجاعت ہے بڑی ہی دھنیں ہیں۔ وہ ہمت پہلو رکھتی ہے۔ بلکہ بڑی ہی پہلو دار شاعری ہے۔ وہ آئینہ اور آئینہ دکھاتی بھی ہے پر غصہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ سکتا ہے۔ ہر فرد کو اس میں اپنے گرد و پیش کی تصویر نظر آ سکتی ہے۔ اُسکا رنگ میں اس جہد کے دل کی آواز سنائی دے سکتا ہے۔ بلا پر وہ صدمہ دے دے مگر وہ غرت نگاہ سے غزل سے باہر نہیں نکلتی لیکن اس کی وسعتوں کا کوئی انداز نہیں۔ اس میں افتخار و جلال ہے لیکن اس میں جوش و گہرائی اور گہرائی ہے وہ کسی دوسری جگہ ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔ ہر چند وہ شدت و خیر انداز و سادگی سے گہرا جہد رکھتی ہے لیکن اس کی تہ میں بے نظریہ کا بیان اور بے کلامی کی خشک کو دیکھا اور نہ جاسکتا ہے۔ وہ بڑی ہی مدنی اور پرکار شاعری ہے۔ اس کو دیکھ کر حسن اوقات انگلیں خیر ہوجاتی ہیں۔ لیکن اس کی جگہ جگہ دوں کو ٹھہرا دیا ٹھہر کر سو سو خوشی ہے۔ وہ بڑی ہی صریح اور نہ گوار ہے اور اگر اس میں ان مشبہتوں کا سامنا ماحول نظر آتا ہے جس میں بد وقت رنگ و بو دکھائی دیتی ہے۔ اور میں کی آپ وہاں اور جگہ ایک میں حسن و جمال بھی نظر آتا ہے اور عظمت و جلال بھی!

غالب غزل کے شاعر ہیں۔ انہوں نے غزل کے بنیادی موضوعات حسن و عشق کی حقیقت سے بڑی ہی بھرپور تصویریں کھینچی ہیں۔ ان کی عشقیہ شاعری زندگی کے محسوس ہے۔ وہ زندگی آمیز زندگی ہے اور زندگی آواز بھی۔ اسی لئے وہ زندگی سے بیزاری نہیں دکھاتی بلکہ زندگی بسر کرنے کا درس دیتی ہے۔ اس میں جذبات کی بڑی اہمیت ہے لیکن وہ تمام تر عین بات نہیں ہے۔ اس میں روانیت کے اثرات ہیں لیکن روانیت جو نئے سے اس کو دوہرا بھی واسطہ نہیں۔ اس میں ایک فرد کی انفرادی کیفیت کی ترجمانی ضرور ہے۔ لیکن وہ ایک سماجی ہی منظر بھی دکھاتی ہے۔ وہ اپنے زمانے کی پیداوار ہے۔ اس زمانے کے مخصوص حالات کا عکس اس میں نمایاں نظر آتا ہے اسی لئے اس کا ایک سماجی اہمیت بھی ہے۔ وہ ایک تہذیب کی عکاس اور آئینہ دار ہے۔ اس میں فوری ذہنیت کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ لڑ بھائی انسانی جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ اس سے انسانی زندگی کے جذباتی پہلوؤں کا رنگ اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں بڑی ہی سمجھ بوجھ ہے۔ وہ بڑی ہی پاک عادت اور شجاعت ہے۔ جیسے کوئی سسٹم میں داخل کر لیں جو۔ اس میں تہذیبی پہلو بھی ہے۔ وہ بڑی ہی ہنس ہے اسی لئے تہذیب کی اور میزبان بناتی ہے۔ اس سے دونوں ہی تاریکی اور گھبراہٹوں میں اندھیرا نہیں ہوتا۔ وہ تو زندگی میں تمہیں ہی فروزاں کرتی اور دونوں میں دیہے سے جاتی ہے۔ روشنی دینا اور غم کو نہ رہ جاتا اس کے چہرے نظر رہتا ہے۔ اور ہر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ جذباتی زندگی کے شعور کو عام کرتی ہے۔ اس کے مختلف پہلوؤں کو چھوڑا اور غم نہ دکھاتی ہے۔ اسی لئے اس کے خاص جذباتی پہلو میں بھی ایک نگرانہ آہنگ کا احساس ہوتا ہے اور ایک فلسفیانہ ذرا لڑ

نثر کی حسیات دکھائی دیتی ہے۔

یہ عشقہ شاعری سیدھی اور سہل نہیں ہے۔ اس میں ایچ ڈی بی - نشیب و فراز ہیں۔ یہ غامی پہلو دار ہے۔ اس میں تپسوی۔ اس میں دوزخ ہمارے۔ اشارہ دکھائی ہے۔ یہ کہہ نہ سکتے ہیں جیسے کہ کیا کیا کہہ سکتے ہیں۔ اسی لئے اس میں معنی گہرائی کا احساس بھی ہوتا ہے اور سوزی گہرائی بھی نظر آتی ہے۔ غالب کی حکمت اس میں ہے کہ عشقہ عرفیات کو پیش کرتے ہوئے وہ جواباً کاٹھا رہتا ہے۔ دینی الجھنوں کے ان کا راستہ نہیں رکھا۔ اسی لئے ان کی صورت مستح نہیں ہوتی۔ وہ اس وقت کے ایک عام صنعت مند انسان کی دینی و عرفیاتی کیفیت کی پوری طرح ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ انسان ایک خاص معاشرے کا فرد ہے۔ چنانچہ اس کی تمام حرکات و سکنات اس معاشرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اسی لئے اس کی ایک - ایک بات میں اس معاشرے کا لمس نظر آتا ہے۔ غالب نے اسی معاشرے میں پرہیزگار پائے والے فرد کی مذہبی و ادنیٰ کے مختلف پہلوؤں کو اپنی عشقہ شاعری میں بے نقاب کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ غالب کی عشقہ شاعری اپنی ایک مضبوط بناؤ رکھتی ہے۔ وہ معنی جاتی نہیں ہے۔ اس میں حقیقت و درحقیقت کا خون ہے۔ غلو و صداقت کی گڑبگڑ ہے۔ اس کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس کا آغاز عشق پرستی سے ہوتا ہے کہ چونکہ سچی انسانی فطرت میں داخل ہے۔ غالب نے اس میں کو اپنے اس پاس اور گرد و پیش دیکھا ہے۔ وہ اس میں سے شکر فرم رہے ہیں۔ اس نے ان کے دل کو چھوا ہے۔ ان کی زندگی میں رنگینی پیدا کی ہے۔ اور اس طرح یہ زندگی ان کے لئے ہلکے صحن اور دینا مضرب کی دل آویز بن گئی ہے۔ غالب نے اس میں اور دل آویزی سے زندگی کو لبرکنا سیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی ان کے لئے ایک فن بن گئی ہے۔ اور انہوں نے ہمیشہ اس کو ایک فن ہی سمجھا ہے۔ ان کی سادگی شاعری میں اس خیال کا ایک لہرہ دہری ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ زندگی کو فن بنانے کی فکر میں تھک چکے ہیں۔ یہ کائنات ان کے ہاں برابر جاری رہتی ہے۔ اس لئے ان کے یہاں زندگی کے سائیکے اور اس کا سوز بھی بڑا جلا نظر آتا ہے۔ جب انہیں زندگی میں خاطر خواہ خوش نہیں ملتا اور وہ فن بنتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی، تو وہ اس اور انگین دکھائی دیتے ہیں۔ عروقی طور پر دیکھئے کہ انسان کو ان کے یہاں پیدا ہوا ہے۔ یہی ان کے فطری مینڈا انہیں زندگی کو صحن دیکھنے کی بنا ہے۔ جب یہ تمنا پوری نہیں ہوتی۔ تو وہ اپنے اوپر اور اسی طاری کر لیتے ہیں۔ ان کا دل تم کھانچا میں بہت بڑا ہے۔ ان کے لئے بے لگھام کے کم ہونے کا رنج بھی بہت زیادہ ہے۔ بلکہ یہ تو ان کا طبع ہے۔ اسی غالب نے سن کو اتنی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ ان کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ان کی زندگی میں ہر چیز میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کو اتنی اہمیت دی ہے۔ اسی کا سوز بھی سہی بھی ہے۔ انسان کی گہرائی بات بھی اس سے آتی ہے۔ وہ یہ کہ غالب کی زندگی لبرک کرنے کے لئے ایک حسّی نظر کا اتنا خاک لہر میں سر بھی کیا۔ ان کی مثال میں ہی تہذیب کو چھوڑا کرتا ہے۔ اور اسی سے خود بھی متاثر ہوتی ہے۔ غالب کی زندگی اور فن کا محور ہی سن اور اس کے مختلف پہلو ہیں۔ یہ سن غالب کی ہاں کسی ایک چیز تک محدود نہیں اس کا کل دخل زندگی کے مختلف اور متنوع پہلو ہیں۔ وہ تو انہیں بڑا چھوڑا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی لئے تو وہ چلائے کے ساتھ اس کو سمجھتے ہیں اور سوچنے کیلئے مجبور ہوتا ہے کہ یہی چیز جو لوگ کہتے ہیں کہ ان کا محور و محور ہے؟ لیکن زلف منبری کیوں ہے؟ اور نگہ چشم سرور کی کیا حقیقت ہے؟ اور معرفت یہ بلکہ یہ خیالی گی ان کے یہاں محور و مرکز کی حرکت پیدا کرتا ہے کہ اس کے علاوہ زندگی میں جو سن ہے وہ کہاں سے آیا ہے؟ سرور و گل کے سن کا منبع کیا ہے؟ اگر کیا چیز ہے؟ کیا کیا چیز ہے؟ اور یہ سلسلہ کیوں رکتا نہیں۔ غالب کی شاعری میں انہیں خدا کی مابینوں کی تلاش و جستجو ہے۔ اس کا آغاز حیرت سے ہوتا ہے۔ اور حیرت کی خود و فکر کا نیا ہے۔ لیکن

غالب صرف اس حوزہ فکر پر تک اپنے آپ کو محدود نہیں رکھتے۔ غور و فکر کے ساتھ ساتھ اس سے لطف اندوز ہونے اور اس کے ہاتھوں پیدا ہونے والی مسرتوں سے سینہ بھر لینے کی تمنا بھی ان کے یہاں جاری رہتی ہے۔ اس صورت حال سے ان کی عظمت کو مبالغہ آلود ہے اور وہ اس کے لئے ایک مستون بن جاتی ہے۔

غالب کے عشق کا منبع بھی اسی میں اور اس سے پیدا ہونے والی لذت ہے۔ اس کا وجود عشق سے بھی بڑے اور ماضی سے بڑے کے نتیجے ہی میں ہوتا ہے۔ اور عشق سے یہ دلچسپی انسانی فطرت میں داخل ہے۔ اسی لئے غالب کے نزدیک عشق ایک بنیادی انسانی جذبہ ہے۔ اس کے بغیر انسان کی تکمیل ممکن نہیں۔ غالب اُسے ایک رشتہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ ایک علق ہے۔ ایک لگاؤ ہے۔ ایک نسبت ہے۔ جس کی نوعیت بہ یک وقت جذباتی بھیجے ذہنی بھی، جسمانی بھی ہے۔ روحانی بھی۔ لیکن غالب فطرتی عشق کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ روحانی ہی۔ ان کے عشق میں اس روحانی مزاج کے اثرات بھی ملتے ہیں۔ لیکن اسے باوجود وہ عشق کو تمام تر تخلیقیت تصور نہیں رکھتے۔ ان کی شاعری میں تو عشق عام انسان کا عشق رہتا ہے۔ اسی لئے وہ اسے انسانی جذبات کی جذباتی زندگی کا ایک نظام سمجھتے ہیں۔ خواہش اور جذبہ اس عشق کی بنیاد ہے۔ انسان اس خواہش کی تکمیل اور اس جذبے کی تسخیر جانتا ہے۔ اس لئے رابطہ بنتے ہیں اور دوستے قائم ہوتے ہیں۔ اور انسانی زندگی کے نشیب و فراز انہیں رشتوں اور اصولوں کے گرد گھومتے ہیں۔ انسان ان کو قائم ادبائی رکھنے کے لئے رہا جانے لیا گیا کچھ کرتا ہے۔ عجیب عجیب حرکتیں اس سے سرزد ہوتی ہیں۔ لیکن وہ اس سے امن نہیں بھرا سکتا۔ بہر حال غالب کے عشق کی نوعیت انسانی ہے۔ اس کی بنیاد میں حقیقت پر استوار ہے۔ وہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ لیکن اس کی تکمیل آسان نہیں۔ اس کے لئے قرب جانے لیا گیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ رہا جانے لگے کیسے بہت خون غم کرنے پڑتے ہیں۔ تب آپس جا کر وہ روتی ہوئی ہاتھ لگا کر بٹاتا ہے۔ اور اس کے بغیر انھیں بے شمع نظر آنے لگتا ہے۔ عشق کی طبیعت کو زلیلہ تھمنا ہے۔ وہ اسے درد کی دوا بھی سمجھتے ہیں اور درد لادوا بھی۔ لیکن عشق کی آناشوں سے گردنا۔ ان کے نزدیک آسان نہیں۔ وہ تو اس کو ضرور پیشہ سمجھتے ہیں اور اسی لئے ان کے خیال میں وہ طلب گار مرد ہوتا ہے۔ اس سے عہدہ برا ہونے کے لئے قربان ہو جانے کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو انسان اس کی دیکھ ہی نہیں رہا ہے۔ غالب عشق کا ایک فعال تصور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے زندگی اور اس کی کشمکش سے الگ کر کے نہیں دیکھتے۔ اسی لئے سماجی زندگی ان کے خیال میں آتش پر افرا انداز ہوتی ہے۔ وہ سماجی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ حالات ہی اس کی قدریں متعین کرتے ہیں۔ ماحول ہی اس کی معیاروں کو بناتا ہے۔ یہ خیالات غالب کے عشق کو حقیقت سے قریب کرتے ہیں۔ اس کی حیثیت تمام تر جذباتی نہیں رہتی۔ وہ محض غم عشق کو ہی سب کچھ نہیں سمجھتے۔ غم حیات کو بھی دیکھتے ہیں۔ بلکہ بعض جگہ تو غم حیات کا خیال ان کے یہاں غم عشق پر غالب آجاتا ہے۔ اور غم حیات ایک ایسی چیز ہے کہ محبوب کی وفات سے بھی اس کی نکالی نہیں ہو سکتی اور پھر عشق غالب کے یہاں صرف دنیاوی معاملات ہی تک محدود نہیں ہے۔ وہ ایک روحانی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اس لئے غالب کے اس وجدانی پہلو پر بھی غور کرنے میں۔ اور یہی ہے ان کی شاعری میں عشق کی جگہ پر تخلیق اور اس کے فلسفیانہ ذخیرے کا آغاز ہوتا ہے۔ غم غالب کے تصور عشق کی نوعیت انسانی ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کے اظہار میں زندگی کے فنِ عزت نفسیاتی اور اخلاقی حقائق بے نقاب ہوئے ہیں۔ غالب کی عظمت اس میں ہے کہ انہوں نے ان سب

پیش کرتے ہیں ایک فلسفیانہ آہنگ کو پیش کیا ہے۔ اور اس فلسفیانہ آہنگ کے ساتھ ایک انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ جو کچھ وہ دیکھتا ہے، جو کچھ محسوس کرتا ہے جو کچھ سوچتا ہے، ان سب کی تصویریں غالب کی شاعری میں ملتی ہیں۔

اس عشق پر مشتمل شاعری ہی سے اس حقیقت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ غالب کا مزاج بنیادی طور پر فلسفیانہ ہے اور یہ فلسفیانہ مزاج کسی محدود کا پابند نہیں ہے۔ یہ تو سبیلوں کو یکسر انہیں ہونا چاہتا ہے۔ اُس کی نظر تو ساری انسانی زندگی پر پڑتی ہے۔ وہ تو کل کائنات کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے۔ غالب نے بھی اپنے آپ کو صرف عشق اور اس کے مختلف پہلوؤں کی قرب جاتی ہی تک محدود نہیں کیا ہے۔ انہوں نے عشق کو وسعت عطا کر دی ہے۔ اس کو متنوع معاملات کا حامل ضرور بنا دیا ہے۔ لیکن وہ اس دائرے سے باہر بھی نکلتے ہیں اور حیات و کائنات کے مختلف مسائل کو بھی اپنا موضوع بنا دیتا ہے۔ ان معاملات کی نوعیت بالعموم الطبیعیاتی ہی ہے اخلاقی بھی، انضباطی بھی، عمرانی بھی، غالب نے ان سب میں فلسفیانہ عقائد کی تلاش و جستجو کی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں انہوں نے محتاط رہنا بھی کی ہے وہ کسی مذکورہ سے انسان اور انسانی زندگی کو کہنے میں معاون ضرور ہوتی ہیں۔ غالب ان باتوں کو اسی مقصد سے پیش کرتے ہیں۔ ان میں انسان کی طبعی اس کے ارتقاء اور تہذیب کا خیال ہوتا ہے۔ غالب کے نزدیک انسان عظیم ہے، اُس کی عظمت کو کوئی شک کا نہیں۔ یہ دنیا، یہ زندگی یہ ساری کائنات انسان کی ہے۔ انسان کے لئے ہے۔ انسان دھرتی کی کوئی حیثیت نہیں۔ ان کو انسان سے الگ کر کے دیکھا جائے تو اس کی کوئی حقیقت باقی ہی نہیں رہتی۔ اسی لئے انسان کی عظمت کا خیال غالب کے یہاں سب سے دیا وہ نمایاں ہے۔ لیکن اس کی وضاحت انہیں نے۔ براہ راست نہیں کی ہے۔ بالواسطہ طور پر اس خیال کو جگہ جگہ واضح کیا ہے۔ چوں کہ یہی وہ انسان کی زندگی، اُس کی محرومی اور ناگہانی کا بیان کرتے ہیں، وہاں درحقیقت تہذیب ہی خیال ہوتا ہے۔ انسان کی عظمت کا احساس زندگی میں انسان کی محرومی کے خیال کو آشکارا کرتا ہے۔ غالب کا بیان عینیت کی طرف ہے۔ اس لئے وہ وہ انسان کے لئے ایک مثالی ماحول کی تلاش کرتے ہیں۔ اور یہی زندگی ہے اس کے لئے یہ ماحول نہیں پیدا ہوتا تو وہ اس کی تلاش کرتے ہیں اور یہ خیال ہر ممکن کے پہلوں پر ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اس ماحول کے نہ ملنے کے باوجود زندہ رہتا ہے، اور اسی میں اس کی عظمت کا راز ہے۔ زندگی انسان کو جیتی نہیں دیتی۔ زندگی میں جن چیزوں کی وہ تشکر کرتا ہے، وہ اسے غصیب نہیں محسوس۔ لیکن اس کے باوجود زندگی سے نہ نہیں مڑتا۔ بلکہ ان ناسا دکھ و مصائب میں بھی زندگی بسر کرتا ہے، غلاب کی فکر میں ان خیالات کی گونج جگہ جگہ شاعری میں ہے۔ ہر وہ درحقیقت انہیں کی بدولت عظمت سے ہمکنار ہونے ہوئے نظر آتے ہیں۔

غالب کو اپنے مسائل کی تصورات پر چڑانا ہے اور وہ اس پر بڑا غور کرتے ہیں۔ اور یہ غور زمانہ بے جا نہیں ہے۔ کیوں کہ اُن کے یہاں تصوف انسان اور انسانیت کی ذہنی اور روحانی تہذیب کے لئے ایک راہنما ہے۔ غالب اس تہذیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور انسانی ارتقاء میں ان کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی لئے اس کا ہر رانظام غالب کے یہاں ملتا ہے۔ تو حیدر غالب کا ایمان ہے لیکن یہ تو حیدر صرف ذات باری کے بیان ہی تک محدود نہیں۔ وہ تو اس سلسلے میں وسعت الوجود کے تمام پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں اور اس کا مقصد صرف انجیل یعنی انی ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان

کو بعض حقدار یا جہاں پر ہے۔ کہ ان حقدار میں سے کوئی انسان کی دنیا تہذیب پرستی ہے۔ اصل خود روشا ہد شہو کی ایک پہچان، ہر جہاں کو ہر وہ سائنس دان، ایک برق قوس کے جلوے سے نہیں آتا، اس لیے ہر چیز کو سرشار و یکجہاں اور اس طرح کی ان گنت باتیں جو غائب کی پہچان ہو، جگر غمی میں وہ حقیقت ان کی بنیاد انسان کی دنیا تہذیب پرستی ہے۔ اس طرح سوچے بغیر انسان کی زندگی کو نہیں سمجھ سکتے، اور اس کی اصل حقیقت اس کو واقعت نہیں ہو سکتی۔ ان خیالات کے بغیر انسان کی زندگی میں بے راہ و دی بھی پیدا ہو سکتی ہے جو مادیوں کا خیال اس کی نظروں سے اجڑا ہو سکتا ہے۔ بنیادی انسانی قدیم اس کے یہاں نظروں سے ہٹ سکتی ہیں۔ ظاہر ہے اس طرح وہ ارتقا کے لئے بڑے بڑے نہیں ہو سکتا، اور اس کی بات ایک مثالی نظام حیات کو قائم کرنے میں معاون نہیں ہو سکتی۔

انسان یہ سب کچھ کر رہا ہے اور اس کی بدولت اسے زندگی کو بسر کرنے کے آداب آ جاتے ہیں۔ وہ اس کو بسر کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے باوجود زندگی کو بسر کرنے میں اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی۔ جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے نہیں کر سکتا۔ اسی لئے وہ زندگی میں انسان کو اس کی عظمت کے باوجود مجبور محسوس کیجھتا ہے۔ قید حیات و بند غم میں انھیں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ انھیں تو وہ دونوں ایک معلوم ہوتے ہیں، اور ان کے خیال میں موت سے پہلے انسان کو اس سے نجات نہیں مل سکتی، زندگی میں انھیں موت کا کھٹکا لگا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی نگاہیں کارنگا و بھٹی میں لائے کو داغ سا مانا دیکھتی ہیں، اور انھیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ خون گرم دھنچا ہی وہ حقیقت برق قوس کا ہیرو ہے۔ انھیں خیالات کا یہ آخری پرچہ کہ غالب انسانی زندگی کو فریبہ اور عالم کو رام خیال سمجھتا ہے۔ اور انھیں اس کی کوئی مضبوطی یا نظریہ نہیں آتی۔ لیکن اس کے باوجود زندگی سے ایسے نہیں ہیں۔ ان کے یہاں قنوطیت نہیں ہے۔ حزن و اس سے وہ کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ زندگی کا انداز انھیں غم سے دوبار ضرور کرتا ہے۔ وہ اس میں ضرور جیتے ہیں، لیکن زندگی کی مسرتوں سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرتے۔ مسرتوں کا خیال ہر صورت ان کے پیش نظر رہتا ہے اور وہ اس خیال کو زندگی کے لئے فرد کی سمجھتا ہے۔ غالب کے خیال میں وہی بڑا انسان ہے جو ان مسرتوں کو تلاش کر لیتا ہے۔

یہ خیالات غالب کی شاعری میں بہت نمایاں ہیں۔ ان کو پیش کرنے میں ایک منگرا نا انداز اور غلیظانہ آہنگ ہے۔ غالب کی بڑائی اس میں ہے کہ انھوں نے ان خیالات کو زندگی سے الگ نہیں کیا ہے۔ وہ انسانی زندگی کو سمجھنے اور بسر کرنے میں مدد و معاون ہوتے ہیں۔ انسانی زندگی سے گہرے نگاہوں نے ان خیالات کو پیدا کیا ہے۔ اسی لئے ان کی بنیادوں میں استواری نظر آتی ہے۔

غالب کی نگراؤں کی نہیں ہے۔ ان کے خیالات نفس البعد طبیعیات ہی سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان کی نوعیت انسانی ہے۔ اور وہ انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں انسانی نوعیت کی ترجیحانی کے ساتھ ساتھ ایک اجتماعی زاویہ نظر سے عوامی مسائل کی ترجیحانی بھی ملتی ہے۔ اپنے زمانے کے تہذیبی اور سماجی پہلوؤں کو انھوں نے اپنی غزلیوں میں بڑی خوبی سے سمجھا ہے۔ ان کی شاعری میں جگہ جگہ ان کی اپنی شکست کی آواز ضرور سنائی دیتی ہے، لیکن ایک تہذیب اور ایک نظام معاشرت کی آواز شکست سے بھی اس میں قدم قدم پر دوبار جہاں پڑتا ہے۔ غالب نے ایک ایسے اصول میں آئینہ کھولی تھی جو خطاطا و صفہ ال سے دوبار جہاں میں ہر چیز کی بنیادوں کی اپنی نفس۔ زندگی کے تمام شعبے کچھ آئینے کے آئینے سے نظر آتے تھے۔ تہذیب کے آفتاب کو گھن گھن گھبراہٹ۔ سماجی قدوس کے شاہے جھللا رہے تھے۔ اخلاق قدوس کی انھیں سمجھ بھی نہیں تھیں۔ اس صورت حال نے اجتماعی زندگی میں ایک مشرورہ کر رکھا تھا۔ نفس لعلی کی کیفیت تھی۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انتخاب سوانح پر آ گیا ہے۔ زندگی میں ایک عجیب انتخاب تھا۔ افراد ان حالات کے ہاتھوں پریشان تھے۔ انھیں ایک حکومت کے دم توڑ دینے کا بڑا غم تھا۔ ایک تہذیب کے تزلزل ہوجانے کی وجہ سے ان کی آنکھیں پرمٹ تھیں۔ ان کے دلوں پر آنسوؤں کے کنارے تھے۔ اور ان کی زندگی ایک ذہنی کرب کے عالم میں گزر رہی تھی۔ غالب نے اس صوبہ حال کو شدت سے محسوس کیا۔ انھیں خود بھی ان حالات کا غم تھا۔ اسی نے ان کی آنکھیں پرمٹ دکھائی دے رہی تھیں۔ غالب کے یہاں جو شدید غم ہے اس کی نوعیت بدلتا ہوا نواز کی نظر آتی ہے۔ لیکن مذکور سے دیکھ جائے تو اس میں اجتماعی آہنگ کا احساس بھی ضرور ہوتا ہے بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ غالب کا سارا غم و حقیقت سماجی انداز کی پیدائش ہے۔ اس ناہمواری کا نتیجہ تھا کہ غالب جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہ نہ کر سکے۔ انھوں نے زندگی سے جن چیزوں کا انحصار کیا وہ انھیں نہ مل سکیں۔ کیونکہ حالات اس کے لئے سازگار نہیں تھے۔ ساری زندگی میں انتظار تھا۔ اس انتظار کے عالم میں افراد کی تمناؤں کے بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی صورت حال غالب کے دل میں واضح بن گئی ہے۔ اور اس نے ان کی ساری شاعری میں ایک کسک کا سا عالم پیدا کر دیا ہے۔ غالب کی لئے یوں بڑی جا خراب ہے لیکن وہ اسی وجہ سے زخمی محسوس ہوتا ہے۔ اس کو تمن کر دل بھرا لہے اسی آنکھیں غم پر جاتی ہیں۔

اپنے زمانے کے عمرانی معاملات کو غالب نے محکم کھٹا پیش نہیں کیا ہے۔ ان کو پیش کرنے میں تو ان کی تہ واری ان کی صورت اور برائیت اپنے شباب پر نظر آتی ہیں۔ لیکن جو شخص مذکور بھی سماجی شعور رکھتا ہے اور جس کو غزل کے مزاج سے محسوس ہی بھی واقعیت ہے۔ وہ ان کی شاعری میں اجتماعی معاملات و مسائل کو بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ غالب غزل کے مخصوص اشعار اور کلاموں میں یہ باتیں کرتے ہیں۔ لیکن اس پر دے کے پیچھے معنویت کی جو اصل مدد ہے۔ اس کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ غالب جب دل کے سوز و غم سے چلتے اور اپنے عہد سے بھی بے ہوشی کا ذکر کرتے ہیں، جب ان کے یہاں طرزِ چاک اہل دنیا کا شکوہ ہوتا ہے۔ اور وہ انفسردگی کی آواز کرتے ہیں۔ جب ان کی نگاہیں دل سے جگر تک ایک ساحل و دیارے غور و دیکھتی ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل اس رہگذر میں جلوہ کھلے تھے انھیں گرد نظر آیا تھا۔ جب وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ غم غمی میں یہاں دکھائی نہیں گشتہ آرزوئیں ہیں۔ اور جب انھیں اپنا وجود گور غریباں کا چرٹا ضرورہ نظر آتا ہے۔ جب وہ ہر موسم میں اتم والوں پر سرک صدمے میں مبتلا ہیں۔ جب زندگی انھیں شروء سے آخر تک ایک خام فراق نظر آتی ہے۔ اور وہ آنکھوں سے جوئے غم کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں جب انھیں اپنی امیر کا احساس پڑتا ہے اور وہ اپنے آپ کو گرفتارِ لغت عیا و بکھتے ہیں۔ جب ان کی نظریں باؤں خاں سرستوں کو غم پر تے ہوئے دیکھتی ہیں۔ جب انھیں واضح فراقی صحبت شب کی جلی ہوئی صبح خاموش نظر آتی ہے تو حقیقت ان کا مذکورہ نظر اجتماعی ہوتا ہے۔ اور وہ اس اجتماعی ناؤیہ نظر سے اپنے زمانے کے عمرانی حقائق کو بے نقاب کرتے ہیں۔ لیکن غالب ان عمرانی حالات کی حدود و مازگار کیفیت کو محسوس کرنے کے باوجود تمسکیت اور یاسیت کا خشک راہ نہیں ہوتے۔ زندگی سے بدگوارانہ خیال ان کے یہاں پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان کے یہاں باقی رہتی ہے۔ انھیں محکم کر بیٹھا نہیں آتا۔ بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایسی نگاہ کا سا آہنگ ان کے یہاں نمایاں ہوتا ہے۔ بادشاہ کی سرستوں کو غم ہوتا ہوا دیکھ کر یہ وہ ایک لڑتے خوب صورت لکھے اور پیدا ہونے کا پیغام دیتے ہیں تو اس خدائی ہی وضاحت سمجھاتی ہے۔ غالب زندگی کے شاعری۔ ان حالات کی مراد ہوا جس کی حالت دیکھ کر کہا کہ ان عہدوں میں ہوتے بلکہ نجات سے مصالحت پیدا کرنے کی فکر تھی۔ زندگی اور اسکی قدروں کا خیال ہی ان سے صوبہ کو کرنا ہے انسانیت ہی انھیں۔ صوبہ کو کچھ بھرا رکھتی ہے۔ یہاں بھی ایک آنکھ کا پلوان کی مشاعری میں غالب کی فی ویت ہے۔

ابردوسرے ان تمام خیالات کی نوعیت انسانی نظر آتی ہے۔ اور اسی میں غالب کی بڑائی ہے۔

اس میں خشک نہیں کہ ان خیالات و نظریات نے غالب کو عظیم بنانے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ معنوی گہرائی اور گہرائی ان کی خلعت کی بنیاد ہے۔ لیکن ان خیالات و نظریات کو جس طرح انھوں نے فن کا روپ دیا ہے، اس پر معنویت جس طرح ان کے ہاں جمایا ہے، ہم آج تک جوں کے توں اس کا بھی ان کو عظیم بنانے میں جڑا حصہ ہے۔ غالب کے بیان موضوع اور فن، مواد و روایت کی تکمیل ہم آہنگی ملتی ہے۔ انھوں نے اظہار کے لئے وسیلے کا شکر کئے ہیں۔ فن کو مٹی و معشوق دی ہیں اور حسن و جمال کا ایک نیا عالم پیدا کیا ہے۔ ان کے اظہار میں اس تہذیب کی ترویج ہے، جس میں انھوں نے آنکھ کھولی۔ اور اس کے سامنے میں ان کا شو و غما ہوا۔ ان کا فن اس معاشرے کا عکس ہے جس کے وہ ایک فرد ہیں اور انھوں نے جن جمالیاتی اقدار کو پیدا کیا ہے۔ ان میں اس زندگی کی گہرائی ہے۔ جو وہ ان کے اندر اور ان کے آس پاس اور گرد و پیش موجود تھی۔ غالب کے فن میں دیباچہ ہے۔ رنگینی ہے۔ دلہ ہے۔ حوصلہ ہے۔ اسی لئے وہ سمجھا جاتا نظر آتا ہے۔ اور زندگی کی شعاعیں اس میں بے بھروسہ ہو کر دکھائی دیتی ہیں۔ غالب نے الفاظ سے بڑا کام لیا ہے۔ الفاظ جس طرح ان کے ہاں زندگی سے بھرپور نظر آتے ہیں کسی اور اور شاعر کے بیان نظر نہیں آتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ غالب کے الفاظ میں معنویت کا خون ہوتا ہے۔ خیال کی گہرائی ملتی ہے۔ اسی لئے وہ جب شاعرانہ خون کو پیدا کرتے ہیں، اس کی مثال سادہ رکھ شاعری میں کہیں اور نہیں مل سکتی۔ غالب نے ان الفاظ سے محسوس و مگر انکلائے اور کچھ اس طرح جن آواز کی ہے کہ اس کی ساحری پر ایمان و ناپڑتا ہے۔ ان الفاظ کا ذکر جو کر سکیں وہ قرائت ہے۔ وہ ان کے فن میں کل کاراں کرتی ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کی ودیعت سے ایک ایسا موسیقی آہنگ پیدا ہے کہ جن پر نہ تو نرم قرائن نہ جاسکتے ہیں۔ غالب کے ہاں غضب کا ترجمہ ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ غالب کی فکر میں عزیمت ہے ان کے خیالات ہی اپنے اندر ایک آہنگ رکھتے ہیں۔ غالب کی تخیل کی بکھرنا ہے۔ اس لئے وہ کشمکش و استعارات، علامات و اشارات کے روپ میں نئی دنیاؤں کو پیدا کرتی ہے۔ اور اس کی فکر تخیل کی دو بے باکی ہے جو غالب میں بدعت نامہ موجود تھی۔ اور جس نے ان کے فن میں رنگ و رنگ بھری رکھا ہے۔ غالب کا فن تخیل و رنگوں کا مرکب ہے۔ اس کا پہلا کوہِ مذہب و حسن تخیل کی جہاز، اور ان کی قوت و جہان کے سخن امید و نامیہ کی کشمکش، مذہب و حسن، شوق و کشمکش، فانی و جلالی، طنز و مزاح، ہمت و ہمت، استعارہ خیالی و تاریک و تاریک سے تیار ہوا ہے۔ غالب و حقیقت انھیں کا مرکب تھے۔ اسی لئے اس کا عکس ان کے فن میں اس نظر آتا ہے ہر حال اس میں بڑا حسن ہے۔ بڑا رنگینی ہے۔ بڑا روحانی ہے۔ بڑی لئے ویسے رچنے والی کیفیت ہے۔ بڑا وقار ہے۔ وہ بڑا مذہب و فن ہے۔ وہ ایک عظیم تہذیب اور بڑی باوقار و شرف کا عکس اور تہذیب و ادب ہے۔ غالب کو عظیم بنانے میں اس فن اور جمالیاتی پہلو نے بھی کچھ کم حصہ نہیں لیا ہے۔ اس سلسلے میں اس کی حقیقت بھی بہت زیادہ ہے۔

غائب بڑے پہلو دار شاعر ہیں۔ ان کی فاعلی میں بڑا خوند ہے۔ بڑی ہی رنگ رچی ہے۔ بڑی ہی گہرائی اور گیرائی ہے۔ مرفعت جہت سے بڑے شاعر نہیں کہتا انہیں بھی اس کا اثر ہو گیا ہے۔ وہ خیالی رنگز اور رنگ شیر بھی ہے۔ وہ انسان زندگی اور کائنات سے متعلق رکھتے ہیں۔ انھیں کے معاملات و مسائل کو اس نے اپنے دامن میں سمرا ہے۔ وہ زندگی سے بڑا نہیں کہتا اس کو کس کس کا کھاتی ہے۔ کائنات سے دیگر والی کا اور میں نہیں دیتی کائناتی حقیقتوں کے اور ان کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ احوال سے جو بڑی بڑی اس کا تصور نہیں۔ وہ ان کے فطرت پہلوؤں کا شاعر پیدا کرتا ہے۔ اس میں بڑی زندگی ہے۔ وہ بڑی ہی گہرا ہے۔ اس میں بڑا صحن ہے۔ بڑی بڑی اور بڑی ہے۔ اور اس کے دامن میں خلعت کا احساس ہوتا ہے۔

غالب کا اجتماعی شعور

غالب نے سب سے پہلے غزل کی صفت کو ایک اجتماعی شعور سے آشنا کیا۔ وہ جذباتی معاملات تک کی ترجمانی میں ایک اجتماعی شعور کا اظہار کرتے ہیں۔ زندگی کے خالص انفرادی معاملات کو بھی غالب نے ایک اجتماعی زاویہ نظر سے دیکھا ہے۔ انھوں نے انفرادیوں میں من و حق اور اس کے شکست چلوڑوں کی آفتاب کشائی کی ہے لیکن ان سب کو صرف جذبات کے حدود ہی میں نہیں رہنے دیا ہے بلکہ ہمیشہ ان کی یہ باتیں جذباتی حدود کو توڑ کر باہر نکل جاتی ہیں۔ اور وہ ان باتوں کو پیش کرتے ہوئے زندگی کی بنیاد پر سنگین اور خوش قسمتوں کی تفصیل پیش کرتے گتے ہیں۔ من و حق کے یہاں ایک کیفیت ہے۔ وہ اسے شبنم نظر سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کا شبنم سے دلچسپی لینا فطری بات ہے۔ اس میں بڑا لطافت ہے لیکن اس لطافت کو حاصل کرنے کے بجائے گدھ آداب ہیں۔ ان آداب کو سامنے رکھے بغیر شبنم پریشی ممکن نہیں۔ صحیح شبنم پریشی تو صرف اپنی نظر کا کام ہے۔ لہذا جو اگر شبنم پریشی شکار کرتے تو براہِ شیوہ اپنی نظر جال رہتے ہیں۔

ہر بادِ ہوس نے شبنم پرستی شعرا کو
اب آبروئے شبنم و اپنی نظر چھوڑی

اس سے صاف ظاہر ہے کہ غالب کے خیال میں من پریشی کے کچھ معیار ہیں۔ اور یہ معیار مخصوص معاشرتی اور تہذیبی حالات کو کہا جند ہوتے ہیں۔ معاشرہ زندگی میں ہوا ہوس کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ وہ کسی اخلاقی معیار کا باندہ نہیں ہوتا۔ اس کے پیش نظر زندگی کی بلند وارفیہ تہذیب نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی حرکات و سکنات بنیادی سماجی اقدار کی نفی کرتی ہیں۔ غالب کے یہاں شبنم پریشی کا صحیح معیار وہ عشق اور نیاز عشق ہے جو اپنا ایک نظام رکھتا ہے۔ نظام سماجی زندگی کو شائبہ زکرت ہے۔ اور وہ سماجی زندگی خود اس سے متاثر ہوتی ہے۔ اس لئے ان دونوں کا آپس میں ایک ایسا رشتہ ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ غالب کے یہ اشعار اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

عروس رو یا دینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
تیری دعا سے کیا ہو نکالی کہ دہر میں
خیر سے سوا کچھ نام ہے میرے ستم ہائے
خدا گویا جان لے چہ پہکانا میں کو دل ہے
خیمِ عشقِ گزندہ زنا - نسیم روزگار ہوتا
لکہ کوبِ حوادث کا خمیسا کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ خفا میں بھی توں کا ادا تھا کچھ
کہ جاننے تھے ہم بھی عینِ عشق کو گھر
دیکھا تو کم جہنم سے عینِ روزگار تھا

ان اشعار میں غالب نے جن مختلف معاملات و کیفیات کو پیش کیا ہے ان کی نوعیت صرف جذباتی اور روانی ہی نہیں ہے۔ ان کا خلق اجتماعی اور سماجی زندگی سے بہت گہرا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا عشق اور نیاز روزگار کی زندگی میں ایک دوسرے سے ملے جملے نظر آتے ہیں۔ محبت کرنا اور لادین ستم ہائے روزگار۔ چاہے۔ لیکن اس کے باوجود گہرپ کے خیال سے غافل نہیں رہتا۔ اور بعض اوقات تو زمانہ اس پر

یہاں آدم کے خصلت سے لکھنے کی تلخ کا سہانہ کونہ دیکھنے لیا گیا کہ وہ اگیا ہے۔ آدم کا خلیق لکھنا ظاہر ہے کہ انسانی نیت کے لئے ایک بہت بڑا سا نکتہ تھا۔ غالب اپنے جذبی، غوطہ کو اس سانچے سے کم نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس سے زندگی کا سارا نظام صمیم برآ ہو گیا۔ وہ زندگی ختم ہو گئی ہوا ہے تہذیب کا راز ان کی وجہ سے انسانی نیت کے لئے بہت بڑی دولت تھی۔ اس معاشرت میں اختصار کا دھندہ ہوا تھا اپنی اعلیٰ تہذیبی اقدار کے لئے ساری دنیا میں مشہور تھی۔

یہ سماجی اور تہذیبی اختصار اس وقت کی زندگی کے تمام شعبوں پر اثر انداز ہوا۔ زندگی کے کسی شعبے میں معیار باقی نہ رہا۔ قدیمین خضر ہو گئیں۔ اصول ڈالنا اول ہو گئے۔ اور ہر شخص کو ان حالات کا شکار رہنا پڑا۔ اعلیٰ نیت مٹا ہو گئی۔ انسانی نفسی کا عالم پیلہ ہوا ایک دوسرے سے توقعات ٹھٹھکیں، منتحلی کا کوئی داد دینے والا نہ رہا۔ کیونکہ منتحلی تو زندگی کا عام انداز بن گئی۔ غالب نے اس شکر میں اسی دنیا کو خیال کیا تھوڑا جیانی کہ ہے سے

مولیٰ جن سے توفی منتحلی کی داد پانے کی

وہ ہم سے گنہگار نہ خستہ تیغ مستم بھلے

صاف ظاہر ہے کہ سماجی زندگی کے انحطاط و زوال کے باعث پیدا ہونے والی زبوں حالی اسی شعری دنیا ہے۔ یہاں انفرادی اور داخلی آہنگ کا خائبہ تک نہیں پڑتا۔ اس میں تو انسانی زندگی کے عام اختصار کا نقش ایک عام منتحلی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اس نقشے میں وہ صورت حال بہت واضح ہے جس کا غالب کو بڑا غم تھا۔ اور جس پر ان کی ساری زندگی آفسو بہا کے چمکے گئے تھے۔ غالب کی ایک اور نظر ملے جس کے خیرا شمار میں سوز نہاں سے دل کے بے گلابا جھلنے، اس میں ذوق و وصل اور یاد و یار تک کے باقی نہ رہے تھوڑے گنگ گنگے اور اس کے نتیجے میں سب کچھ جل جائے، اپنے عدم سے پہلے ہونے اور اس کی وجہ سے آدھ آتشیں لگ کے بے آخر ہو جانے کا ذکر ہے۔ اس میں غالب نے انفرادی کی آرزو بھی کہ ہے کہیہ کوثر طرز تکاب اہل دنیا نے ایسا کرنے سے لئے مجبور کیا ہے۔

اس کی تفصیل غوغالب کا کہانی نیچے سے

دل مرا سوتر نہاں سے بے گلابا جھل گیا	آتش خاموشی کا مانتہ دھوا جھل گیا
دل میں ذوق و وصل یاد و یار تک باقی نہیں	آگ اس گھر کو لگی ایسی کہ بوتھ جھل گیا
سماں سے گئی یہ پہلے وہ غافل بار بار	میری آواز آتھیں سے اہل حلقہ جھل گیا
دل نہیں گھم کو کوٹا درد خدا غموں کا جہاز	اس چرخ غماں کا گردن کیا کاغذ جھل گیا

یہ ہیں اور افسوس لگا کی آند غالب کو دل

دیکھ کر طرز تکاب اہل دنیا جھل گیا

ان شعرا میں شخصی اور انفرادی باتیں ضرور ہیں۔ لیکن ان باتوں کو صرف ان انفرادی، بے باقی زندگی کے معاملات تک ہی محدود نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان اشعار کا مجموعہ تاثر زندگی کے کسی اور بڑے تاریکی تصور رکھتا ہے۔ غالب یہاں پہلے کہنا چاہتے ہیں کہ ان کے معاشرے میں ہر شخص کا دل سوز نہاں سے بے گلابا جھل رہا ہے۔ ساری معاشرتی زندگی میں بس ایک سنگینے والی کیفیت ہے۔ پوری تہذیب میں ایک تنگ اندر کا اندھ جھل رہا ہے۔ ہر لڑکے کا عالم ہے۔ دل کی کہیں دھیرن ہیں۔ ان میں تنگ، حوصلہ، اور اولاد نہیں۔ چاروں طرف وہی سہل ہے۔ اب پیچھے مڑ کر دیکھنے کا خیال ہے نہ آگے بڑھنے کا تھا۔ بس ایک صورت اور اسی کا عالم ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے انا

تھوڑا ایک ایک چیز چلی کر گئی ہے۔ اس لئے اس کو دیکھ کر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ عدم سے بھی پرے ہے۔ اس عالم میں بے ولی تو عام ہوتی ہی چاہیے۔ چنانچہ بے ولی ساری زندگی بے چارے کی نظر آتی ہے۔ اور اس بے ولی کا یہ اثر ہے کہ ہر شخص افسردگی کی آمد کر رہا ہے کیونکہ زندگی سے بر وقتیات وہ رکھتا ہے ان کے ہوسے ہوتے ہیں ان حالات میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ غالب یہاں اسی صورت حال پر غم کر رہے ہیں۔

اور یہ غم غالب کی ساری شاعری میں نمایاں ہے۔ اس میں محروکی کے احساسات ہیں۔ مجبور کا اور غمزدگی کے خیالات ہیں۔ بے یس اور کسی پر بھی نے تصورات ہیں۔ اور غالب نے ان سب کو شعروں میں ڈھالنے کے لئے کچھ ایسے انداز اختیار کئے ہیں کہ اس وقت کے لوگوں کو غالب کا سارا فلسفہ آنکھوں میں بھر دیتا ہے۔ یہ اشعار حقیقت سے کتنے بھرپور ہیں۔

خستگی کا تہ سے کیا شکوہ کہ یہ
تھکندہ سے ہے جس پر غم نیلی فام کے

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی سمجھاوے
میں بھی جلے ہوئی ہیں ہر داغِ ناتوازی

نکست کہہ میں میرے شبِ غم کا چوش ہے	اک شمع ہے دلیلِ بحرِ موجِ خوش ہے
نے مژدہ وصالِ زلفِ آراءِ حساں	مدت ہوئی کہ شمعِ چشمِ دُکوش ہے
باشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط	دامانِ دُبان کو کتبِ گلِ نر و شہ ہے
لطیفِ حرام ساقیِ ذوقِ صدائے جنگ	یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے اگر تو بزمِ مسین	نہ وہ سرودِ سوز نہ جو شمعِ خوش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمعِ شمعنی تھی سوزہ بھی خوش ہے
بوئے گلِ ناز و دلِ دُورِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
روئے سے اسے ندیمِ ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو دیدہ دل و اکسے کوئی
خداں یہ مری کو ششش کا ہے کہ مرغِ امیر
کوہِ محفل میں فراخِ حسنِ آغیاں کھلے
جاتا ہوں داغِ مسرتِ ہستی لئے ہمے
ہوں شمعِ کشتہ دُورِ محفل نہیں رہا

جوئے خود آنکھوں سے بچے مدد کہے شامِ فراق
یہ یہ کچھوں گا کہ وہ شمعیں فروزاں ہو گئیں
شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذتِ حشری
تحلیف پر وہ داری ز منیم جگر گھر گئی

اور اس کا سبب عرف ہے کہ ان میں اجتماعی شعور کا ایک اہم عنصر وہی ہوتا ہے۔ غالب نے ان اشعار میں اشتاد اور کنایوں کے سہارے اس وقت کی اس ذہنی کیفیت کی تصویر کشی کی ہے جس کو اجتماعی صورتِ حال نے پیدا کیا تھا۔ افراد کے ذہنوں پر اس کے اثرات بڑے گہرے تھے۔ انہیں اس تہذیبِ برادری کے اچھے کا اثر اٹھانا اور وہ سبک سب اس تہذیبِ برادری کے اچھے پر غور کے آئینہ پار ہے تھے۔ جس سے ان کی اجتماعی زندگی عبارت تھی۔

غرض غالب ایک اجتماعی شعور رکھتے ہیں۔ اور اس شعور نے ان کی شاعری میں ایک اجتماعی تنگ پیدا کیا ہے۔ وہ غزل کے شاعر ہیں۔ اور غزل کی صنفِ ادائیگی، انفرادی اور شخصی شاعری کے لئے مخصوص ہے۔ غالب نے غزل کے ان حدود کو توڑ دیا ہے۔ اور اس میں اپنے اجتماعی شعور کے نئی معنوی وسعتیں پیدا کر دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری معنوی اعتبار سے ایک ایسا بحرِ نیا پیدا کرتا ہے جس کے دامن میں آج گنت لہروں کا ابھیرا ہے۔ اور ان میں سے ہر لہر ایک نئی اجتماعی معنویت کی علامت نظر آتی ہے۔

(فروری ۱۹۹۰ء)

غالب کی شاعری کا جمالیاتی پہلو

غالب ایک عظیم شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں انسانی زندگی کے جذباتی معاملات کی بڑی ہی جین منسوری ہے۔ ان معاملات کو انھوں نے نگری اور فلسفیانہ لیکن انسانی زاویہٴ نظر سے دیکھا ہے۔ ان کے یہاں فلسفیانہ خیالات زندگی سے الگ نہیں ہیں۔ انھوں نے بعدِ الطبیعی، اخلاقی اور جمالیاتی معاملات کے اسرار و رموز کی بڑی خوبی سے نقاب کشائی کی ہے۔ لیکن ان سب کو زندگی سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا ہے۔ ان کی نگری اور ادائی نہیں ہے۔ وہ اس پاس اور گرد و پیش کی زندگی سے گہرا تعلق رکھتی ہے وہ ان کی عظمت کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے خیال میں وہ مجبوراً محض ہے اور اس کو کائنات کی کسی چیز پر کوئی حقیقت حاصل نہیں ہے۔ وہ محبت اور اخوت کے علمبردار ہیں۔ وہ موجود ہیں۔ ترکیبِ رسوم ان کا مسلک ہے۔ مکتوبوں کے مٹ جانے وہ اجزائے ایمان سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس انسانی زندگی کے اجتماعی پہلو کا گہرا شعور موجود ہے۔ اور انھوں نے اپنی شاعری میں اس کے خفیب و غمزہ کی حقیقت سے بڑی ہی بھرپور تصویر کشی کی ہے۔ ان تمام پہلوؤں نے ہی کہ ان کی شاعری کو عظیم بنا دیا ہے۔ لیکن ان پہلوؤں کو سمیٹا اور مل آویزاں کرکے پیش کرنے میں بھی وہ ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ اور اس صورتِ حال نے بھی ان کی شاعری کو عظمت سے چمکاتا کرکے ان میں نمایاں حصہ دیا ہے۔

اس کا بنیادی سبب تو یہ ہے کہ غالب کے یہاں ہر شاعرانہ خیال نے ایک تجربے کی صورت اختیار کی ہے۔ وہ محض قافیہ پیمانی کی چیلوار نہیں ہے۔ اس میں آوروں کا خدشہ تک نہیں ہوتا۔ اسی لئے اس میں ان کی پوری شخصیت کسی نہ کسی زاویہ سے اچھی چھلک دکھائی ہے۔ یہ شخصیت بڑی پہلو دار ہے۔ اس میں بڑی ہی رنگین اور چمکناک ہے۔ اس میں مداحیت کا رنگ چا

جوا ہے ساحل کے ثروت ہیں اس پر بہت گہرے ہیں۔ ان کی شخصیت کی یہ خصوصیات ان کے خاموش تجربات میں بھی نظر آتی ہیں۔ غالب پر نازکی کا اثر بہت گہرا ہے۔ وہ غارتگی کی روایت میں پوری طرح رنگے ہوئے ہیں۔ یہ غارتگی ان کی روایت کا اثر ہے کہ ان کی شاعری میں جگہ جگہ کل کارماں میں قحطی ہے۔ غارتگی کے مزاج کو انھوں نے آئندہ کے ساتھ کچھ اس طرح ہم آہنگ کیا ہے کہ اس میں بڑی خاموشی و سنگین فضا پیدا ہو گئی ہے۔ ان کی شاعری میں ہر جگہ بڑی جنگل جھٹ کا احساس ہوتا ہے۔ بڑی ہی تابندگی نظر آتی ہے۔ غارتگی کو ان گنت ترکیبیں انھوں نے تراہی ہیں، ان کو دیکھ کر کہہ لیا محسوس ہوتا ہے کہ کھانا ڈال دوس سے روشن ہیں۔ یا جگہ جگہ پھل پھلایاں ہی چھوٹ رہی ہیں۔ بات یہ ہے کہ ان کی تراشی ہماری غارتگی کی یہ ان گنت ترکیبیں محض الفاظ کا مجموعہ نہیں ہیں۔ ان میں تو اس رنگین اور پُر کار ہندسیہ کا جو ہے جس نے غالب کو پیدا کیا تھا۔ اور جس کی رنگینی اور پُر کارگی ان کے ایک ایک انداز سے چھٹی پڑتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ غالب کی شاعری میں ایہام کا رنگ خاصا گہرا ہے۔ لیکن اس کا سبب صرف ان کی شکل پسندی نہیں ہے۔ یہ تو ان کے تجربے کی تہ و تہ کیفیت کو ظاہر کرنا ہے۔ اس میں تو ان کے فکر کی گہرائی اپنے آپ کو رونما کرتی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ تخیل کے اثر سے انھوں نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں ایسے اشعار نہ یاد رکھے جن میں ایہام کا پہلو نمایاں ہے۔ اس میں کسی حد تک صداقت ضرور ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غالب نے اس ایہام کو پیدا کرنے میں صرف تخیل سے کام لیا ہے۔ دراصل یہ ان کا مزاج ہے۔ اور اس کا منبع ان کے احساس کی خفیت، جذبے کی پُرجوش کیفیت، ان کے شعور کی گہرائی اور ان کی پسند پروری ہے۔

ہمدلی کا اثر اس حد تک تو اس میں ہے کہ اس کی انسان دوستی کے نظریے سے متاثر ہو کر وہ انسان کی عظمت اور کائنات میں اس کی حیثیت پر غور و فکر کرنے لگے ہیں۔ اور جب انھوں نے اس کا خاموشانہ اظہار کیا ہے تو ان کے یہاں ایہام کی خصوصیت نمایاں ہو گئی ہے۔

لیکن اس صورت حال نے جاہلی اعتبار سے ان کی شاعری میں بڑی دل کشی پیدا کی ہے۔ کیونکہ اس ایہام کو انھوں نے اپنے صدوقی کام ہے۔ اس کی صدیق اشاعت سے ہی ہماری ایہام اور حقیقت اشاعت کی کا دور سزاوارد ہے۔ غالب چونکہ بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں اس لئے انھوں نے اپنی ایہامی اشاروں اور اشاروں میں کئی ہیں۔ اور اس طرح بہت کم کہہ کر بہت کچھ مراد لیا ہے۔ انھوں نے مثلاً اچھائی کی گفتگو بارہ و ساغریں۔ اور اندازہ غمزہ و غمزہ و غمزہ کی ہے۔ اور اس طائفے نے ان کی شاعری میں جن وجوہات کا ایک نیا عالم پیدا کر دیا ہے۔

غالب علامتوں اور اشاروں کے شاعر ہیں۔ انھوں نے دو ایسی علامتوں اور اشاروں سے بڑا کام لیا ہے۔ اول ان کو استعمال کر کے اپنی شاعر میں بڑے کمزور مضامین پیدا کیے۔ انھوں نے گلن، بیل، تنفس، آشیانہ، سیلاب، گھنسیں، شمع، پرندہ، مصلیٰ، مجلس، محرو، جنوں، باغیاں، گل فروش اور اس طرح کی بے شمار علامتیں استعمال کی ہیں۔ ہر ان کے اندیشے سے اپنے خاموش تجربات کے ضمیمہ فراڈ کو داغ کیا ہے۔ اور اس طرح ان کے یہاں بڑی سیمیں اور دل کا تیز کا مضامین پیدا کیے۔ لیکن انھوں نے اپنے آپ کو صرف انھیں علامتوں اور اشاروں تک محدود نہیں رکھا ہے۔ بلکہ بعض نئی علامتوں اور اشاروں کی داغ بیل بھی ڈالی ہے۔ ان کے یہاں محرو، زنجیر، آگ، دھواں، خط، شعر، درد، سن، تم کی بے شمار علامتیں ملتی ہیں۔ ان اشاروں اور علامتوں کے ذریعے سے ان کی معنویت اپنے آپ کو اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ اس میں حسن و جمال کی اقدار بھی رونا چھوٹی ہیں۔ ان کا اثر بڑا راست محسوس ہوتا ہے۔ اور یہ احساس جمال اور نقد و مسن کی تسکین کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ اس میں خبر نہیں کہ غالب صرف شکنائے طرل کے شکوہ لکھتے تھے۔ اور اپنے بیان کے لئے بہت اور علامتوں کی شمار لکھتے تھے۔ و بعض

ان کے لئے مرزیت اور بجا نیت نے فراہم کیں۔ غالب کی شاعری میں اس جزوِ بجا کی فراوانی نظر آتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ غزل کے مزاج سے واقف ہیں۔ اور اس کے جمالیاتی پہلو کا صحیح شعور رکھتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے غزل کے جزوِ بجا کو بڑے سلیقے سے برتنا ہے۔ اس کام میں علامتوں، اشاروں اور ٹیپوں نے ان کی بڑی مدد کی ہے۔ لیکن اس مرزیت اور بجا نیت کو انھوں نے اپنی شاعری میں صرف اس طرح پیدا نہیں کیا ہے۔ بلکہ کہیں ایک مخصوص لہجے سے اس کی تشکیل کی ہے۔ کہیں ایک مخصوص انداز بیان سے اس کا پہلو تیار کیا ہے۔ کہیں بعض خاص تیوہوں سے اس کی تعمیر کی ہے۔ اور اس طرح اس کا مرزیت اور بجا نیت نے ان کی شاعری میں جمالیاتی پہلو کو اُبھارا ہے۔

غالب کی شاعری اپنی ایک سنگت اور شاداب فضا سے پہچانی جاتی ہے۔ وہ غزل کے شاعر ہیں۔ اور انھوں نے غزل کی شاعری کے بنیادی معنیات کو پورا کیا ہے۔ غزل کی ایک اہم خصوصیت حسن و گداز بجا ہے۔ غالب کے یہاں غزل کا یہ حسن و گداز بجا موجود ہے لیکن سوز و گداز کے ساتھ ساتھ انھوں نے انسانی زندگی کے نشانیوں پر گداز بجا کی ہے۔ اپنی شاعری میں بڑی سنگت اور شادابی پیدا کی ہے۔ شوقی اور طراوت طرز اور مزاج نے شوقی اور شادابی کے اس رنگ کو نکھار دیا ہے۔ غالب زندگی کے مسرتوں کے شاعر ہیں۔ ان مسرتوں سے متعلق مختلف پہلوؤں کی طرح بجا کی وہ بڑی خوبی ہے کہ وہ ہیں۔ اس طرح بجا کی ہلکا یہ اُتر ہے کہ ان کی شاعری میں ہلکا رنگ و گداز کے نوازے سے چھوٹے بڑے نظر آتے ہیں۔ اور اس طرح ہلکا پانڈی کا چنگ ہلکا دکھائی دیتا ہے۔ غالب ایک رنگین اور پُر کار تہذیب کے علم بردار ہیں۔ وہ اپنی تہذیب کی جمالیاتی انداز کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ انھیں ان انداز کے ساتھ ایک جذباتی وابستگی ہے۔ یہاں وہ ہے کہ اس تہذیب کے تمام رنگین اور پُر کار ماحول میں ان کی شاعری میں آگئی ہے۔ اس تہذیب کی جمالیاتی انداز کا مکمل ان کی شاعری کے ذریعے بجا دکھائی دیتا ہے۔

غالب کے مزاج میں ایک اساس مزاج بھی موجود تھا۔ وہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بولی کھل کر جنس سکتے تھے۔ انھیں اساس کا حالات کا مذاق اور ناہنجی آواز تھا۔ اسی لئے ان کے یہاں رونے اور نہ ہونے کے بھائے مسکراتے اور ہنسنے کی فضا خاص نمایاں نظر آتی ہے۔ اس فضا نے بھی ان کی شاعری میں سنگت اور شادابی کے رنگ کو نمایاں کیا ہے۔ غالب اس فضا کے شہساز ہیں۔

غالب کی شاعرانہ پسیر تراشی

اُسیرِ ہمدی میں ہندوستانِ اسلامی کی ثقافتی روایت نے جو صورت اختیار کی تھی انھیں غالب کی شخصیت اس کی صحیح فائسنگ کرتی ہے۔ اور اس کا مکمل ان کی شاعری میں نمایاں ہے۔ سنوئی اور لہجے دونوں اعتبار سے ان کی شاعری اس ثقافتی روایت کی صحیح آئینہ دار ہے۔ اس زمانے کے غالب کا طرزِ ادبی داخلی تجربات اور جذباتی کلیات ان سب کا نتیجہ ان کی شاعری میں مختلف نمایاں ہے۔ اچھے آپ کو نہ مارتا ہے۔ شاعر کی فنی پہلوں پر بیکر تراشی زیادہ وضاحت رکھتی ہے اور اس کا پہلا شاعر کے ذاتی اور انفرادی تجربات کے باوجود تیار ہوتا ہے۔ غالب کی بیکر تراشی بھی ان کی فنی تجربات اور انفرادی اساسات کی صحیح آئینہ دار ہے۔ اور اس میں ان کی شخصیت اور انھوں کی صحیح تصویریں بے نقاب نظر آتی ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اپنے تمام غلط فہمیوں کو زوال کے باوجود ثقافتی زندگی معراج کا لہر چمکاتی تھی۔ رنگینوں اور خدائوں کا احساس بہت بڑھ گیا تھا۔ فطرت و سماں کو اولیت حاصل نہیں رہی تھی۔ برخلاف اس کے خالص باب کا خیال زندگی پر مبنی تھا۔ دانش و رنگ کو دنیا میں آباد تھیں۔ قصہ و سرود کا بزم آرائیوں نے جنتِ نکاح اور فردوسِ گوشت بن جانے کے تمام سامان فراہم کر دیے تھے۔ غالب کی بیکر تراشی میں بھی اس صورتِ حال کا اثر واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ان کے یہاں بزم کے گرد و پیش پائندہ و ماضی، ماضی و سرود، اندازِ خیال کے جوئے شاد و اشارے نظر ہیں۔

ان کی حرکت میں صورت حال ہے۔ یہ چند شعرا اس کی کچھ ترغیبات کرتے ہیں کہ
میں اور نرم شے سے یوں نقشہ کام آؤں مگر میں نے کہا تو یہ ساقی کو کیا ہوا تھا

بھونک کب ان کی بزم میں آنا تھا اور پیام ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

ہے آدمی بجاے خود ایک عشرہ خیال ہم انہیں سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ڈھونڈے ہے اس ملتی آتش نفس کو ہی میں کا صدا ہو بھلے برقِ فشاں سے

وہ بادۂ شباب کی ترسبیاں کہاں آٹھنے بس اب کہ قدرتِ خواہجہ سحرگئی

میں پرستانِ غم سے نکلتے ہی بنے ایک دن گزرتا ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

کہتے ہوئے ساقی سے کیا آقا ہے۔ وہ ہے یوں کہ مجھے درد تو جہاں بہت ہے

جہاں غالب نے بزم ہے۔ ساقی۔ نقشہ کالا۔ انہیں۔ خلوت۔ ملتی آتش نفس۔ صدا۔ جلوہ۔ بادۂ شباب کی ترسبیاں۔ لذت
خواب۔ غم۔ پرستان اور غم کے درجنوں کو جو سیر کرتے ہیں اس کی طرح ان کی فکری روایت میں درد کب پہلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان میں نہ
صرف گہری مغزین کا تجربہ ہے بلکہ ایک انوس کی دفعتاً نظر آتی ہے۔

غالب اس فضا اور اعمال کے خیل میں اور اس کا رنگ ان کی شخصیت میں چرخی طرح دھا ہوا ہے۔ لیکن وہ اس سے صرف جذباتی و پس کا نہیں رکھتے
انہیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ اس فضا کی ترغیب اور دفعتاً چرخوں میں لار ہے اس نے وہ ان مفقود سے دھواں اٹھاتا ہوا سمجھتے ہیں اور انہیں ان
میں سے قطعاً اٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس احساس نے غالب کی شاعری میں آگ۔ شعلہ۔ دھواں۔ مشعل۔ شمع۔ برق۔ وغیرہ کے پیکر رت کو تہیلا ہے
اور انھوں نے اظہارِ بلاغت میں ان سب سے بڑا کام کیا ہے۔ ان شعرا میں دیکھئے کہ آگ اور اس کے مشتعلات کیا کیا روپ اختیار کرتے ہیں کہ

ہیں کہ ہوں غالبہ میر کی ہیں بھی آتشِ نیر پا

موتے آتشِ دیہ ہے طلقِ مرئی زنجیر کا

آتشِ شعلہ نے نقشِ سوز کیا دست

کسا ہر جو اگر داغ کا سسروانہ دردِ دشا

دل مرا سوزِ نہاں سے ہے عسا با جیل گیا

آتشِ خاموشی کی مانند خروبا جیل گیا

تو نے بھی "انزوں" قدم چھوڑ دیے غفلت جو تری بزم سے نکلا سوہنیاں بھلا

کی فراوانی ہے۔ اور اس کا وجہ یہ ہے کہ انھوں نے زندگی بھر غواہ اپنے آپ کو اور اپنے سوا پاس اور گرد و پیش کی ہوری زندگی کو آگے میں جلتا ہوا دکھا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ایک ایک پہلو میں انھیں شے سے آگے نظر آتے ہیں۔ اور اس صورت حال نے خود انھیں کتنے کتنے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ غالب کی شاعری میں خون اور خون کی سرشت کے پیکر بھی جگہ جگہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان پیکروں کی تخلیق بھی غالب کی قصص میں کچھ کیفیت نے کی ہے۔ غالب طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے رومان تھا۔ شایستگی پسندی کی نگاہ میں بڑی تھی۔ دنیا کی تمام نعمتوں سے بھی اس کا مطلب ہوا اٹھن تھا۔ ان کا زندگی میں تو نظریوں اور عقیدوں، ایسے تھیں کہ ہر چیز میں ان کا دم بٹتا تھا۔ اور بے شمار دلوں کے کھٹکے کے بعد بھی وہ بے سمجھتے تھے کہ ان کے دماغ میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو طرزِ چاک اپنی دنیا کو دیکھ کر افسوس کی آواز دے کر کہتے تھے۔ زندگی کا ہر نقش انھیں فراوانی نظر آتا تھا۔ اور ان کی نظریں ہر پیکر تصویر کے چہرے کو کاغذی دیکھتی تھیں۔ نا سونگے ایسے قصص کا تصور ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ رومانیت پسندی کا اثر ہے۔ یہ رومانیت پسندی غالب کے مزاج میں بچ رہی تھی۔ اور اس رومانیت پسندی کا یہ اثر ہے کہ انھوں نے ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خون کے دریائوں کو موجزن دیکھا ہے۔ خصوصاً اپنے اس پاس اور گرد و پیش کی زندگی کو انھیں سورج سے بڑا تک ہوا بیان نظر آتا ہے۔ اسی نے ان کی شاعری میں خون کے پیکر بھی بنائے نمایاں ہیں۔ ان اشعار میں اسی صورت حال کی ترجمانی ہے۔

دل آہنگ کر سنا علی دہانے خوں چاہ
مری تیریں مغمومے اک صورت خرابی کی
دماغ میں کچھ کوٹنے کا وہ نہ مسیرے حال پر
درد و دل اکھوں کب باؤں ان کو دکھلاؤں
خون ہے دل جاگ میں احوالِ جفا پر یعنی
ثابت ہو چکے گرد و زمینا یہ خوںِ حسیلی
بے خونِ جگر خوش میں دل اکھوں کے روتا
دائم الجس اس میں ہیں لاکھوں تنہا میں اسد
ہوئے خونِ آنکھوں سے پہلے وہ کہے شامِ لڑاں
ذاتِ بزمِ عشقِ تیغِ جفا پر نازِ سرِ صاف
عمر ہر چند کہ ہے برقی منہ رام
کا گنگا و ہستی میں ولہ دماغِ سالن ہے
خلشِ غمزدہ خوں ریزہ لہو چھ
اچھا ہے سرِ گشتِ مٹائی کا تصور
خون چوکے جگر آتھتے ٹپکا نہیں لہو جگر
بلاے اگر مرزا یا رنشد خوں ہے
غصہ ہر گنا کھٹے آج سہم نے اپنا دل
نہیں معلوم کس کس کا ہوا بانی ہوا ہو گا

اس رگدرب جلوتی گل آگے گرد و مستی
ہوئے برقی خیزن سبے خوں گرم و بہشت کا
ہر گھل ترا یک چشم خوں فشاں ہو جائے گا
انگلیاں لگا راہی خواہ منوں چکاں اپنا
ان کے ناخن ہوتے مستی مستی جاسیرے بعد
لڑے ہے سراج نے تری رفتار دیکھ کر
ہوئے جاکلی دینے خوں ناپ فشاں اور
جانتے ہیں سینہ پر خوں کو زخاں غامدہ سم
میں دیکھوں گا کہ وہ شخصیں تروڈاں ہو گئیں
مرے دہانے بے تابی میں ہے اک صبح خونِ گ
دل کے خوں کرنے کی فرصت یہاں بھی
برقی خیزد راحت خوں گرم و بہشت ہے
دیکھ خوں ناپ فشاں فی صمیری
دل میں نظر آتی تو ہے اک لہو لہو کی
رہنے دے بجے یاں کہ ابھی کام بہت ہے
دیکھو کچھ اپنی بے حرمانی خوں فشاں کے ف
خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا
قیامت ہے سرنگ آؤ ہر تیری سرنگ کا

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجھوں نے کیا کیا
فرصت کٹ کٹش علم بیناں سے گر گئے
پہاں تھا وہ ام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
غیر میں مغل میں ہو سے جام کے
بہم رہیں یوں تشد لب بچیاں کے

ان اشعار میں غزل اور غزل کی عام ملاحضہ کا کام آیا ہے۔ لیکن ان حرف غزل کا ادبی آغاز نہیں ہے۔ برصغیر اس کے مقابلہ میں رواج کے متعلق اور شاعری کو استعمال کر کے نئے پیکروں کی تخلیق کی ہے۔ اور اس کی بنیاد کو دہان کی محنت ہے۔ ان اشعار میں فرہاد، امیر، رقیب، ساقی، ابا سار، نامہ بزمیاد، وہام، آشیان، اور غور محبوب اور عاشق کے دوپ میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ اور یہ غالب کے فنی، بہتاد اور چمکد انھوں نے ان سب کو نئے سانچوں میں ڈھال دیا ہے۔

غرض غالب کی شاعری پیکر تراشی اور غزل کی روایت میں ایک نئی شان سے جلوہ گر نظر آتی ہے۔ ان کے اس اسوش اور شاعر خیال نے غزل کے مدائی پیکروں میں نئی زندگی لے کر رکھ دی ہے۔ اور بعض ایسے پیکروں کو بھی تراشا ہے جو اردو غزل کی روایت کے لئے بالکل بھرتہ اچھے ہیں۔ ان کا دل ہے کہ ہر محنت میں سب کو غزل کی روایت کے ساتھ کچھ اس طرح ضم و شکر کے دیا ہے کہ ان کے اجنبی اور ناخوش سہنے کے ساتھ نہیں جوتا۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ صاف اور نہ سہل ہے جو غالب کی شاعری کی جان ہے۔ اس کی نئی شاعری کا نثری گائیڈ ہے۔

کلام غالب کے نئے زاویے

غالب کے یہاں ایک انقلابی روح اور ایک باطنی مزاج تھا۔ اور بات ہے کہ وہ نیا رنگ میں کوئی انقلاب اور بغاوت نہ کر کے لیکن پہلا ایک شعور اور بے کلامی کا خلق ہے۔ اس میں ایک بہت بڑے انقلابی اور باطنی نظر آتے ہیں۔ ان کی بہت کچھ مشہور ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ ان کے یہاں بہت کچھ کامیاب بہت نمایاں ملے ہے۔ انھوں نے روایت پرست ہونے کے باوجود روایت کے بہت سے بت توڑ دیے ہیں۔ اور رسم و رواج کے بہت سے سوانح کو توڑ دیا ہے۔ لیکن اس کا جہد میں ان کے یہاں ایک تعمیری رجحان کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے۔ وہ نئی دنیا کا کلمہ کر کے ہونے لگا دیتے ہیں۔ انھوں نے بہت سے نئے کوڑا دیے۔ لیکن بے شمار سین نئے کو بنا دیے ہیں۔ اور اس میں ان کے ان کی شکل میں ایک نئے یا نظر آتی ہے۔ وہ نئی ہے۔ اس میں نئے حالات کی نکاس ہے۔ نئے اصول کا ترجمانی ہے۔ اس میں شعور کی تصویر کشی ہے۔ اس میں ایک نئے کام کو صاف نظر آتا ہے۔ اسی لئے وہ دوسری کو زیادتی ہے اور نئے کام میں نئی شریک ہے۔ اس کو سب طرح پرکھنا اور آئے آخر قبول کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے ایک نئے ذہن کی ضرورت ہے۔ یہ نیا ذہن بلکہ ایک ذہن تربیت کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ ذہن تربیت کلام غالب کے ان گفت نہ دہوں کو سامنے لا کر رکھ کر دیتی ہے۔ اور نئے زاویے ان کلام کو بہت ہی وسیع و بھرپور انداز میں پہلو دے بنا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ایک ناپید انکار سمند نظر آئے لگتا ہے۔

اور شعور کے دیوان عام طور پر سمند لغت سے شروع ہوتے ہیں لیکن دیوان غالب کا آغاز سمند لغت سے نہیں جوتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غالب تو سمند پر بیان نہیں رکھتے تھے یا یہ کہ عشق وصال سے انھیں کوئی خلق نہیں تھا۔ وہ بہت بڑے مودتھے۔ ان کے عشق وصال سے شرارت نہ ہو بلکہ کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دیوان کو شکوہ و رنج سے شروع کرتے ہیں۔ اور یہ شکوہ ان کا ذاتی شکوہ نہیں ہے۔ یہ غزل ان کی اپنی فرادہ نہیں ہے۔ اس شکوہ و رنج میں تو ان انسانیت کے نئے نمایاں ہے اور اس انسانیت کی بے یار و مددگار ہے۔ غالب اس خیال کو زندگی کا سب سے بڑی حقیقت سمجھتے ہیں۔ ان کی آنکھ ان انسان کو تھاں کی کھینچ ہے۔ انسانیت انھیں رنجور

مہم نظر آتی ہے۔ اس اعتبار سے وہ بڑی ہی مظلوم مخلوق ہے۔ انسان مجبور مصل ہے۔ وہ کچھ کر نہیں سکتا۔ حالات کے سامنے اس کی پیش نبی جاتی۔ وہ پہلے جوتا ہے اس لئے کہ اسے مرنا ہے۔ اور مرنے سے پہلے بھی اسے نہ جانے کتنی بار موت آتی ہے۔ پہلے اس کو موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی زندگی ایک مستقل کرب کے عالم میں گزر رہی ہے۔ سر تک لٹھے اس کو بس برائے نام ہی نصیب رہتے ہیں۔ اور ہر صورت ایک غم کا پیغام ہوتا ہے۔ وہ اس کٹھن کشش میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کی زندگی کہ ایک ایک پہلو سے بے بسی چمکتی ہے۔ ایک ایک بات سے بے ثباتی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ فطرت کا بہت ہی مہین تخلیق ہے۔ لیکن اس کا ہستی کا اخیر بے بسی ابد بے ثباتی ہے۔ اٹھا ہے۔ اس لئے وہ اس فطرت کی شکوہ سنتے ہیں کہ ہاتھوں اس کی تخلیق ہو گئی ہے۔ غالب نے اس حقیقت کو اپنے اس شعر میں پیش کیا ہے۔

نقش مسرہادی ہے کس کی خرقہ تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر مسیکہ نقویہ کا

غالب اس حقیقت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس لئے نقش انہیں فطرت کی خرقہ تحریر کا فرادی نظر آتا ہے۔ یہاں انہوں نے غن کار کی چابک و کش کی داغ بیل دی ہے۔ اس کے تخلیق عمل میں جو کئی کشی اور دل آویزی ہے اس کو سراہا بھی ہے۔ لیکن یہ نقش انہیں غالی نظر آ رہا ہے۔ اور ان کے نزدیک فطرت کی سب سے بڑی ختم فرمائی ہے۔ نقش بھی غالی نہیں ہوتا۔ غن کار کے قبا کا ریس کو باریت ہوتی ہے۔ وہ کمریشہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ زندگی اور فطرت کا سب سے شرافتی شاہکار یعنی انسان غالی ہے۔ انسان کو خدا اس حقیقت کا سامنا ہے۔ اس لئے اس کی اس کا وجود کاغذی نظر آتا ہے۔ کاغذی سے غالب کی مراد بے ثبات بھی ہے۔ لیکن اس میں اس کے فراویا ہونے کی طرف بھی ایک بہت واضح اشارہ ہے۔ کیونکہ ایک زمانے میں ایران کی سرزمین پر یہ دعویٰ عام تھا کہ فراویا کی کاغذ کے پرشے پہنائے جاتے تھے۔ انسان کے بے ثبات وجود کا خیال آتے ہیں۔ سارا منظر غالب کے ذہن پر منظر لانے لگتا ہے۔ ایک جگہ اس کی کوئی بات ہے اور یہ شعر تخلیق ہوتا ہے۔ اس کی مصورت انسانی زندگی کی ایک نہایت ہی اہم اور فیاد کی حقیقت کو اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ غالب اس حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کو سمجھنے کے باوجود وہ ذہنی طور پر اس سے مطابقت پیدا نہیں کر پاتے۔ اس لئے اس حقیقت کا احساس ایک دم کہ کسی کیفیت ان پر بھاری کر دیتا ہے۔ وہ اس پر کڑھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی لئے یہاں فراویا ہی ہو جاتی ہے۔ اور اس فراویا کے کاغذی بے ثباتیہ ہونے کے ان کو ہر نقش فراویا کی اور پیکر تصویر کا ہر پیرہن کاغذی نظر آنے لگتا ہے۔ اس مصورت کے شعریہ احساس نے غالب سے یہاں نقش فراویا کی شعری تحریر پیرہن کاغذی کی اور پیکر تصویر کے لئے اشاروں کی تخلیق کر لیا ہے۔ جنہوں نے اس کو کجا بانی امتیاز سے چار چاند لگا دیے ہیں۔

غالب کا انقلاب پسند بیان موضوع اور فن دونوں میں نمایاں ہے۔ ایک بے چین روح تھا کہ اس مصور کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس کے ہاتھوں ان لئے اشاروں اور رنگوں میں اس کی وضاحت ہو سکتی ہے۔ سلام غالب میں یہ اشارے اور رنگاں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ جنایا قی تو ان کو پیدا کرتے ہیں ان کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہاں بھی سارا کھیل اشاروں اور رنگوں کا ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ ان کا بدلتا خود مصورت ہی نئی توان برنگی ہے۔

آر دو شعرا نے تنہائی اور مجھ و فراق کے مصور کو طرح طرح سے باز رہا ہے۔ اس لئے آدھ کے فطری روایت میں یہ مصور خاصا ہمال ہے۔ اس میں کوئی نئی بات پیدا کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ لیکن غالب نے اپنے دیوان کی پہلی منزل کے دوسرے شعر میں یہ نئی بات پیدا کی ہے۔ یہاں ان کے پیش نظر جمال اور مجھ و فراق کی تکلیف کا بیان ہے۔ یہ بیان انہوں نے کیا ہے اور بظاہر صرف اتنی سی بات کہی ہے کہ تنہائی کی رات کا کاشا بڑی شکل کام ہے۔ اس شام کی گھا نہیں ہوتی۔ بڑے جلوں کو جب اس سے سا بھر پڑتا ہے تو وہ خون کھان

گھٹتے ہیں۔ یہی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ اور ہزاروں سبق کر کے باوجود بھی رات دن کے کالم نہیں لکھتی۔ اس مختصر سا وہ اندہاں سے غمور کھانا
نے اپنے اس شعر ہی پیش کیا ہے ۔

کادو کا دمخت جان پائے تنہائی نہ ہو چہ

صبح کرنا شام کا لہجہ جیسے شیر کا

لیکن چند پہلو اس میں ایسے نمایاں ہیں جن کی بدولت اس شعر بہت بلند ہو گیا ہے۔ اس پہلوؤں میں سب سے زیادہ قریب طلب تو اس کی بھول ہوئی اور
تو بدتر معنویت ہے۔ جو اس کو نہایت ہی وسیع و بزرگ کر دیتی ہے۔ اور دوسرے اس کا لغویں چالیاں اظہار جو اس معنویت کو نئے زندگی سے ہمکنار
کر رہا ہے۔ لہذا ہر اس میں تنہائی کی صحت مانی سزا کر دیے۔ غالب بکثرت پاپتے ہیں کہ جو تکلیفیں عاشق کو ہجر و فراق کے عالم میں اٹھانی پڑتی ہیں۔
ان کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تکلیفیں اتنا طویل سمجھتی ہیں۔ اور ان کا سلسلہ اس قدر دیرپا ہے کہ رات بھی گنتی نہیں ہے۔ چاہے عاشق مر مر کے
بیٹھا ہے اور باقی غم اس کو بیان بھی تسلیم چاہا پڑتا ہے۔ لیکن غالب ایسی سیدھا سادی بات نہیں کرتے۔ وہ بڑے چلو دار شاعر ہیں۔ لہذا ہر ان کے لفظ
میں جو معنویت نظر آتی ہے اس کی ترجمانی کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ کون جانے کہ کیاں تنہائی کی صحت جانیاں اس عالم انسان کی صحت جانیاں ہو جو ہوا زنیہ
اور انسانی زندگی کی علامت ہے۔ جس کا غفل کسی کی شوقی تحریر کا نثر آوی ہے۔ اور جس کا پرچہ میں غالب کو کائنات کی نظر آتی ہے۔ غالب بڑے چلو دار شاعر
ہیں۔ ان کی بات میں لگا اور سادہ ہونے کے بجائے تیز و تیز ہوتا ہے۔ وہ استعدادوں افراد کیوں میں بات کرتے ہیں۔ مثلاً چاہے کتنے گشتگر
بادشاہوں پر ہیں۔ ناز و نرسے کی بات تو شہرہ و فخری کرنا ان کا لغویں انداز ہے۔ اس پہلو کو سامنے رکھ کر دیکھ جائے تو یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس
شعری غالب نے پیرائے بیان انداز سے کام استعمال کیا ہے۔ اور اس پر وہ ہیں اسی خیالی کی وضاحت کہ ہے کہ اس دو تیس انسان کی زندگی ایک
مستقل تنہائی کی ایک مسلسل ہجر و فراق ہے۔ تنہائی اور ہجر و فراق کی یہ نسبت اس سے کالم نہیں لکھتی۔ اس پر بار ہوتے رہتے ہیں۔ وہ نظم کا تار تار
ہے۔ اور ان زخموں کی تکلیف کچھ کم نہیں ہوتی۔ ان کے منہ ہی ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ غرض وہ اس عالم میں زندگی کی رات کو گزرتا
ہے۔ لیکن یہ رات گنتی نہیں۔ تکلیفوں کی وجہ سے اس کا بھرپور شہ کو آتا ہے۔ وقت گزرتا ہے کہ کام تبدیل ہوتا ہے۔ اور بالآخر وہ جان
جان آفرین کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہی انسان کی زندگی کا انجام ہے۔ انسانی زندگی جو ایک مستقل صحت باقی اور ایک مسلسل کرپ ہے۔ انسان کا سر ہے
جڑا محبوب سہرت ہے۔ وہ زندگی پر جان دیتا ہے۔ ان دونوں کو حاصل کرنے ہی میں اس کی زندگی گزرتی ہے۔ لیکن اس کا یہ تھا پوری نہیں ہوتی۔
اور ساری زندگی اس پر ایک ہجر و فراق کا عالم طاری ہوتا ہے۔ تنہائی کسی حال میں بھی اس کا چھپا نہیں چھوڑتی۔ یہ تنہائی تو وہ حقیقت وہ خوف ہے
جس سے انسانی زندگی بھارت ہے۔ یہ ہر دو کا فراق کی زندگی میں بھی گئی۔ جس طرح کہ مصلحت کرنے کے لیے جوئے شیر کو کھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب
نہ ہو سکا۔

غالب نے یہاں صحت مانی پائے تنہائی کے اعتبار سے منہ جانے کیا کیا کچھ کر دیا ہے۔ انسانی زندگی کے نہ جانے کتنے معاملات و مسائل کو تصویر
کچھ دیکھے۔ اور نہ جانے کتنے غموں اور سنگین محاذوں پر نگاہ کر دی ہے۔ شام کو صبح کرنے کے لیے جوئے شیر کا خیال دے کر نہروں کے غالب نے
یہاں ایک نیا شاعر پیدا کر دیا۔ (Poetic Image) ہر شاعر۔ بلکہ انسانی زندگی کی ایک اہم حقیقت کہ صداقت
میں کڑی ہے۔ اس نے یہاں صحت اور صحت کا انحراف اپنے شباب پر نظر آگیا ہے۔ مضمون اور فن کی کھل آہنگی کی سوانح اس کا کہتی ہے۔

اور دوسرا آگے چل کر غالب نے عاشق کے جذبہ اختیار شوق کا ذکر کیا ہے۔ جس سے شمشیر کا شاعر ہوئے ہیں۔ اور جذبہ شوق کی بے اعتدالی
کو دیکھ کر اس کا بھی شوق فزاس ہوئی ہے۔ آج کا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ کھل کر کہے کے لیے ایک داہانہ انداز میں آگے بڑھتی ہے۔ عاشق کے

تقریباً نو سو برس کا فاصلہ کر لے میں مزا آئے۔ اور اس طرح کا اردو شوق کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ دونوں جہاں ایک بار کے مقصد کے لئے سرگرم کاری کا یہ ان دونوں کے سامنے ایک تعلیم نصب العین ہے۔ یہ مقصد اور نصب العین ہے۔ عشق کی آخری منزل تک رسائی اور کا اردو شوق کے بلند ترین مقامات کا حصول۔ اس صورت حال کے بغیر عشق بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ غالب کے یہاں عشق اوسے باندھے کا جز نہیں ہے۔ وہ ایک اندرونی خواہش اور دل جذبہ ہے۔ جس میں عاشق کو روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس میں جان دینے کو وہ اپنی زندگی کا معرکہ سمجھتا ہے۔ محبوب اس کام میں کس طرح بھیجے نہیں رہتا۔ بلکہ بڑا بڑا شریک ہر تلبہ۔ عاشق کے دل میں جب اس کے ہاتھوں قفل چرنے کی آواز پیدا ہوتی ہے تو وہ اس آواز کو کراہ کر لے لے آگے بڑھتا ہے۔ یہی اس کا مقصد ہے۔ غالب نے اس خیال کی تصویر کشی شریے ہی دل سودا لینے والے انداز میں کی ہے۔

جذبہ ہے اختیار شوق و بکھا جا رہے

سینہ فیشیر ہے باہر ہے دم فیشیر کا

جذبہ ہے اختیار شوق جہاں بہت کرنا والے کہ، اہل جذبہ و شوق کو واضح کرنا ہے۔ فیشیر محبوب کی علامت ہے۔ اور سینہ فیشیر سے دم کا باہر آنا اس کیفیت کی علامت ہے جو محبوب کے دل میں عاشق کے جذبہ بے اختیار شوق کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک بڑا ہی مشکل اور سمجھ بڑا خیال ہے۔ لیکن غالب کی نظر ان کی نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو صرف اسی خیال تک محدود نہیں کر سکتے تھے۔ وہ حقیقت اس شعر میں بھی جو معنویت ہے وہ کچھ دھڑکیوں کی محراب کا تسلسل ہے۔ غالب یہاں بکھا جذبہ بے اختیار شوق، فیشیر اور سینہ فیشیر کے اشتعال میں پکے رہتا ہے۔ کہ انسان اپنے اندر ایک اہل جذبہ شوق اور جذبہ رکھتا ہے۔ اس کا کام زندگی ہے۔ انسانیت کی تمام قوتیں اسی جذبہ و شوق سے جاریت ہے۔ انسانیت کی تکمیل اس کے بغیر عذاب و خیال ہے۔ نصب العین اور مقصد اس کے بغیر اپنے آپ کو ناپاکیاں نہیں کرتے۔ بلکہ انسان میں جذبہ و شوق نہ ہو تو وہ اس سے گریزاں رہتے ہیں۔ لیکن اگر انسان کے جذبہ صادق کا، انھیں یقین ہو جائے تو وہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں۔ اور اس سے ہم آغوش ہونے کی تمنا خود ان کے دل میں موجیں مارنے لگتی ہے۔ انسانی زندگی کا ارتقا اسی طرح مل جاتا ہے۔ اس کی قوتیں بے صورت اختیار کرتے ہیں۔

غالب کے اس شعر کو اگر اس انداز سے دیکھا جائے تو اس میں معنویت کا ایک نیا زاویہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس معنویت سے شعری حیثیت بہت بلند ہوتی ہے۔ بلکہ قوت اور جمالیاتی اعتبار سے بھی اس میں ایک ترقی نظر آئے لگتا ہے۔ کیونکہ یہ نیا زاویہ جذبہ بے اختیار شوق کو صرف کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح ان کا وجود بہت اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک نئی معنویت کو بھی پیدا کرتے ہیں۔ اور نئی جمالیاتی انداز بھی ان کے ہاتھوں رونما ہوتا ہے۔

اس کے بعد جو شعرا اس منزل میں ہے وہ بظاہر معنوی اعتبار سے بقدر تمام اشتعال سے الگ معلوم ہوتا ہے۔ غالب اس شعر میں تو بظاہر کہتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ عقل پا ہے چلتے ہیں جن کو کہے لیکن دنیا میری بات کو سمجھ نہیں سکتی۔ اس کے پاس جتنے بھی حال ہیں وہ سب بیکار ہیں لیکن میری گفتگو اتنی بلند ہے۔ اور میرا عالم تقریباً اس قدر بلند ہے کہ وہ میری گفتگو اور تقریر کے مفہوم کو اسیر نہیں کر سکتی۔ مطلب بظاہر ہے کہ غالب کی بات سمجھنا آسان نہیں۔ دنیا بھان کے علوم اور علوم کے ساتھ میں ہر دو شاہ پانے والی عقل اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔ غالب نے بظاہر اسی خیال کو سامنے رکھ کر یہ شعر کہا ہے۔

آہیں دم شنیدن جس قدر ہے بکھا

وہ عاقل ہے اپنے عالم فیشیر کا

لیکن اگر غالب اور ان کے فن کے مخصوص مزا کی روشنی میں دیکھنا ہے تو اس میں کچھ اور بھی معنویت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس معنویت میں بھی یہ عقل کے اشارے میں پیش کی جانے والی معنویت کا تسلسل نظر آتا ہے۔ واصل غالب یہاں بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان ایک عجیب و غریب مخلوق ہے۔ اس کو سمجھنا آسان بات نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے میں خیال کا لہجہ کرتا ہے۔ اس میں بے شمار عوامل اور فقرات کا سخن ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی باتوں کا سمجھنا علم اور عقل کے اس کی بات نہیں۔ انسان کی باتوں میں احساس، جذبہ، اور رنگ اور شور کا تہہ و تہہ کی گہمیاں ہوتی ہیں۔ ان تہوں کو سمجھنا کون کھول سکتا ہے۔ اس لئے ترقی کی اتنی منزل طے کر لینے کے باوجود کوئی بھی انسان کو کھول نہیں سکتا۔

غالب نے اس شعر میں بظاہر اپنی بات کہہ کر انسان کی پسند کی کو داغ کیا ہے۔ اور دام شنید اور عطا کے اشارے سے کام لے کر اس میں نہ صرف معنوی وسعت اور پسند کی پیدا کردہ ہے بلکہ انداز بیان کو سن و حال سے بھی سمو کر دیا ہے۔

مزا کے آخری شعر میں غالب نے ہلکا پر ہلکا دھشت کی تصویر کھینچی ہے عشق کی ایسی مزا ہے جہاں ہر چیز کو عاقل کو کسی طرح میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس کا مقابلہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ ہر لمحے آتش زہیرا رہتا ہے۔ اور یہ کیفیت زنجیروں کو بے کار کر دیتا ہے۔ اس کے حلقے موئے آتش ویدہ ہر کچے کار ہو جاتے ہیں، عشق کا دھشت ہر صورت اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اس کی گنگا کا آب بھلا کون لاسکتا ہے۔

لیکن کہہ دیں غالب اس میں بھی آتش زہیرا
 موئے آتش ویدہ ہے حلقہ مرئی زنجیر کا

لیکن کون جانے کہ غالب نے اس میں آتش زہیرا، موئے آتش ویدہ اور زنجیر کے اشاروں میں اس کے علاوہ کیا کیا کچھ کہا ہے۔ چنانچہ کہ یہ اسیر خود وہ انسان جو جس کا تہہ گواہوں نے اس مزا کے پہلے شعر میں کیا تھا۔ اس کی اسیر اس مزا کی طاقت جو جس پر انسان کسی خاص نصب العین کو حاصل کرنے کی غرض سے بہرہ نجاتا ہے۔ اور اس کے آتش زہیرا ہونے والی کیفیت وہ قرب وادہ جو جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا جس کے سامنے زنجیریں کٹ کر گر جاتی ہیں۔ اور اس کا ہر حلقہ ایک موئے آتش ویدہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہ عشق بعید از قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ غالب اپنے اس مخصوص انداز میں کچھ ایسی ہی باتیں کہتے ہیں۔ ان کی شاعری اس قسم کے نیاں آتش سے سمجھ کر رہی ہے۔

یہ معنویت نہ صرف یہ کہ بلند اور عظیم ہے بلکہ اس سے شعر کا سن لگا دیا ہوا ہے۔ اس معنویت کے انھوں غالب کے اس شعری ایک ٹکڑی ہی تہہ وادہ اس علاقہ فضا پیدا ہوتی ہے۔ جس سے اس کا سن دوبالا ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ غالب کا کلام اپنے دامن میں معنویت اور فن دونوں کے لئے زاد تیار رکھتا ہے۔ جن میں ان کی انسان دوستی اور انقلاب پسندی کی تصویر بھری ہوئی نظر آتی ہے۔

مجتبیٰ حسین

غالب اور ہم

غالب پر شعور نہ تھا، اس کی شعری عظمت اور فکری بلندی کو نمایاں کرنا آسان ہی ہے اور مشکل ہی۔ آسان اس لئے ہے کہ غالب پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس کی داخلی اور خارجی زندگی کا اچھا خاصہ تجزیہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے عہد کا جائزہ اور مختلف ثقافتی، مذہبی، سیاسی اور اصلاحی تحریکیں پر نظر ڈالی جا چکی ہے۔ اس کے معاصرین سے بھی واقف ہو چکے ہیں جو اس پر وقتاً فوقتاً مختلف صورتوں اور حیثیتوں سے انرا انداز ہوتے رہتے ہیں۔ ہم نے غالب کو بہادر شاہی دور کا نمایاں فرد کے ہنگاموں اور بہادری حکومت کے قیام حکم کے دوران میں لکھنے بیٹھنے چلتے پھرتے غزل سناتے، اصلاح کرتے، لڑائی سڑکیں میں حصہ لیتے، قصائد پڑھتے، خوشامد کرتے، محض لیتے چل جاتے، مافیہ سے روگڑواں ہوتے، انگریزی راج کی تعریف کرتے، مسلمہ خاندانوں اور حویلوں کو غصی سوٹی پرکتے، پرکتے، روگڑتے، قبول کرتے، مذاق اڑاتے، دیکھا ہے، ہم نے اُسے انتہائی بے نازی کے عالم میں بھی دیکھا ہے، ہم نے اُسے شلوب چنے، غزل لکھتے اور چٹختے کرتے بھی دیکھا ہے۔ ہم نے اُسے بڑی ولی میں پا کر تنہا بھی پایا ہے۔ وہ میں تقوت سے لگاؤ سے باوجود تقوت سے الگ بھی ملتا ہے۔ ہم اس کی وساطت سے طاہرہ اللہ سے بھی ملے ہیں اور بھڑکی کی دہائی معلوم ہو کر وہ کوئی نہیں تھا۔

ہر چند کہیں کہے ہیں ہے

خوشکہ ہم نے غالب کو تقریباً ہر جگہ اور دونوں جگہ کے عالم میں دیکھا ہے۔ اس کے بیانات فارسی اور خطوط کے مجموعوں سے بھی ہم گندے ہیں۔ ہیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ غالب کے خطوط نے اردو کی جدید نثر نگاری کو کتنا متاثر کیا ہے، اور اس سے کتنے دور رس نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ مختلف تنقید نگار۔ حالی سے لے کر اب تک۔ ہم کو بتا چکے ہیں کہ اس کے کلام میں فلسفیانہ گہرائی اور تجربہ کا وقت، علم، جذبات، انانیت، سوئی اور طنز اور زندگی کے بڑا سا ترغ اور مڑا۔ ملتے جلتے ہیں اس کے اسلوب میں ندرت، تازگی، شعریات اور "جدیدیت" پائی جاتی ہے۔ مجنونی نے اس کے کلام کو انہام قرار دیا اور ڈاکٹر سلطنت اور مرزا کا کلام اس کی بڑائی کو ماننے سے انکار کر دیا۔ چٹائی نے اس کے اردو دوہان کو معجز کیا، ماضیوں نے نہایت دیدہ زیب اظہار کئے، نسخہ حمید یہ اور لغز میں چھوٹے ہوئے دوسرے نظم مجموعوں پر تحقیقاتی مضامین اور کتب میں بھی لکھی جاتی ہیں، مغربی تنقید نگاری نے ہر نظر میں رکھی ہے اس کی روشنی میں بھی ہم نے غالب کے کلام کو پڑھا اور جانچا

ہے۔ اتنا سارے اعلیٰ مضامین، کتابیں، رسائلوں کے مخصوص خبر غالب کے متعلق اکٹھا ہو چکے ہیں کہ آسانی سے غالب کے بارے میں ایک معنون و مضمون ایک کتاب، دو کتاب، لکھی جاسکتی ہے۔ لفظوں اور واقعات کے آت بھر، ذرا سی جودت طبع اور عبارت آرائی سے کام لے کر غالب پر اچھا خاصہ، نگرانگیز معنون لکھا جاسکتا ہے۔ اور اس قسم کے مضامین ہمارے جلیں القدر ناقہ دین کے بقول، مطالعہ غالب میں ایک اہم اضافہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ لیکن غالب پر مصنف میں وہ کتابوں کی اسی فراوانی نے غالب پر کسی ایسے معنون کے لکھنے کے لئے کوجہد، فکری فکر انگیز اور دنیا پہلوئے ہوئے ہوئے، بے انتہا مشکل پیدا ہے۔ چنانچہ میری وقت بھر اس آدمی کے ساتھ پیش آتی ہے یا آسکتی ہے یا آتی چاہئے جو دنیا ستاری کے خلاف غالب پر غم اٹھا رہا ہوتا ہو۔ مگر کسی نے پہلے کسی چیز نظر نہ ہونے کے سبب سے ڈکھ سکتا ہو۔ یہ اعتراض غلط ہے۔ لیکن کلام غالب کے امداد استعمال سے احتیاج بھی ہے۔ ورنہ یوں تو غالب اور جڑی سونگ میر صاحب کی ایک میٹڈ یا معیاری (معیاری) شے ہو چکے ہیں۔ جو چاہے آسانی سے خرید سکتا ہے۔ یا مانا کہیں کے جڑے کی طرح — بارہ رو پیو پیو آئے یا اٹھائیں دوپے پیو آئے — حتیٰ اصطلاح ہوائی صاحب سے رام دیکھو اور ہر میں، پسین کے خوش خوش مگر چلے آئے۔ حسب معلومات اور توفیق غالب پر بھٹکے اور اپنے دل میں یہ سوچ لیجئے کہ آپ کے قلم کے مطالعہ غالب میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ یا پھر ایک دوسری راہ ہے جس میں ذہانت کم اور محنت زیادہ صرف ہوتی ہے۔ غالب کے مدد کر دہ پرانے کلام پر تحقیق فرم کر دیکھئے یا پھر غالب کی سوانحیات میں دن تا دن اور من و افراد کے ناموں یا واقعات کی صحت اور غزلیات کی تاریخی ترتیب میں حوصلہ دیاں، وہ کتابیں جن کی تصحیح شروع کر دیجئے۔ یہ کام اہم اور مفید ہے اور غالب پر تحقیقی معنون نگاروں کے مقابلے میں زیادہ دانت واران بھی۔ لیکن اس سے بھی غالب بھی کچھ زیادہ، اضافے کی توقع محبت ہے۔ اس لئے کہ شے شاہ کلام تحقیقی نہیں تحقیقی مدد میں دیکھا جاتا ہے۔ غالب پر لکھنے کا ایک تیسرا راستہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے نئے عنوان اور نئی چیزوں پر روشنی ڈال کر جانے کہ جس کا سروکار غالب سے کم اور لکھنے سے کم کی محبت طبع سے زیادہ ہے۔ یہ طریقہ آج کل ہمارے بعض نقاد ناقہ دین میں پایا جاتا ہے۔ ہمارے ایک ناقد نے بھی حریف صاحب پر آڑ دیا ہے۔ چنانچہ ایک حیرت انگیز معنون الباقی مسئلے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ میر صاحب کے سالن پانی بھرتا یا بھرتا تھا۔ اس قسم کے مضامین میں بڑی آسانی ہے، شیل ہاتھ میں لے لیجئے۔ دیوان گھول کر بیٹھ جائے۔ اور اپنے تمام اشعار پر جس پانی یا آگیا ہو یا مٹی کا ڈرگا رہا ہے۔ نشان بنا دیجئے۔ اور پھر ان عناصر پر الگ الگ یا مجموعی طور پر لکھ کر اس مشاعرے کے کلام پر چسپاں کر دیکھئے جو آپ کے ذریعہ مطالعہ ہے۔ چنانچہ غالب پر کسی اس قسم کے بلے شمار مضامین لکھے جاسکتے ہیں، غالب اور کلدا یا پارغ، غالب اور کلدا، غالب اور کوکین، پر چند واقعات قلم بند کر کے اور چند اشارات متب کر کے غالب کو ایک نئے رخ سے چلی کیا جاسکتا ہے مثلاً غالب اور کوکین ہی کے عنوان کو ملحوظ اور اس قسم کے اشاروں کو مستند و مستند کر لیا جائے۔

حقیقت و حذر و دلی محنت کہ یہ صواب کیا خوب
حکم کو منظور نکونانی قلم و تہیں

تیسے بغیر مرے مکا کو بہن اسد
سدر گشتِ خوابِ روم و قہود تھا

کو بہن کو سدرِ مزد و طرب گاہِ رقیب
بے ستون آئینہ خوابِ گرانِ شریں

شعبہ گئی ہے ایک طرف رنج کو بہن
خوابِ گرانِ خسرو پرورِ نیک طرف

لاؤ کاوا، سخت جا نہیں آئے تہائی نہ بوجھ
صبح کرنا شام لانا ہے جوئے شہر کا

اب ان اشعار کے ذریعے سے غالب کی انقباضی فوجیہہ کیجئے۔ یعنی غالب فرماؤ گے کچھ زیادہ قائل نہیں تھے اور
عاطف کی حیثیت سے مجھوں کو جلتہ تر کھتے تھے ر

جز قیس اور کوئی نہ آیا ہوئے کار

اس کے علاوہ عشق اور مزدوری میں مشد یہ تضاد اور تضاد م پاتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے
ہاں عشق ایک عشرتِ زمینی ہے جسے جہانی محنت اور مشقت زانی کر دیتی ہے۔ عشق کے لئے آرام اور سکون کی ضرورت
لازم ہے ۵

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی خدمت کے دات دن

بیٹھے ہیں تصورِ جاناں کے لئے جوئے

پھر ان اشعار کے ذریعے غالب نے ایک نثر کی بات بھی بتائی ہے۔ ایسی جگہ بھی عشق ذکر کیا ہے جہاں اپنی سماجی
فرد پر اور محراب کی بلند قرار نہ کسی بڑے آدمی سے رہتا ہے۔ اور وہی مناسب ہے پھر روشنی کے عالم میں بھی عشق عجب بیز
لازم ہے۔ مزید برآں ان اشعار کے ذریعہ سے ہم غالب کو ان کے جسد کے پس منظر میں
دیکھ سکتے ہیں۔ جس میں غالب کی بلند خیالی اور صوفیہ مذاہب کا جواب دل کے ہاتھوں یا مال ہو کر رہ گئیں۔ وہ ایک
ایکے معاشرے میں تھے جو، سرگشتہ خوابِ روم و قہود تھا۔ جہاں خسرو قسم کے آدمی دیرینہ دیتے تھے ر

بنا ہے عشقِ بھل حسین خاں کے لئے

اور ایک انتہائی حساس آدمی کے لئے اس معاشرے میں بھڑنا مای اور بے زاری کے کچھ بھی نہیں تھا ۶

رہے اب الہی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

لاف و افش غلط و نفع عبارت معلوم

فرد ایک سا ازل غفلت ہے ہم دنیا و ہم دین

واقف کہ اسی قسم کی بے شمار تاویلات ہو سکتی ہیں اور اس قسم کے نامور اور عجیب و غریب غزلیات کے تحت بے شمار نامور اور عجیب و غریب تنقیدیں و دھڑکیں لائی جا سکتی ہیں۔ ایک اور طریقہ یہ ہے کہ غالب کے معاصرین اور غالب پر ایک سلسلہ شروع کر دیا جائے، غالب اور مومن، غالب اور ذوق، غالب اور شبستہ، غالب اور آندوہ، غالب اور طائی یہاں تک کہ غالب اور غالب۔ لیکن یہ تمام کوششیں صرف ایک چیز کی غماز ہوتی ہیں۔ غالب سے بچنے کی اصل غالب کو چھوڑ کر۔ "اپنے، پرہیز" اہل دہرا پر غالب کا قیاس کرنا۔ یہ غالب کی کلیت کو نظر انداز کر کے جزائے غالب کو غلط فہمی کی اہمیت دینا ہے۔ اور یوں غالب اور اس کے کلام کو سچ کر کے مثبت پیدا کرنا ہے۔

بجی تمام واقعات ہیں جو اس وقت پیش آتی ہیں۔ جب کوئی واقعی غالب پر کچھ لکھنا چاہتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی اہم سوال اُٹھتا ہے۔ غالب پر کیا لکھا جائے؟ کس طرح سے لکھا جائے؟ کیا واقعی کوئی نئی سبب یا ایسا پہلو باقی رہ گیا ہے جس پر اب تک نہیں لکھا گیا ہے۔ اور کیا یہ نئی چیز یا نیا پہلو کلام غالب کی اصل دور کا ایک پر تو ہے یا صرف اُن بہت سے غداروں اور فروغی امور سے متعلق ہے جو شاعر کی داخلی شخصیت کو چھپا ہے، رہتے ہیں اور اصل ہونے کا دھوکہ دیتے ہیں۔ جب ہم یوں غور کرتے ہیں تو بلا پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب پر اب مزید کچھ لکھنے لکھانے کا امکان ختم ہو چکا ہے۔ اور اب ہمارا کام یہ ہے کہ غالب کی قسم شعری عظمت کو سراہتے ہیں اور اس کے اشعار پر سرٹختے ہیں اگر تھکے دل سے سوچا جائے تو کوئی ایسی ہی بات نہیں ہے۔ ہر اچھے شاعر کے ساتھ قاری کا یہی رابطہ اور معاملہ ہوتا ہے بڑی تنقیدوں کے لکھنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم کم از کم اپنے جس غالب کے کلام سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت ہی کو برقرار رکھیں۔ ہر بڑے شاعر کے کلام کی بقا اسی میں ہے کہ بڑے بڑے والوں کے دلوں کو وہ روشنی دیتا ہے۔ اُن کی زندگی کو پاکیزہ اور ان کی فکر کو بلند کر کر دے۔ ان کے خوابوں کی تعبیر دیتا ہے اور خود خواب دکھاتا ہے ان کے ذہنوں میں ایک ایسی روشنی ہوتی ہے جس سے ان کے لیے حقا پیدا کر دے جس میں ہر اچھے شاعر کا کام حسین ابدول فریب معلوم ہو جائے۔ اگر غالب کے کلام کی عمر ہی شعریت ہی سے ہیں سرور کا وہ بتا ہے تو یہ کوئی ایسی محسوسات نہیں ہے جس پر خواہ مخواہ چسب لگائیں ہو اچانک، البتہ یہ کہ اس میں بعض ناقدین کی حق تلفی ہوتی ہے۔ لیکن غالب کی حق تلفی کرنے سے یہ ہر صورت بہتر ہے۔ چنانچہ اسی سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ غالب کے کلام پر تنقید کرنے سے پہلے بیٹھنا لازم ہے کہ ہم واقعی سخن جنم ہوں، اس کے بعد غالب کی طرف رجوع ہوں، غالب پر نئے مضامین لکھتے اور اس کے کلام کا نئے زاویے سے مطالعہ کرنے کا میدان ختم نہیں ہو گیا ہے۔ جسے شاعر کا کلام نہیں جا رہا ہے اور ہر عہد اور مذہب کی مختلف منزلوں میں ایک نئے، وہ اپ اور نئے معجزے کے ساتھ آج بھی ہے اور یہی اپنی طرف بلاتا ہے۔ یہ بات دراصل یہ ہے کہ غالب کے کلام کا نیا پہلو اسی وقت سامنے آ سکتا ہے جب ہم واقعی داخلی اور نفسیاتی طور پر شدید اضطراب اور کرب کے عالم میں آسمانے آدمی کی طرف بڑھ رہے ہیں جو ہم جس ہر مذہب بانی بحران کے موقع پر آجھرتا ہے۔ اور جس کا چہرہ دھندلا کر دیکھ کر ہٹا ہوتا ہے۔ جسے ہم ڈرا کر چار دیواری تربیت ادبی ہے) اچھے اشعار کی مدد ہی سے دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ اندر جب ایک دنیا فکری آدمی تخلیق داتا ہے تو ادبیات کا ایک نیا تصور ہم میں جنم لیتا ہے۔ اور ہم انہیں ایک نئی روشنی میں پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ ہر

روایتی، جامد، ساکن، اپنے ص اور بے خبر آدمی کے ساتھ غالب کا کلام یا تو مطلقاً رواجی بن جائے گا، یا اسی حد تک دل کشی کا باعث بنے گا جس حد تک مشہور نکتے دانے اس دل کشی کو جان کر چکے ہیں۔ لیکن یہ تو ان بدلتے ہوئے سماج میں، یہ تو ان بدلتے ہوئے آدمی کے ذہن میں، اور تاریخ کے نئے شعور سے تازہ نگ اور متحرک زندگی کے چمکناٹوں میں غالب کی نیا آدمی بن کر جم پنا ہے گا۔ اور غالب کا کلام زندگی کے تازہ ترین اور بلند ترین تعقولات بن کر سامنے آتا ہے گا۔ نیا آدمی نئے غالب کے ساتھ آئے گا۔ اور غالب کے کلام کے نئے امکانات کو بے گناہ کر آئے ہوئے گا۔

جاما چھٹا ادبی سرمایہ صرف چار ہی تہذیبی وراثت بنا ہیں، جسے جگہ جگہ ہادی تہذیبی عزت بھی ہے۔ یہ ہادی تہذیبی تربیت کے لئے ناگزیر ہے۔ غالب صرف ہادی تہذیبی وراثت نہیں، وہ ہادی تہذیب کا آب و رنگ اور ہادی تہذیبی تربیت کا ایک لازمی اور اہم جز ہے۔ اور ان کا شاید ہی کوئی ایسا ہم عصری زندگی تھی بھر پور توانا اور آہنی پن لئے ہوئے ہے۔

غالب کا کلام فرسودہ زندگی سے گریز ہے، اس کے جبر کے خلاف ایک فریب و ایک احتجاج ہے اور معافی طلبی ہے۔ پیدا شدہ بے دلی، بے زاری کا آئینہ دار ہے۔ اس کی فکر طبع میں ایک طرف تو اس کے "پست نگر" طبع سے تضاد کا المیہ ملتا ہے۔ دوسری طرف نئے دور کی حسرت، آغازِ پائی جاتی ہے۔ غالب عہدِ بیرونہ زندگی کا جوہر تھا۔ اس کے کلام پر وہی شخص بھرپور لکھ سکتا ہے۔ جو خود وہ بیرونہ زندگی کا جوہر اور معاشرتی جبر کا زخمِ خوندار ہے۔

ہندوستان کی اہم کتابیں دو ہیں ایک دید مقدس
دوسری دیوان غالب۔

عبد الرحمن بھٹی
مجھ سے اگر پوچھا جائے کہ ہندوستان کو منسلح
سلطنت نے کیا دیا تو میں بے شکلف = یمن نام لائے گا
غالب = اردو = تاج محل۔

رشید احمد صدیقی
اس میں شک نہیں کہ غالب طبعاً فالس عاشق تھا نہ
رنگ کا شمع شاعر تھا اور اس رنگ میں اس نے
جو کچھ اور جیسا کچھ کہا ہے وہ اپنا جواب نہیں رکھتا
لیکن باوجود اس کے جس وقت اس کی شاعراتِ عظمت کا
سوال سامنے آئے گا تو ہماری نگاہ سب سے پہلے
اس کی "کھپاتی" شاعری ہی کا طرفت جائے گی۔

نیا و نھوری۔

رفیہ سجاد حمیز

غالب

بچوں کے لئے

غالب کا بچپن

مرزا غالب کے خاندان والے علمی ترک تھے۔ ان کے باپ ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا اتر ناتھ ایک اپنے باپ کے کسی بڑے بھائی پر کڑا غور شاہی تھے۔ ان کے بچپن میں مرزا صاحب نے ہندوستان چلے آئے تھے۔ وہ ایک ترک زادان ہوئے تھے اور مرزا کا کام ان کا پیشہ تھا۔ یعنی غور شاہی اور کٹر لکھتے تھے۔ مرزا غالب نے خود لکھا ہے۔

سوداں ہے بے پیشہ آبگری

کہ شاعری نہ میر و شبیر ہے

نوجوان کے خاندان میں ایسی تعلیم اور نگارندہ طبیعت نہ تھی جس کے واسطے شاعر ۲۰ برس کی عمر میں غور شاہی کی بات تو فرسید ہے۔ لیکن اس حد تک ہوتا ہے کہ شاعر بننے میں پیدا ہوتے ہیں اور شاید بچہ سب سے کہ مرزا نے اپنے بچپن میں ایک سنگ لکھا تھا۔ اگر غور شاہی اور فرسید کے توکل نہ ہوتا تو ان کا چہرہ نکلتا لیکن وہاں حدود و کوکٹ میں نہیں تھا مرزا نقل کرتے تو کس کی اور لکھتے تھے تو کس کا؟

ان کے باپ اور کے دادا غور شاہی تھے۔ مرزا میں دادا احمد گدراست میں دیکھ کر نے غور شاہی کی مرزا کے باپ اس مخالفت کو دیکھنے کے لئے غور شاہی سے لکھ لیا اور اس لڑائی میں مارے گئے۔

مرزا کی عمر اس وقت کوئی سات سال ہوگی اور ان کے اس ایک سہو دار اور فرسید میں نہیں، انھوں نے مرزا کی تعلیم کا اچھا انتظام کیا۔

سب سے پہلے بسم اللہ پڑھا

بسم اللہ تو پڑھا ہی ہوتا ہوگا لیکن کس میں وہ پڑھا تو اپنے کچھ شاعری پڑھا لیکن اس میں بھی پہلی بار شاعرانہ شوق نکلا

کر کوئی جہت بڑا فاضل ہے۔ اتنا سچا اور اتنی گہنی اتنی لذت اور اتنی تلاش!

ہم نے بھی نہیں یہ بات اس لئے بتائی ہے کہ مرزا جو مکتب کی پڑھائی سے گھبراتے تھے تو اس سے کہہ نہ سکتا کہ وہ پڑھنے کی لذت کرنے سے گھبراتے تھے۔ نہیں دیکھتے وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ جو کچھ وہ پڑھیں، اپنے شوق اور پسند سے پڑھیں اور اپنی پسند کی پڑھائی میں وہ جہت مہنت کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے علم میں کوئی کمی نہیں رہی اور ان کے زمانے میں ان سے شرافدار سب کی سب کا علم اور جاننے والا دوسرا کوئی نہ تھا۔

انھوں نے آخری عرصے میں کسی سے باتیں کرتے ہوئے کہا تھا۔ میں نے باقاعدہ مکتب جاننا اور پڑھنا کتنا دینا بڑا سال کا عمر سے پہلے ہی جو شروع تھا، میں بچکانہاں میں ہی اس کی تعلیم دینی چاہی تھی تو یاد ہے کہ میں نے دوبارہ مکتب کی طرف مائل نہیں کیا۔ اب سوچتا ہوں کہ ایسا کچھ خاص نقصان بھی نہیں ہوا۔ لہذا اس قسم کی پڑھائی جہاں رہی تو یاد ہے کہ زیادہ ہی خوب ان لوگوں کے لئے ہو سکتی ہے جنہیں کہتے تھے۔
تم بھی مرزا کے بالکل شریعت کے دوچار شعر سنو اور ان سے مزہ لو۔

اک گرم آدمی تو ہزاروں کے گھر چلے
رہتے ہیں خنق میں یہ اہم جگر چلے
پردانے کا نہ علم ہو تو ہر کس نے اسد
ہوا ت فصیح، شام سے تا صبح

اور

زعم دل تم نے دکھایا کہ کبھی جانے ہے
ایسے جیسے گور لپہہ کہی جانے ہے

قالب آگرے میں

مرزا کے فریقین کے زمانے میں آگرہ میں ایک اور بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ ان کا نام تقیر تھا۔ یہ صوفی تھے، بڑے بڑے گھومتے تھے ہر طرح کے لوگوں سے ملنے بیٹھنا کبھی کبھار ہوتا تھا، ان کا بیان میں کہتے تھے کہ ان کی شاعری بہت ہی کڑی اور خبیثہ دار تھی۔ ان کی ہجو نظم۔
”سب شحات ہزارہ جانے گا جب لاد چلے گا بھارہ“ تم نے پڑھی یا سنی ہوگی۔

جب آگرہ کے پچھلے کاربان پر تقیر کے شعر تھے تو مرزا قالب نے بھی تقیر کے شعر پڑھے اور سننے ہوئے، اور اس سے ان کو غصہ ہوا کہ اس کا ہوا ہوگا۔ لیکن کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مرزا قالب تقیر کے شاعر تھے۔ یہ بات بھیج نہیں ہے! تمہیں معلوم ہے کہ شاعر میں استادی شاعر کی کیا معنی ہیں!

بات یہ ہے کہ اس زمانے میں سر غلام آزاد، خواجہ نصیر، شاعرین شہرہ کا تھا اور محض اہمیت کہتے تھے کہ انھوں نے اپنے اور شہرے استادیوں میں سے کوئی ایک قالب، ان کا زمانہ تھا۔ پھر جو کچھ وہ شعر بھی کہتا اپنے ان استادیوں کو دکھاتا اور ان کے مشورے اور صلاح سے اپنی شاعری میں کائنات چھانڈتا اور اس سے درست کرتا، ایک ایسے استاد کے بیسیوں شاکر ہو کر کہتے تھے اور ان استادیوں کے بیانی شاکر ہوں گا وہ بار بار انگریز تھا جس میں استاد بادشاہ سے کم نہ ہوتا تھا۔

مزہ یہ کہ بات یہ ہے کہ استاد شاکر تو سب میں ایک دوسرے کے دوست ہوا کرتے تھے لیکن ان کے شاکر ہوں میں اکثر خوب خوب چہ بھٹن مڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ اور لوگ بھونک چا کرتی تھی۔ جو زیادہ تر اس بات پر مبنی تھا کہ ان استاد شاہہ اور کون چھوڑے۔
”تو کی شست گدا دہشت“ اور کلاما ہو اٹھا

مرزا غالب کے متعلق ایک چیز کی بات یہ ہے کہ اس طرح کی شاعرانہ انھوں نے کسی شاعر کا نہیں کیا

ایک اور دلچسپ بات یہیں سنائیں !

اس زمانے میں ایک اور بہت بڑے شاعر تھے ان کا نام شیر تھا۔ تم نے بھی سنا ہوگا یہ غزل کے اتنے بڑے استاد تھے کہ ہر آدمی دے ان کو خدا کے اٹھائے کہتے تھے۔ یہ بھی اگرے کے تھے، پھر وہی میں بہت سال رہے اور آخر میں پریشانیوں سے تنگ آکر بھٹو چلے گئے تھے

تم کو معلوم ہوگا کہ میر صاحب ذرا کم چڑھے تھے۔ بھی آخر اتنے بڑے شاعر ہوئے، جلدی کسی کی تعریف نہیں کرتے تھے اور میرور ہی پر اپنی شاعری بیکر کا کلام نہیں دیکھتے تھے۔

ایک بار ایک خوب صاحب وہی سے گفتگو کی۔ تو غالب کی ایک غزل اپنے ساتھ لے گئے۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ لوگ ایک شاعر کے شاعروں کا کلام دوسرے شاعر لے جایا کرتے تھے۔ سوغات کا طرح۔ غالب کی عمر اس وقت پچیس سال سے بھی کم تھی۔

ہاں تو ان لوگ صاحب نے وہ غزل میر صاحب کو دکھائی۔ جانتے ہو میر صاحب نے کیا کہا؟ بولے اگر اس طرح کے کوئی اچھا استاد مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے رستے پر ڈال دیا تو جواب شاعر بنے گا۔ — — — — — ورنہ پہل بجے گا

خدا سوچو تو یہ سچ ہے حکم ہو گا تو ایسے شعر کہیں تھا کہ لوگ ایک شاعر سے دوسرے شاعر لے جایا کرتے تھے۔ میر صاحب نے غالب کے بارے میں جو پیش گوئی کی تھی وہ بالکل ٹھیک تھی۔ غالب واقعی اپنا جواب شاعر ہوئے لیکن یہ بھی ایک ان کی تعریف ہے کہ بغیر استاد کے لا جواب ہو گئے۔

ہم نے یہیں بتایا ہے کہ غالب نے شاعر میں شاعر کا کس کی نہیں کی۔ لیکن ان کے پڑھنے لکھنے میں فارسی زبان کا بھی بڑا جاننے والا اور شعر کہنے کی طرف دل پڑھا ہے میں ایک شخص کا ہاتھ کافی تھا

اس شخص کا نام پہلے میرزا محمد علی صاحب تھا۔ پہلے آتش پرست ہوا تھا۔ بعد میں اسلام ہو گئے تھے۔ ایران کے پڑھنے والے تھے اور عربی کتبوں میں رہ کر عربی زبان میں اچھی طرح لکھی تھی۔ میرزا کا کہتے ہوئے ہندوستان میں آئے تھے۔ جب اگرے پہنچے تو جہاں غالب نے ان کو پہنچایا اور دو سال تک اپنے یہاں مہمان رکھا۔ اس مہمان کے دور میں غالب نے علم کے اس مستند سے خوب بحث کی۔ ان کو میر صاحب سے اتنا ہی محبت ہو گئی تھی کہ ہندوستان سے جانے کے بعد کسی اور ملک سے انھوں نے غالب کو خط نہیں کیا۔ میرور طبیعت تھی اور وہ تھے۔ یہاں کسی کا گھر نہیں رہا۔ لیکن میرے عزیز قلم نہ جانے کیسے ہو کہ تمہاری یاد بار بار اگر اس آزادی میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔

مرزا نے بھی جہاں کہیں ان کا ذکر کیا ہے، بڑی محبت اور عزت کے ساتھ کیا ہے۔ انھیں اپنے استاد سے بہت محبت تھی اور ہم نہیں ایک بات اور بتائیں۔ اور میر جہاں مرزا غالب کے ساتھ اگرے سے واپس چلے گئے۔ وہ بات یہ ہے۔ — — — — — شاید یہیں کسی نے سن کر۔ کہ تیر سال کی عمر میں غالب کی شادی ہو گئی۔

انھوں نے اپنے آخر زمانے میں اپنے ایک دوست کو خطا لکھتے ہوئے لکھا ہے "ششتر میں میرے بھائی جس دوام (یعنی عریضہ) کا حکم ہوا۔ ایک عریضہ (یعنی عریضہ) میرے پاؤں میں ڈال دیا۔ اور وہی فہر کوڑیاں مقرر کیا اور مجھے اس نذران میں ڈال دیا۔

مرزا غالب کی بیوی کا نام آسمان اولم تھا۔ چھوٹے سے قد کی خوبصورت بیوی تھیں۔ اسے اپنے میاں سے بہت محبت کرتی تھیں۔ غالب میں اس کا میں اکثر چٹکڑے جھاکرتے تھے یہ جھگڑے بڑے دلچسپ ہوتے تھے اور دونوں کے جھٹ مزے دار بیٹھے مشہور ہیں۔

مشفق ایک بار مکان بدلتا تھا چھٹے غالب کو وہ ہلکا دھچکا دے لیکن صرف باہر کا حصہ دیکھ سکے۔ کیونکہ پردے کی وجہ سے اندر نہیں جاسکے تھے۔ چنانچہ امراؤ بیگم اندر کا مکان دیکھنے گئیں۔ جب وہاں آئیں تو مرزا نے پوچھا: "بھئی کس مکان ہے۔ پسند آیا۔ وہ بولیں مکان تو اچھا ہے۔ پر اس میں کوئی بلا جاتے ہیں؟"

غالب نے ہنس کر کہا: "اچھا! بھو آپ سے بڑھ کر بھی کوئی بلا ہے؟"

غالب کے ایک دوست نے چوتھے خضر مرزا سے کہا ہے۔ میں ایک دن مرزا صاحب کے یہاں گیا۔ اوپر سیڑھیوں سے اتر رہے تھے "میرے کھوسے پر ہاتھ رکھ کر بولے: "آسمان تیری داد کی گھر میں رہا ہوں (یعنی اندر رات نے میں) اندر پہنچے تو دھماکا سے داد کی کے بار سے میں نے چھپتا چھپتا نکلا تو بڑھ رہی ہیں۔ کہنے لگے: "میں یہ کیا ہے ابھی جب آؤ گا دلچسپ آؤ گا اس سے خضر تیری داد کی نے تو گھر کو فتح پور کی کی مسجد بنا دیا ہے؟"

بات اصل یہ تھی کہ غالب کے فن کار اور شاعر آزاد طبیعت فقیر مرزا کی انکھروں اور ذمہ داریوں سے گھبراتے رہے۔ اور امراؤ بیگم یہ بھی سادھی اگر بہت بیوی تھیں اس لئے ان کو شوہر کی کچھ باتیں کھل جایا کرتی تھیں۔

ویسے دونوں میاں بیوی میں بہت محبت تھی اور دونوں ایک دوسرے کا لحاظ اور خیال کرتے تھے اور اس چاہت کا ایک نیا عجیب سا ثبوت یہ ہے کہ میرے کے خیرک ایک سال بعد — اس کا دن جب غالب مرے تھے — ایک طرف ان کی برسی کا تیاریاں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف امراؤ بیگم اس دنیا کی انکھروں کو چھوڑ کر اپنے شوہر کے پاس سدھاری۔

آؤ — اب مرزا کا گھر بار گنگے صفائی، دواغہ ہو رہا ہے۔ ملاقاتیں گارڈین میں لگایا جا رہا ہے۔ سواروں اور تھوڑا کچھ پاکیوں میں مشغول ہیں کچھ مرد اور لوگ چاکر گھوڑوں پر بھی ہیں ایک رات میں چندہ سولہ برس کے مرزا غالب اور بارہوی بیوی کدلی کا دھین امراؤ بیگم چٹکڑے کھاتے مزے مزے کی باتیں کرتے ایک دوسرے کو چھیڑتے "میں نے مذاق کرتے چلے جا رہے ہیں۔

ہم لوگ بھی اسی رات کچھ چٹکڑے چھیڑیں۔ ٹھیک ہے نا؟

غالب دہلی میں

رات کے ایک بجے ہیں:

دہلی کا ایک اندھی لگی میں سے ایک پاکی گزر رہا ہے: "آج کل تو پاکی میں صرف خوشی بیٹھتی ہیں اور وہ بھی کبھی بکھار لیکن ایسویں صدی میں دہلی اور گھنٹوں کے خریف لوگ اس سوار کی پر چلا کرتے تھے!"

اس وقت اس میں کون ہو سکتا ہے!

دیکھو یہی بارہوی کی طرف شری احمد اب لگی قاسم جان کی طرف جا رہا ہے!

ارے اس میں تو مرزا غالب ہیں!

مگر ان کے چہرے پر یہ نکل اوروں کی ہرچا نیاں کیسی؟

کیوں نہ ہوؤں گے۔ دل میں کیسے کیسے ارمان سے کر مشاعرہ میں گئے تھے کہ غزل کی خوب خوب داد دے گی۔۔۔ پر وہاں
ایو سی اور نہ ان کی کے سما کے نہ لے۔ یہ اپنے شعر سناتے رہے۔

ہے میں کہ ہر ایک ان کے افتاد میں تھا اور کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گستاخ اور
تم شہر میں ہو تو صبر کیا خم؟ جب انھیں گے سے آئیں گے بازار سے جا کر دلی و جاں اور
محفل خاموش رہا!

رو ایک چاہنے والے دوستوں نے تعریف کی۔ 'لیکن وہ کیا دلی کو گنتی؟
آغزوہ وہاں سے اٹھے، آہستہ سے بولے۔

یاد رہے کہ مجھے ہیں نہ بھیں گے مری بات
وہ اور دلی ان کو جو نہ سے لکھ کو نہ ہاں اور

اور جری محفل چھوڑ کر نکل آئے۔ یہ ارادہ کر کے کہ اب کسی مشاعرے میں نہیں جائیں گے۔

لیکن دوست کب بھی چھوڑنے والے تھے انھوں نے صرف دوشے ہوئے غالب کو منا یا ہی نہیں بلکہ انھیں یہ بھی سمجھا یا کہ صرف
لوگوں کا دل بدلنے کی دھماکے سے کام نہیں چلے گا۔ اپنا زبان بھی بدلتی ہوگی۔

مزا غالب کے ان دوستوں نے فضل الحق خیر آبادی کا نام بیٹھ نہ دے رہے گا۔ جنھوں نے غالب کے ساتھ نہ صرف دوستی
کا ج ادا کیا بلکہ ہم پر۔۔۔ جو آج غالب کے بچے بنے والے ہیں۔ ہم پر بھی احسان کیا کیونکہ انھوں نے ہی غالب کو ہر وقت کہہ کر
یہ سمجھا یا کہ ایسے شعر کہو کہ جی کو لوگ پسند کریں۔ دردِ افک خرد تھا رہے بارے میں کہیں گے:-

اگر اپنا کہا تھا کہ اب مجھے ہر تو کیا ہے

مزا کہنے کا جب سے اک کچے اور وہ سلا ہے

نہاں کیسے جگے اور کلا کھڑا ہے

مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا اب سے

ہم تہذیبی شاعری پہ کی بیٹیں بے شک جو شاعر ہوتا ہے وہ دلی کا کون کر کے شعر کہے پتہ نہیں اور اگر تو یہ دوسروں کی کوٹنا ہے
پھر اگر تہذیبی بات کہنے کا طریقہ یہاں کہہ سنے والوں کے دل کو وہ بات نہ لگے تو تباہا شعر کیا سنتی؟

غالب کے یہ دوست بات کو بہت ٹھیک کہتے تھے مگر اس بات کو ماننا کہ اندر و شمار تھا اس کا اندازہ تمہیں عرب کے ایک بہت بڑے
مصنف کی بات سے ہوگا۔

وہ کہتا ہے: شاعر کے لئے اپنی اپنی بری چیزوں کو کاٹنا انا ہی مشکل ہے جتنا ماں کے پیٹے اپنے بچے کے گئے پر پھر بھی پھر نہ کرے گا
وہ اپنے شعروں سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی ماں اپنے بچے سے کر قہ ہے؟

اس بات کو سمجھنے کے بعد تم مزا غالب کی محبت کو داد دو!

نہاں صبح کا پتے دوستوں کا اس رات کی سجاوٹ انھوں نے صرف اتنی ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے دلچاں کو

جب چھانٹا تو اس کا تقریباً تین چوتھا فی صد کٹ کر بچ گیا دیا۔

اس کے یہ سونے ہوئے کہ انسان کی جو سب سے بڑی خوبی ہے یعنی اپنی کیوں اور کمزوریوں کو کھانا اور پھر اپنی طبیعت پر حیرانہ و دباؤ ڈال کر ان کمزوریوں کو دور کرنا۔۔۔ یہ خوب مرزا غالب میں کسی دور پر تھی!

بچو جو بچے کا گرم دیمان غالب کو کچھ تو حیران رہا۔ جاؤ گے کہ اتنی چھوٹی سی کتاب اور اس کی اتنی شہرت! لیکن دیکھنے کا بات یہ ہے کہ غالب کی نظر جو ہر سی کی تھی۔ ایک ایسا تدار اور پسے غی کار کی نظر تھی۔ انھوں نے صرف میرے چمن کے اور گنگر سب نکال ڈالے!

اسی لئے یہ چھوٹی سی کتاب بھاری بھاری دلیالوں کے محتاجے میں نہ پا رہی تھی بھی جاتی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں دہلی میں کچھ خاص لوگوں کا ایک گٹھ تھا جو غالب کی بڑھتی ہوئی شہرت سے بچتے تھے اور ہرگز کوشش اور طرح طرح کی ترکیبیں کیا کرتے تھے کہ غالب کا کلام نہ پہنچے پائے۔ لیکن عام لوگ ان کی غفلتوں کو بہت پسند کرتے تھے۔ عام لوگوں کی اس پسند کے بارے میں بھی طرح طرح کی دلچسپ باتیں مشہور ہیں۔

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ چاندنی چوک میں ایک ملاف دہلی تھا جس کا نام جو دھوی تھا۔ یہ بڑی خوبصورت اور بھلی صورت تھی اور اسے گانا بجانا بھی خوب آتا تھا۔ دلی کے اکثر خاص و عام اس کے یہاں گانا سننے جا جاتے تھے۔

جو دھوی کو مرزا غالب کی شاعری بہت پسند تھی اور وہ اسے دلی بھی غی دھیں بنا کر ان کی طر میں گایا کرتی تھی۔

ہوتے ہوتے مرزا غالب کی فزائیس دلی کے تمام گلوگوں میں پھیل گئیں۔ اسے پہنچنے پہنچنے مرزا غالب تک یہ بات پہنچ گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مرزا غالب اس بات پر بہت رنجیدہ اور انگلیں کھٹکے کہ ان کی شاعری خاص لوگوں میں پسند میں نہ رہی تھی۔ تم بھرتے ہو کہ اپنی شاعری کو اچھا نہ مکرے دلی صورت سے بٹنے کی خواہش مرزا کے دل میں ضرور پیدا ہوئی ہوگی۔

اور پھر زمانہ جو دھوی میں بخت ہو گیا!

اپنی اس بخت کا حال مرزا نے کسی حکم کو نہیں بھائی کیا۔ لیکن ان کے خطوط میں کہیں کہیں اس کا اثر اٹھاتا سا دکھ رہا ہے۔

”تم نے اگر مرزا غالب“ ظلم دیکھی ہوگی تو اس میں اس بخت کا پورا حال دکھایا گیا ہے۔

انھوں نے کہ جو دھوی کا انتقال جوائی بن گیا۔

مرزا غالب کے کچھ حواریے ملتے ہیں جن کے بارے میں یہ سوچا جاسکتا ہے کہ انھوں نے جو دھوی کی اس بے وقت موت پر کچے ہونگے۔

کیوں دہری غم خوار کی کاتھو کر آیا تھا نیاں	دھنسی ہی تھی میری وہ دھاریاں
شیرم رسوائی ہے جا بیٹھا تھا بھاگ میں	ختم ہے حالت کا کچھ پر پردہ داریاں
عمر بھر کا تو نے یہاں وفا پاندھ لی تھی کیا	عمر کو بھی تو ہیں ہے پاندھاریاں

اور ان کی وہ بہت مشہور اور خوبصورت غزل۔

شعبہ عشق سپاہ پوش ہوا میرے بعد	شعبہ بختی ہے تو اس میں جدواں اٹھانے
کس کے گھر جائے گا سیلاب لا میرے بعد	آئے ہیں تیرے عشق پہ رونا ناکب

مرزا غالب اور جو دھوی کی محبت کی یہ کہانی بڑی دلکش بھری ہے اور اس سے بہت چلتا ہے کہ ان کا دل بخت کا بڑا چاہتا تھا۔

اداس کی سب سے بڑی آندہ اداس اس کی پیاری تھی یہ ہوئی ہے کہ اسے کوئی ایسا شخص ملے جو اس کے نور کا سچا قدر دان ہو اسے کچھ اداسی سے پیدا کرے۔

اکثر فنکاروں کو اپنے گھروں میں یہ بات نہیں نصیب ہوتی تو ان گھوکے باہر کسی کے پیار کر کے اداس بنادول جلاتے ہیں اپنے نور میں اپنے اس لوگو کی تصویریں کھینچتے ہیں اور شرب کے نشے میں اپنے غم کو بھول جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے غالب نے لکھا ہے۔
 نے سے غرض نشا دہ کس دوسیا کو اک گوند بے غری جیسے دل دلت چاہئے
 ہم سب کو چاہئے کہ ایسی کوشش کریں کہ کلاکار کے نرم لہز نازک دل کو سما کی شکر کریں دلیلیں اداس کے نور کی لہریں آندہ ہو جیسی کہ ہوئی چاہئے۔

غالب لکھنؤ میں

دہلی سے لکھنؤ جانے والی سڑک پر ایک گھوڑا گاڑی جا رہی ہے۔
 ہمدان کا موسم چہ پھار ہند بھگہ چاندن لوت ہری لہی چھائی ہے، جو ہر گز سے پانی سے بھرے ہیں۔ آسمان کی غیب چادہ جو عرو کھینچے تو گردن میں آندہ اندام بھوسے ہوئے سڑک کے کنارے گئے ہیں اداسوں پر جسے ہیں، پڑیوں سے ٹپک رہے ہیں۔
 اداس آگے بھی گئے، دوسری سفیدہ۔ جن کی شامس اتھولیا مرزا غالب۔
 انیس کے ہیں سر ہر گلاس

لیکن دوسری اور سفیدہ تو لکھنؤ کے آگے ہوتے ہیں؟
 تو اور کیا؟ یہ لکھنؤ تو ہے ہی؟
 اس گھوڑا گاڑی میں مرزا غالب دہلی سے لکھنؤ پہنچا ہے ہی؟
 غازی الدین حیدر کا زمانہ ہے، لکھنؤ میں اس وقت کی شہر و شہر کی اپنے پرستے شباب پر چھپی ہوئی ہے۔ لوگوں کو حلوں ہوا ہے کہ غازی غالب لکھنؤ آئے ان کی محبوب خاطر ملاقات ہو رہی ہے جگہ جگہ مذاکرے ہو رہے ہیں۔ لوگ اپنا کام سنا رہے ہیں۔
 ادب شمع مرزا کے سدنے آئی۔

گئے ہاتھوں نہیں اس شہر کی حال مست میں بات ہے کہ اس زمانے میں اچھے مشاعرے بڑے اچھے ہو کر تھے غرض کہ شہر سے شہر سے نرم اندیشی لکھنؤ پر سفیدہ دوسری چاندنیوں چاندنیوں پر سفیدہ اچھے طاق چڑھے پانچ پانچ میں چاندی کے نیچے اکوڑتے ہوئے ٹپک لگی چاندی کے لٹاؤں میں چھپے ہوئے سرخ ریشم میں پٹی ہوئی بان کی گوری بان چاندی کے وقت گئے اپنی دھڑو ٹپکی چاندی کے گلاب پاشوں میں غزل گلاب عشق میں پانی ٹپکی ٹپکی دھڑو رگی دھڑو چھپے گئے ہوئے پھولوں کے دھڑا دھڑا چاندی طوق طوق میں دھڑکی کے کوندر شش شبیں میں رہی ہیں۔ خامیہ نے میں جہانے خانوس خند طبع خلک رہی میں۔

فرزین کہ اک لب سماں ہوا تھا

جب یہ خاطر میں ہو جائے تو پچ میں ایک چھوٹی سی چاندی کی گلیں لکھنؤ کی پائی اس کے پھول پانچ ایک ہی شام ہوتی تو طبع کے ہاتھوں کوٹا بھرا رہا تھا۔

جب شاہد شروع ہوتا ہے شمع روشنی کو دی جاتی اور میں شاعر کی پاری ہوتی اس کے سامنے رکھ دی جاتی شمع سامنے آتے ہی شاعر منہ کر بیٹھتا ہوا کہ وہ اپنا کلام شروع کرتا۔

تو اب شمع مرزا غالب کے سامنے ہے!

نور اسنو کیا کہتے ہیں۔

ہزاروں غمازشیں ایسی کہ ہر غمازش پہمٹ گئے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
نکلن خلصے آدم کا سننے آئے گئے لیکن
بہت ہے آبرو ہو کر ترے کو چھٹے ہم نکلے
کہاں سے خانے کا مدعا تو غالب و دیگرین واعظ
برآخا جانتے ہیں کی وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے
لوگ ہیں کہ سننے نہیں تھکتے: بار بار فرمائشیں ہوتی ہیں اور وہ بار بار مٹاتے ہیں۔

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو نہاے نہ چنے
کیا ہے بات! ہاں بات جانے نہ چنے
میں ہلا تو ہوں اس کو گرے جذبہ دل
اس پہی جاے کچھ ایسی کہیں آئے نہ چنے
غیر میر تکہ طے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو بھیجائے نہ چنے
عشق پرند نہیں ہے وہ آتش فاش
کہ لگائے نکلے اور بجائے نہ چنے

ایک لازم باہر سے آکر اطلاع دیتا ہے کہ آغا میر صاحب کے یہاں سے کوئی صاحب مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں
میں صاحب کے کمر شاہد سے۔ وہ شہرے کو بکھڑے ہیں کہ مرزا صاحب کے امرا پر کسی غزل کے لیے شعور بنا رہے ہیں۔

عشق لہو کو نہیں دھشت ہی ہے
میری دھشت جری شہرت ہی ہے
قطع رکھنے نہ قطع ہم سے
بلکہ نہیں ہے تو عدالت ہی ہے
ہم بھی دشمن تو ہیں میں پہنے
غیر کو جھوٹے جھٹ ہی سہی
یار سے چھڑا ہی جائے آہستہ
گر نہیں وصل تو صدمہ ہی ہے

فضل بر غامت ہو گئے ہے!

مرزا شاعروں کے جھرمٹ میں بہر نکلتے ہیں۔ جو صاحب اختصار میں کھڑے تھے انھوں نے جدی طرح کے بچاؤ کا آغاز کر لیا تھا
ہے کہ مرزا غالب سے کہا ہم ان سے مل کر خوش ہوں گے۔ دراصل غازی الدین حیدر خان نام کے بادشاہ ہیں۔ صبر کرتا دھرتا
تو بھی آغا میر ہیں۔

غالب کا ہاں ہی نور اسنو۔ کہتے ہیں: میں خوشی سے آؤں گا۔ لیکن دوسروں کے ساتھ اول تو یہ کہ میں نقد نہ نہیں پیش کروں گا اور
دوسرے کہ جب میں پہونچوں تو آغا میر کھڑے ہو کر میرا استقبال کریں!

تجربہ دی ہو لکھنؤ سے تیل ہو گا نہ داو حانا ہیں گی۔ انھوں نے غالب کی شہرہ آفاق اور نہ غالب ان کے یہاں گئے۔

اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب غالب کی اہل حالت بہت غلبہ تھی روپے کی بہت کمی تھی۔ اور یہ دستور بھی تھا کہ شاعروں و دیوانوں
میں حاضر ہیں دیکھتے تھے۔

آہ نہ آغا میر زندہ ہیں اور نہ مرزا غالب لیکن ہم تم پر محظوظ جانتے ہیں کہ مرزا غالب جیسے شاعر ہاں ہی اور سونے کے عمل اپنے شعر

پتا نہ دیکھا ہوا غائب ہیں لوگوں کی دشمنی کا شکار ہیں:
وہ کیسے؟
یہ ہم کہیں آگے نہ آئیں گے۔

اس وقت تو ہم نہیں ایک واقعہ ایسا اور پہلے جی جس سے ہمیں معلوم ہو گا کہ غائب کتنے دھڑکھڑکے آ رہی تھے اور انہیں اپنی عزت کس درجہ پیار کی تھی۔

یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ جب غالب گھسٹا اور کلکتے گئے تھے تو ان کو بیویوں کی سخت ضرورت تھی۔ وہ بیوی اس زمانے میں ایک کاغذ ہوا کرتا تھا جس کا نام دہلی کاغذ تھا۔ جب مرزا کلکتے سے واپس آئے تو وہاں ایک ٹہنڈے استاد کی ضرورت تھی۔ غار میں پڑھانے کے لئے۔ ہنس مکتا جو اس کاغذ کے کارواں میں تھے۔ انہوں نے مرزا غالب کو بلوایا۔ یہ پاگلی پر سوار ہو کر ان کے جنگل پر گئے۔

اب جنگل کے دو دروازے پر پاگلی کھڑی ہے کہ کوئی بیٹے آئے تو اترے۔ جب کھسٹا نے ان سے کہا کہ حضرت کس طرح آئے۔ تو کہا کہ آنا کوئی بچہ اتر دے آئے تو تہہ اتر دے۔ یہ بات چیت ہو رہی تھی کہ ناہن صاحب خود کھسٹا آئے اور یہ بات معلوم کئے کہنے لگے کہ آپ لوگ کس کے لئے آئے ہیں۔ کوئی حقائق کے لئے تو آئے نہیں ہیں اس نے آپ کو بیٹے کیسے آنا؟
مرزا نے۔ جواب دیا۔ جواب۔ میں تو سمجھا تھا کہ اس لوگ کس سے میری عزت بندھے گی۔ لیکن یہاں تو یہ دکھائی دے رہا ہے کہ جو میری سب سے عزت ہے وہ بھی ہاتھ سے جانے لگی ہیں دہلی لوگ کس کی سات سم۔

پاگلی میں بیٹھے جی بیٹھے ہماروں کو حکم دیا کہ واپس لوٹ چلو۔

اس زمانے میں غائب نے کچھ شرمیلی طریقے کے پاس سے چپے ہیں۔ مثلاً۔

ہم نے انا کہ وہ بیوی میں رہیں۔ کھاؤں گے کیا؟

یا

فہم عشق گر نہ ہوتا فہم دو گنا ہوتا

اس طرح کے اختصار کو پڑھ کر دل دھڑکا ہے اور یہ خیال آتا ہے کہ کاش ساتھی میں ایسا بندہ نہ ہو جو کھسٹا کو حق کار اپنی والہ دہلی کی ٹکر سے آزاد ہو گا اور میرا دل سے شعر کہ سکتا۔ انکو بری نہ لگتا۔
مورخیاں گھر لگتا تو کھسٹا اچھا ہوتا اور دنیا کی خوبصورتی اور اچھا کی کس قدر بڑھ جاتی۔

اعتماد

- آغا فتح حسین صاحب کا شعری مجموعہ افکار و شعراء ۱۹۲۳ء تا ۱۹۳۱ء کے مابین ۱۹۳۱ء کی سطر ۱۱ میں اور ام سبیری (S/A 15) کے مجملے نے بی بی جانا کوپ کا نام قطعی سے چھپ گیا ہے۔ جیسا کہ نواز محمدت خواہ ہے۔ درحقیقت سر مٹام نے اور ام سبیری سے ۱۹۱۵ء میں شادی کی تھی لیکن بی بی جانا کوپ ۱۹۱۵ء کی بی بی تھی۔
- اسی شمارے کے صفحہ ۱۶ پر پرنٹ ۱۹۱۵ء میں بی بی جانا کوپ کے مجملے نے ۱۹۱۵ء پڑھا ہے۔ (اعادہ افکار)

عطا کر شعلہ

غزل پر غالب کے امتنان

اردو شاعری کا وہ سانچہ جس میں ہمارے بہترین و فاضل اور اعلیٰ ترین شاعر اپنے انجمانی نقطہ غزل کو جو کچھ غزل ہے اسی لئے ہمارے کچھ کی بہترین نمائندہ بھی غزل ہی ہے۔ ہمارے شعری ادب کے کئی کئی غزل ہیں سب سے زیادہ سرج انشا پروردگار کا کام دیکھا ہے۔ ایک غزل کے مختلف اشعار میں مختلف کیفیات کی مصوری پائے جانے کی یہی قوت ہے۔

غزل کی ہیئت ایک جہد محنت کی ہیئت ہے۔ اس میں ہمارے کئی کئی کارنامے کوئی ترسیم نہیں کی ہے۔ ہذا میں حکیم کی گنجائش ہی ہے کہ چونکہ غزل ایک مخصوص ہیئت ہی کا نام ملتی ہے۔ لیکن جہاں تک غزل کی صورت کا تعلق ہے۔ یہ ہمارے کئی کئی روزانہ اظہار ہیں۔ اس میں جہاں لہجہ اور اپنی ثقافت ملتی ہے۔ یہ ہمارے مخصوص انداز نظر اور قوی حواس و ذوال کی جو منزلوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ ہمارے تمدن کی تشریح اور ہمارے عقیدہ و عمل کی تصویر ہے اور وہ غزل کے چہرہ و لہجہ منقش ہیں۔ غزل لہجہ کی ہی ہیئت ہے کہ ان میں جہاں ماضی اور ماضی کو ہمارے حزن ارتقا حاصل کرتا ہے لیکن ان کے درمیان اپنے بہترین و حاکم کا ہوا دستِ حاکم کی بہترین کتبہ شاعری بھی غزل لہجہ کی ایک اہم شاخ ہے۔ اور غالب ہمارے شعری ادب کا ایک اہم نمائندہ تھا جس نے اس ہیئت سے ان کچھ جہاں بھی ایک اعلیٰ و ارفع کردار بن جائے۔ اور وہ ملتا ہے۔ یہ وہ کردار ہے جس کا خواب ایک فن کار نظر میں دیکھتا رہتا ہے۔ یہ وہ کردار ہے جس کی مسرتوں اور آرزوؤں کا آواز ملتا ہے۔ یہ وہ کردار ہے جو بعض اوقات سرے سے مل کا جاسم ہوتا ہے جس میں اگرچہ اکثر بشر ایسا نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اگلے قعات کہتے ہیں۔

انگزد گن ہولی کی بھی صورت کی دے دو

یارب اگر لکھو وہ گن ہولی مرزا ہے

غالب کا سب سے بڑا گن۔ یہ ہے کہ ان غزلوں کے اپنی شاعری میں سب سے پہلے ایک *عشق* یعنی لکھنے سے دو جہت سے کردار کو نمایاں کیا ہے۔ ایک ایسا بے لکھ کردار جس کو امشب کی رات کو کہنے کے علم و شعور سے او ان مسائل پر مسلسل غور و فکر سے نکلا پایا ہے۔ یہ شعور اور سادہ و سادگی سے نہیں ہے۔ *عشق* اگر دار غالب کی ہر غزل اور ہر شعر کے ہر دے سے بھانگ رہا ہے یہ بے لکھ اپنی ہر کار ساز لکھ گیا ہے اور جب وہ لکھتے ہیں۔

مات دی گردش میں میں سات اکاون ہر دے کا ایک ایک گھر انہی کا

تو ہیں ایک جڑے دماغ اور ایک جڑے کردار کی جنگ نظر آتی ہے۔ ایک ایسے کردار کی جودنیکی کلفتوں اور تالامیوں کو خاطر میں نہیں لگا، اور نہ اس سے پہلے پہچانتے حالات کی ناسامدت اس کے زلزل میں تلخی پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ نہ اس نے آپ بیتی کا رنگ اختیار کیا ہے اور نہ براہ راست نصیحت کہا۔ اسی لئے نہ اس میں آہ و گشیم ہے اور نہ دعا و چند۔ یہ حالات سے بلند ہو کر حالات کا ایک بے فکر تجزیہ ہے۔ اس میں انسانی فزیم وادارہ کی بلندی جنگ رہی ہے۔ یہ انہجیوں والی بے فکری نہیں ہے بلکہ اس میں حالات کا پورا پورا شعور جلوہ فرما ہے۔ اس کائنات کے محدود وقت حرکت پر ہونے کا احساس ہے اور اس کا لئے یہ شاعری بصیرت پر والہ ہے۔

غالب کے اس انداز فکر نے ان کی شاعری میں مایوسی کی لئے کبھی چہرہ نہ دیا۔ وہ پہلے شاعر عربی میں کے یہاں غم میں بھی خود کشی ملتی ہے۔ غم زدگی و مروت نہیں ملتی۔ اس کے برعکس ان کے یہاں مسرت زندگی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ ہر چیز کو نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خود کو گھسیٹتے ہیں۔ اپنے صہب کو۔ یہاں تک کہ خود ہی معتقدات ہیں ان کی دوسرے نظریہ تھے لیکن اس اعتبار کے ساتھ کہ پیچھے کی روشنی اور گستاخی ان کے یہاں کبھی نہیں ملتی۔ دیکھئے گیسو سے کہنے ہی ہے

آئینہ دیدہ اپنا سامنے لے کے رہ گئے
صاحب کردن نہ دینے پہ گستاخ و دروغ

گدا سمجھ کے عجب تھاری جو شاہی
ادھ اور ادھ کے قسم میں نے پاسیاں کئے

وہ دماغ ہم میں کبھی روشناس خلق آئے غم
نہ تم کہ جس نے عشر جاواں کے لئے

یہ درست ہے کہ غالب کا شعور ان کا شعور نہ تھا، اس کی بنیاد، دیکس کے اصول و افراط کی نفی یا پرتو ملی، مجموعہ بھی ان کے شعور میں آئے کے شعور کی ہر جائیداد مل جاتی ہیں۔ ان کی شاعری نفسیات محبت کی شاعری ہے۔ ان سے پہلے کے شعراء تمام ترکیبیات محبت سے الجھ رہے تھے کہ کیا عشق کے ایک جڑے شعور کی حیثیت سے جا لے سائے آتے ہیں۔ غالب نے اس کا صحیح نفسیات عشق کی طرف مڑ دیا ہے وہ نفسیات محبت کے بہت بڑے صناعات تھے اور اس طرح اس سماجی صورت کے لئے جس پر ان جبر و غفل ناڈاں سے غالب ہی نے پہلی بار میدان کھولا۔ اس کام کے لئے مطالعہ کی گہرائی، مشاہدہ کی وسعت، لفظی صدا کی اور مصراۃ پاک کی کستی کی ضرورت تھی۔ جو قدرت سے انہیں وافر ملتی تھی اس پر شہنشاہ علم و فضل کی محبت، فطری شہر کا وسیع مطالعہ اور ان کی اپنی ذہانت و جودیت طبع پر سہاگہ نگاہ کو بیل لکھتی آفریوں نے انہیں لہریاں، لکھن، غالب، آملی، نظری، غالب، فہرہ اور قرنی وغیرہ کے مطالعہ خیال کی بلند ہمدانی اور شاعرانہ کثرت سے آگاہی بخشی۔ چنانچہ وہ داد کے پہلے شاعریں چھوڑنے علم و مطالعہ کے اس وسیع لہجے نظر

میں اپنی شامی شہسواری کی اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اپنی راہ خود نرا نشانے کا جذبہ ان کی فطرت میں خدجنا ہے، حافی کا دوشوں کو انہوں نے منزل ٹھہری ہے اپنا شعاع بنایا۔ اور اس طرح اردو شاعری کا وہ دلیلی حجاب تک دل کی دہلیوں میں بھٹک رہی تھی، دماغ کی وسیع و عریض فضاؤں سے روشناس ہوئی۔

مشاہدے کی وسعت، خیال کی رنگارنگی، مسک آفرینی کی جستجو، اور اس پر مستزاد حافی کا دوش اور ذہنیت ان سب نے مل کر غالب کے برابر دو اعیانہ بن اختیار کر لیں کہ ان کا کلام نگار خانہ میں بن گیا ہے۔ ان کے لب و لہجہ میں عصب کی شوقی رنگ ہے۔

تجربہ یہ تھا کہ تجربیات و حالات کے انہار نے اسلوب بیان کی حدت سے آئیز پر کرنا ایسے اُلجھنے کی شکل اختیار کر لی ہے کہ اس میں آئندہ والی سرسبزیاں اپنا عکس ڈالنے لگتی ہیں، مثلاً ان کا یہ شعر ہے

کھتے سب جہنم کی حکایات نئی جہاں

ہر جہاں میں ہاتھ پائے تسلیم ہوئے

غالب کے حالات زندگی کچھ ہمارے سامنے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ عطا پر وہ کبھی اس قسم کے تجربے سے دوچار نہیں ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شعر مفہور سلطان یا مرید شہید کے واقعات نہایت کی طرف ایک اشارہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے ذہن میں منظر اس کوئی دوسرا واقعہ یا کوئی دور مری۔ ثابت رہی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی طبع پر وہ اس کش مکش سے دوچار ہو گئے ہوں۔ لیکن اس واقعہ یا ذہنی اساس و تجربے کو شاعرانہ گروہ میں لائے وقت اسلوب بیان وہ اپنا پیسہ کہ یہ شعر ہر زمانے کا شعر ہو گیا۔ اور اسی چیز کو ہم ادب میں آفاقیت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

غالب کے پیرائے ہوا کی ہیں وہ خوب سے کہ جس سے ڈر بہ نزار اشعار کے مختصر سے سرساز سے اٹکی وہ ساک کا فاکم کوئی ہے کہ باوجود شاید۔ ان کے اسلوب کی یہاں ہر گزیری ان کی ہر دم بڑھنے والی عزت و شہرت کی خاصیت ہے اور یہاں وہ جہے کہ ہر موقع و محل کے لئے ان کے مختصر سے دیوان کے حصہ درجہ اشعار بے شک زبان پر آجاتے ہیں۔ اور یہاں وہ بات ہے کہ میں کی بنا پر ہم غالب کو اپنی تہذیب اور اپنے گھوکا ایک عظیم نمائندہ سمجھ رہے ہیں۔

خیال اور اسلوب کا یہی بائچن ہے میں نے ان سے ایسے ایسے اشعار کہلاتے ہیں

خیز پھر ناکھیلے، آج ہم نے اپنا دل

خون کیا پھاڑ دیکھا، تم کیا پھاڑا

تم سے جا پر طرفت کو کب دیکھیں

پہاڑیچ طالع نعل دیگر کو دیکھتے ہیں

ذکر اس پر ہی دشا کا اور پھر بیان اپنا

ہن گدا و قیاب آخر تھا جردان والی اپنا

ہے آدمی یہ کہنے خود تک بشر حال
جہاں جتنے ہیں غلوں ہی کوئی نہ بد

ہے کہاں تمنا کا درد سزا دیم یا رب
جہاں نے غلوں کا کوئی نقش پایا یا

کیا غلوں کے سب کو ایک ہی بھول
آدمی ہی سیر کریں کوہ طور کی

زندگی میں بھی اور ناز و دل میں ہی کہیم
لے کر آئے درگاہ اگر وہ نہ ہوا

ان اشعار کی خوبی میں غالب کی ان کا بھی بہت بڑا غور ہے۔ ان کا کہی اناتھی جہاں سے عاشق کو محبوب کے سامنے لا کر آگیا ہے
اب تک وہ مکمل فساد کی اور سپرد کی تھا۔ اب اس نے اپنا جلوہ دکھایا۔ اور اپنی وقعت کا احساس اور اپنی تکبر کا انداز نکلیا
یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ جس کی کمی ہمارے شعری ادب میں کھیلنے لگی تھی۔ غالب نے عشق کو کائنات کی ایک مثبت قدر
قرار دیا۔ بعد کے لوگ اسی کہنے آئے۔ اسی چیز نے ہمارے عشق اور زندگی دونوں کو خوش اور توجہ بخشی
اور ایک نئے توانا سے روشناس کیا۔

غالب

مزید: محمد حیات خان سیال

غالب کی زندگی شخصیت اور فن پر چند پاک
کے نقادوں کے ساتھ مصافحہ کا وکٹیشن مجموعہ۔
غالب کی صد سالہ مری پرفروری
کے آخر میں شاہ کلمہ ہدیہ کا ہے۔

نقد و سنجیدہ نشر

۲۲۱ مرکز روڈ لاہور

مسلم ضیائی

جالب کا ایک منظوم خط

غالب کی ابتدائی شاعری میں جب وہ اس قدر غفلت کرتے تھے ایک شعر ملاحظہ ہے۔

دورِ حسدِ آئینہ نکرارِ تنہا

دامِ لکڑی ثوقِ خاشاک ہے پناہ میں

اور اس سے ان کی ذہنی زندگی اسی زمانہ کے ذہنی و فکری نقطہ نظر میں ایک بڑی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ اس سے قبل جب انہوں نے اپنی مجموعہ کی خاطر یا کسی اور وجہ سے اپنا آئینہ جالبِ چھڑ کر غیبِ انساب اختیار کیا اور حسبِ ذیل شعر لکھا تھا۔

اس جفا مشرب پر مرنا ہوں کہ بگھے ہے اس قدر

ابلی سچی کو سباحت اور خونِ صوفی کو حسرتِ ارم

اگر دیکھا گیا ہے کہ نیا مذہب اپنے فکریات، اختیارات کرنے والوں کے جذبات، ابتدائے بہت شدید ہوتے ہیں جن کی بڑی شدت سے تخلیق ہو کر جاتی ہے۔ چنانچہ اس دور میں غالب نے منقبتِ علی نہیں چر قصیدے لکھے یا غزلوں کے مقطعات کہے ہیں۔ ان سے ان کے جذبات کی شدت اور فکر کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن مطالعہ اعداد و مشاہدہ، کلکتہ کے سفر، غفلتِ حقیر آبادی جیسے فلسفی و روشنی کی صحبت اور انگریز افسروں سے تعلقات، نیز ان کا دربار میں بہن اور گفت و شنید کے طریقوں کو دیکھ کر ان کے ذہنی مسئلوں میں آہستہ آہستہ کمی ہوتی گئی۔ چنانچہ انہوں نے بہت سی مستزکر غزلوں کے مقطعات خارج کر دیئے اور نئے اخلاص سے سمجھنے لگے جس کا نتیجہ مندرجہ بالا شعر ہے۔

یہی وسعتِ فکری تھی جس کے باعث غالب کی غفلت اور غالب کے دوستوں میں ہندو سلطان اور کالے گورد سے کے درمیان امتیاز نظر نہیں آتا۔ اس کی غفلت میں متعدد شخصیں ہیں جو آئینہ خاتم میں جسیرا خاں کی ہی کیفیت پیدا کر رہی ہیں۔ اس کے دور میں کئی کتابیں ہیں جن کے حامل طرزِ سب سے لکھی گئی ہیں لیکن وہ غالب اب کتاب ہے جس کے گرو شیفتہ، حامی اور تیر دشمن جیسے آفتاب ہیں اور اس کے صحیح مل کھڑی اور ان کے خلاف بیخوشی چاہ رہے تھے۔ ہر دانشور ہر اسکالر جیسے سب سے ہیں۔

دائے کج مل کھڑی اور دارالافتاب احمد خاں غلام مستم جنگ دائی غیر در پر بھڑک کر دیکھیں اور ان کے متوسل بلکہ مذہب

خشتِ ارقام یاد رکھیں تھے اور چونکہ محدثینِ خاس کی اسکیپ کے مطابق غالب کی جنس انگریزی حکومت سے انہی کے ذریعے ملتی تھی۔ اس لئے غالب صحیح دل کے درمیان پہلے کا ادب داری، اور اس کے بعد دوستانہ بلکہ برادرانہ تعلقات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ جنس کے سلسلہ میں جب غالب کلکتہ گئے تو ٹکھڑا بنارس اور کلکتہ سے ان کے نام دوستانہ خط بھیجتے اور دبیانت کرتے رہے کہ رزیدنسی اور ایل کلاہن مستحکم و جدید کا کیا حال ہے؟ اور نئے واپسی ریاست (شخص الدین احمد خاں) اور نئے رزیدنٹ کے تعلقات کیسے ہیں؟

ہجرتِ دل نے شاعر میں وفات پائی تو غالب نے قطعہ تاریخ کہا ہے

گر جندِ دل سے حجِ دل شعیب کلام مراد ویرینہ دوست رفت از بس تنگ نادریخ
گفتم کہ ز سال وفاش نشانِ ویر غالب مشتید و گشت چر گویم بسا ویر

۱۳۷۷

انہی حجِ دل کے بیٹے شعیب جو اہر سنگھ جوہر غالب کے شاگرد تھے۔ اور شاید صرف تاریخی ہی میں شعر کہتے تھے۔ یہ غالب کے نہ صرف محبوب شاگرد تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ غالب ان دونوں بھائیوں کو اپنے بچوں کی مانند تصور کرتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں حکیم مرزا جان ولد حکیم آغا جان اعلیٰ و؛ اہی سفارش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ان کے والد ماجد میر سے بھائی بھائیوں کے دوست ہیں جن کو میں اپنے بھائی
کے برابر جانتا ہوں۔ اس صورت میں حکیم مرزا جان میر سے کہتیجئے اور تمہارا
بھائی ہیں۔“

غالب کو اپنے بعض دوسرے عزیزان مثلاً آفتہ و غیرہ کے مانند جو اہر سنگھ جوہر بھائیوں کو نقد چاہتے تھے کہتے ہیں۔

تا سیکش و جوہر دو حضور داریم شانِ دگر و شوکتِ دیگر داریم
در مسیکہ پیریم کہ یکش از دست در معسر کہ تیغیم کہ جوہر داریم

کلمات ”نظر فارسی“ اور اردو سے ملتے ہیں جو اہر سنگھ کے نام میں تین خط ہیں اور غالب نے جوہر کو ”برخوردار کا نگار سعادت و اقبال نشان“ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

جو اہر سنگھ کا کلام نہیں ملتا صرف اردو سے ملتے ہیں ان کے نام خط میں ایک غزل غالب کی اصلاحوں کے ساتھ ہے لکھتے ہیں۔

”برخوردار! تمہارے خطوں کا پہنچنا اور چھاپے کے قصیدے کا پہنچنا اور

پیر سنگھ کا دھڑکنہ منہ معلوم ہوا۔۔۔۔۔ غزل تمہاری ہم کو پسند آئی اصلاح دیکر

بجھ دی گئی۔ اس کا تم خیال رکھا کرو کہ حسنِ لفظ کو کس معنی کے ساتھ ہیونہو ہے

صورت“ پورا خاس یکایک امید دارا فستد۔ یہاں مہمل ہے۔ ”باس ہلا انشاؤن“

”باس بھلا انشاؤن“ روز مرہ نہیں۔ اور بھی کئی ”افستد“ لکھتے ہیں۔

سیاہِ ختم اگر بر سر دم گز ادا فستد ہسان سایہ جاسنیز مرگو ادا فستد

سوگوار ہوتا سایہ کا ہر اختیار سلائی رنگ ہے۔ یہ یہاں دھڑلے "افستہ" ٹھیک ہیں
گنڈا افتادوں دوزخ اور دوسرا "افستہ" بہمن واقع شود ہے

مشنیدہ ام بھناے تو مبتلا ست حدود
چرا نہ شور بہ جہان امیدوار افستہ
ظہور افتادوں "دوزمرہ ہے۔ اور یاس افتادوں" غلط ہے

بہ حیرتم کہ دوزخ، کسان دوزخ ما
کہا بر تیر چرا ہم شہرہ بار افستہ
یہاں "افستہ" بہمن واقع شود ٹھیک ہے۔

نہ گھسوم دہ مسلمان بھیر تم کہ مرا
سوائے دوزخ و جہنم کہا گنڈا افستہ
یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے۔ آؤ رہی ہے

شہر اور وطن افسردہ می کنند دل را
خوش غریب کہ دور از دیار یا افستہ
یہاں بھی افستہ صحیح و بہمنی ہے

نیم رقیب کہ رسول تم غیب نہ کنند
خوش است ہیشم اگر یا رہوہ دار افستہ
یہاں بھی "افستہ" بہمنی واقع شود ہے

ترا کہ شہوہ و گروں کن بزم بہتان
خوش است گرز جفا و وفا قرار افستہ
"افستہ" یہاں بھی ٹھیک ہے۔ بات اتنی تھی کہ "بود" گدلا لفظ تھا۔ کہنی "مانہ ہے" ہے

خط درخ تو بدل دادہ خط آذ ادنی
سستم کہ در شکن زلف تا پدار افستہ
وہ صورت ابھی نہ تھی۔ یہ طرز خوب ہو گئی۔ معنی کا عیار کامل ہو گیا ہے
چکدہ خامہ جو ہر سخن چمنانہ منگو
بزم و موج ڈراؤن گھسور بکناں افستہ

اس غزل کے علاوہ ایک مثنوی اور دو قطعات ہیں۔ پہلا درخش کا دیانی مطلوبہ اکمل السطایح دہلی دشتیہ ۱۹۶۱ء
میں جو اس کے پہلے قاطع برہان میں چھپا تھا ہے

درس کتاب سخی بہ متاع برہان نگو کہ خامہ غالب چہ پایہ گوہر سفت

یہاں اگر قرآن و انجیل صلیب پر کم و کثرت
 دوسرے دو قطعات اور دو سیاہی کے نام سے بھی مولیٰ اور غالب کی تعینیت لطافت غیبی مطبوعہ
 اہل المطابع و ملی مختصرہ میں بیعت ان ذیل میں۔

(۱۱)

بسکہ بیت سخن کی یہ تعینیت ہے
 ہے پئے انجیل برسالی عیسوی
 فرق دشمن اس سے جو گاریز ریز
 قول قرآن کا "ز سے یہ تیغ تیز"

(۱۲)

جب بھی یہ لطافت غیبی
 سحر امن کو کلاٹ کر بولا
 بہر تاریخ اس کی ہا تعن غیب
 طبع کو بھائی یہ لطافت غیب

قیاس کہتا ہے کہ لطافت غیبی کے مانند یہ تیزوں ناری اور اردو قطعات ہیں غالب کی قلم کی تخلیقات ہیں خصوصاً
 دوسرے اردو قطعہ کا یہ سرا مصرعہ اس حقیقت کی غمازی کرتا معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال یہ میرا ہر سنگ نگار ہر جن سے غالب کے شعلات بزرگانہ بلکہ پادشاہانہ کی تصدیق اس منظم خط سے
 ہوتا ہے جو اس موقع پر پیش کیا جاتا ہے

بکھرے ہر امری نظر سے کلیات غالب ناری کے دو قلمی نئے گندہ ان میں سے ایک نئے کی جلد کے اندر دنی جانیہ
 غالب کا وہ منظم خط ملا جس کے مکتوب ایسی ہی ہر سنگ نگار ہر جن سے
 اس نظم کے آخری مصرعہ تر نیمہ ہے۔

"دیوان صاحب سر شہر معانی و بحر بیکراں سخن ذاتی اسد اللہ خاں کہ تخلص
 بہ غالب است بدستخط فقیر فقیر محمد عالم دلائی برائے خدام و الاطعام مولوی صاحب
 جلیل الشان و الاغائب رسیدہ یاسرابع، یا کچھ اور م با تمام انجیل"

قریب پنج دہم شبان مستعد اجری

گویا یہ نسخہ کلیات ناری کی اشاعت اہل دست ۱۳۰۴ء سے تقریباً دو سال پہلے لکھا گیا تھا لیکن چونکہ یہ منظم خط سخن
 میں نہیں اس لئے اس کی تاریخ کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ آخری مصرعہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فاروقی و منات دست ۱۳۰۵ء
 سے قبل لکھا گیا تھا خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میرا ہر سنگ نگار غالب اپنے والد سے ناراض تھے جس کے باعث وہاں نہیں آئے تھے۔
 اہل ان کے والد و خصوصاً والدہ کاظم جرنی سے برا حال تھا۔

غالب نے ایک شلیق بزرگ کے مانند میرا ہر سنگ نگار اس طرف توجہ دلاتے ہوئے واپس آجائے تھے لکھا ہے خط شروع ہوا
 سے پہلے حسب ذیل عبارت ہے۔

"مرزا اسد اللہ خاں (۹)

بہ لاری میرا ہر سنگ نگار صاحب نوشتہ ہر دستہ

خط

دوستا جو ہر اذ تو عشم و دہ پایو
دلت سر خوش با دہ سور باد

دسیہ از توانفت و شہ انامہ
رداں تازہ کن دکھا دکشا نامہ

دخواہم کہ در عرصہ روزگار
نشیند ترا بر دل از عظم غبار

در بخور بجی من غور عشم کہ من
نہارم عشم ہستی غور شستن

د جاں از منست نہ جسم کنین
خود از مرطمان چہ نقصان من

حدیثی را است شائستہ و سودمند
ز شا نعل بودہ دانایند

گل از من نہ باشی بگویی مشن
ز آہن کہ متہ زند اوئی مشن

چنین دانہ فرماں کہ دہ ساز راہ
نیاشی بہ حیل گری عہد خواہ

عسیر زان رہر و گرامی کند
بشادی دران تاجیت می رشت

بہ شادمانی بدین بین انہا دگر
چو گردن دایاں تو ہم باز گرد

الا تافسنی دریں زان بہ است
چنین خواستہ امکہ فرماں بہ است

مشر سخت کوش و مشر سخت گیر
دریں آمدن با ش فرماں پذیر

حکیم پر چرون اگزیڈی سفر
بجز اذ سفر ہم نہ حکیم پدر

دریں رفتن و آمدن خادباش
پرتبیت از لعلن آزا دباش

نہ بجز تو مادر بہ تاپ انداخت
گزاران چو شکر و آب انداخت

پدر نیز مشتاق دیدار دست
بعد گونہ خواہش طلبگار دست

ترا خواہد از بسکہ خواہد ترا
نخواہد گرا دین کہ خواہد ترا

بیاد دو خونین جگر ما ہیں
بسا دانشین و پدر را ہیں

و گرن جہر غمخوار گاہیم
مستدم نہ براہ ہوا خواہیم

بیانا بہ بینی کہ چون می چیم
چساں دیدہ تا دل بخون می چیم

بیانا تم عشق خون بگری
درون مرا از ہر دل بگری

بیا و بیا و بیا و بیا
سراسر سخن والدہ والدہ

بخوان چوں بخوانی ورق را تمام
نہ تیر سلام و دعا را تمام

سے خواہد و گریس کہ خواہد ترا



ڈاکٹر صاحب برعلی خان

غالب کا انداز

غالب ایک مفکر شاعر تھے۔ ان کی ابتدائی غزلیں دلہنوں کے رنگ میں ہیں۔ ان کے معاصرین میں سے ذاتی موت شاعر تھے مفکر نہ تھے۔ غالب نے حقیقی معنی میں زندگی کے نشیب و فراز کو بڑے عمدہ طریقے سے ظاہر کیا ہے۔ دلی سے لے کر غالب تک جو رنگ تھا غالب نے اس سے بالکل بدل دیا۔ غالب کے یہاں تجربات کی کارفرمائی زیادہ ملتی ہے۔

مرزا کا نقطہ نظر شاہ اسماعیل سے بہت ملتا جلتا ہے شاہ صاحب میں حرارت کے ساتھ صبروں کے جوت گراہے تھے، ممکن نہیں تھا کہ اس کا اثر غالب پر نہیں پڑتا۔ جو فطرتی پیروی کے خلاف تھے۔ مرزا نے اردو میں شعر فرمود ہے لیکن اردو شعراء کی تقلید بالکل نہیں کی۔ انہوں نے بیڑی کا طرز اختیار کیا اور غزل کے رنگ میں بھی غزلیں کہی ہیں۔

غالب فارسیت کے بہت دلدادہ تھے۔ ان کے پیش نظر میر کی اندولتی تھی باقی اردو شعراء کا رنگ دلی کا رنگ تھا۔ یہ اردو شعراء دلی کے رنگ سے آگے نہ بڑھ سکے اور کسی حدت کی طوط مائل نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا کی شاعری میں تواضع اور ہمدردی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ غالب نے میر کے رنگ میں اپنی شاعری کی ابتدا کی۔ لیکن غزل اور غالب آہلی کے فقدان نے انہیں اپنے راہ لڑی سے روکا۔ اور انہیں اپنی شاعری کا رنگ بدل پڑا۔ غالب نے تشبیہ اور استعارات کی پیچیدگی سے گناہ کشی اختیار کی جنہوں نے میر کے رنگ کو غالب کو دیا تھا غالب میر کی طرح ناکہ مضامین کو ادا کرنے پر قدرت نہ رکھتے تھے بلکہ وہ بیڑی کے فارسی الفاظ اور قریب کو استعمال کرنے کو میر کی پیروی سمجھتے تھے جیسے بعض شعراء اشعار میں فارسی الفاظ کی بھجوار کو غالب کی پیروی سمجھتے ہیں۔

مرزا میر دلی میں رہتے تھے

اسرا اللہ خان قیامت ہے

بعد میں غالب نے اپنے ذاتی اجتہاد کی بنا پر بیڑی اور دوسرے خیال بند شعراء کی پیروی ترک کر دی تھی۔ لیکن وہ اپنی اولین عقیدت کو بالکل ہی فراخ دلی سے دیکھتے تھے۔ پہلے دور سے آگے بڑھ کر وہ غالب کے دل میں بیڑی کی عقیدت برقرار رہی۔

بیڑی دلی ہے

نعلی خودی کسم، اشبات بردی ہی آید

آج کل رنگ توں باخت پیا راست ایس جا

غالب ۵
 فنی سے کرتی ہے اثبات تراشش محو یا
 دیکھ ہے جائے دہن اس کو دم ایجا و نہیں
 غالب کے بھتی کے زمانے کا ایک مشہور شعر ہے ۵

نہ خاں کہ تو خدا تھا کہ نہ میں تو خدا ہوتا
 تو بیا بھ کو ہونے نہ جہاں میں تو کیا ہوتا

دور اول میں جب پیدگی غالب کے کلام میں نظر آتی ہے اس کی ایک وجہ وہ فلسفیانہ سوچ کا ہے جو تبدیل کی پیروی میں
 لازمی تھی۔ بہت فلسفیانہ تعصبات غالب نے پیرل سے اخذ کئے ہیں

پیرل ۵
 قطروں کا کہا سا ماں خود واری گند

بحریم از موت این جا می ستار و داہا

دام ہر موتا میں ہے علقہ سود کام نہنگ

و بچیں کیا گدھے سے غریبے پہ گھر ہوتے تنگ

غالب ۵

اسی فلسفیانہ رجحان کی بنا پر غالب اور تبدیل دونوں اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے۔

تبدیل اور غالب دونوں کی نظرت میں ایک روحانی کیفیت موجود ہے۔ جسے غالب خود اپنی آزادی یا گناہ و روی
 کہتے ہیں۔ یہ بھی غریب و طاقت کا وہ احساس ہے جو گدھات اور صاف کو غلط میں نہیں لیتا۔ جزا گیری اسباب سے مرعوب ہو جانے
 میں اپنی فوجیں بھرتا ہے اور کامیوں کو محنت سے شکر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے ۵

ہندگی میں گی وہ آواز خود میں ہیں کہ ہم

اُسے پھر آئے — دیگہ گدھانہ بولا

بقول حالی مرزا کے کلام کی چار خصوصیتیں نمایاں ہیں۔

(۱) عقیدت معانین اور ایسی شہیہوں کا استعمال جو نہ موت نئی تھیں بلکہ انہماک مطالب کے لئے نہایت مناسب گی

تھیں۔

(۲) استعمال اور گناہ کا استعمال

(۳) شوخی و ظرافت

(۴) ایسے اشعار کی کثرت جن کے ایک سے زیادہ معنی لئے جاسکتے ہیں

حالی کا خیال ہے کہ غالب کا ابتدائی کلام عاتک اور غنی کے رنگ میں تھا اور اکثر غریب تشبیہیں ہوتی تھیں۔

مرزا کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے اشعار سے وہی وقت طعنت اٹھا سکتے ہیں جو خود ہی فوج متغیر ہے ۵

بہرہ مستند ہیں۔

ابتدائی دور میں مرزا شعریات کی طرف متوجہ رہے جسے غریب خیالات اور دوامدار تشبیہوں کی طرف انسانی

ظہور سے واقفیت جن کے آخری کلام کا طرز امتیاز ہے، ابتدائی دور میں مغفور ہے۔ ابتدائی دور میں غرافت کی جاسکتی تھی

جس میں طبی تصوف کے استعارہ رکھی رکھی ہیں۔ انہوں نے دینی آئے کے بعد یہ اجتہادی طرز ترک ہو گیا۔ دوسرے دوسری طبیعت کا اصل رنگ نظر آتا ہے۔ جہت کے جوئے عرفی اور رنگ نماں کے شیشیں نظری ہیں۔ انہوں نے انسانی جسم مخلص ہے۔ ————— عرفی محاسن ہندی میں استعارہ دیا جاتا ہے لیکن غالب کی نظر عرفی کے بھی وسیع حق اور صحبت کے عام پہلوؤں پر حاوی۔

مرزا کے یہاں اتفاقاً مطلب کے اخبار کی کاپی نہیں، بلکہ ان سے شاعرانہ غول بھی پیدا کی، مقصود تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مرزا کے خیالات، اعلیٰ میں اور زبان، ذوق کی۔ اگر زبان سے مراد روزمرہ اور مواد بات کا استعمال ہے تو یہ بات درست ہے اور اگر زبان سے مراد الفاظ کا انتخاب، ان کی ہم آہنگی اور نشست ہے تو مرزا یقیناً جیسے ہوئے ہیں اور اس معانی میں کوئی کچھ ان کا ہم قدم نہیں۔

مذاہف کا اس طریقے سے ترتیب دینے سے کہ ان کا ترجمہ اور ان کی تہذیبی برکات کو بجا قی قی۔ فارسی تحریر میں لکھے ہوئے استعمال کی یہ لیکن یہ خیال کہ فارسی و ترکیب سے تعزل کا کام چھپکا ہوا ہے یہ صحیح نہیں !

غالب کے جو تھے وہ ایک فصاحت شوقی اور طرافت سے جوں جوں موزائے اپنی طبیعت کو عقل کے تحت لکھا، ان کے اشعار میں کشتگی کی آتش موزائے تعزیت کے موئے پر گئی طریقت ان ازان عالم دکھا سے گفت گویا اور شوقی انکی طبیعت کا جزو بن چکی تھی۔

مشاعر میں کوئی اور ترغیق و محبت کا بیان ہے لیکن منطق کے لئے دلائل و براہین کی موجودگی اور سبب و علت کی طرف اشارہ کے لئے شوقی و نظرائف کی بجا و جیسے کہ ہر شخص ان کے کلام سے علت اخذ کرے۔ ہر قسم کے ان کے لئے خواہ وہ غور ہو یا محسب شوقی و نظرائف کا استلاشی ہو یا معصیت زدہ، عاشقانہ مزاج کا ہو یا فلسفی غالب کے کلام میں کچھ نہ کچھ مطلب کی باتیں مل ہی جاتی ہیں۔

منا سنے طرز کے انسان ہے، عقیدہ کو پسند کرتے ہے، اپنی جگہ پر مجبور کرتے ہے۔ ان کی حدت پسندی نئی تشبیہوں اور نئے مضامین کی ایک محدود تھی، جگہ فن شعور غلط فہمی اور دوسری باتوں میں بھی وہ اپنے معاصرین جگہ کسی کی چوری بھی مناسب نہ سمجھتے تھے۔

ظہورِ نظر کی بیس سب رشاعری کا انتخاب

زیر

تفہیم

کتاب نما - ۱۰۰۱ آثار کی - لاہور -

سید محمد تقی

غالب کی تخلیقات

مابعد الطبیعیات سے پہلے منظر مری

تمام تخلیقات میں جس شاعری بھی شامل ہے کسی نہ کسی مابعد الطبیعیاتی تصور سے پیدا ہوئی ہے اور زمین کے پس منظر کی خانوں میں کائنات کی نیچے سے منظر کی کوئی خاص نقطہ نظر یا آغاز گزیرا جو نہ تھا ہے مابعد الطبیعیات کی اصطلاح پہلے پہل اسطرح استعمال کی گئی لیکن اسطرح کے مابعد الطبیعیات کو کلیات کے تصور سے تعبیر کیا ہے جیسے یہاں مابعد الطبیعیات سے حلو و کوا و تحت اشعوری میں منظر سے جو کچھ دیکھا جائے وہ اپنی روشنی کے وسط میں رکھا ہے۔ ان کا یہ تحت اشعوری میں منظر شعرواد اب اور فن کی تخلیق سے پہلے موجود ہے جبکہ وہ فرد کی زندگی کے ہر لمحے میں اس کا ہوا خود دیتا ہے۔ خرابی کی حالت میں بھی وہ فرد کو زمین متین زمانہ اور کائنات اشعوری سے لگن والی نہیں رکھتا یہ لاشعوری مابعد الطبیعیات میں منظر رہتا ہے اور ہم حالات میں انسان کے نفسیاتی نظام سے منسلک رہتا ہے مابعد الطبیعیاتی میں منظر کی اس ہرگز کی کچھ شے نظر سوال گزرا اسد اللہ خاں غالب کی شاعری کا مابعد الطبیعیاتی میں منظر کیا تھا ایک جوی طویل گہری جھٹ کی حید سے مائے آنکھ سے جاک طویل مطالعہ کے بغیر یا پورا مفہوم پہچانیں کہ کتنا لیکن اس میں جھٹ کو جھڑے بغیر جہاں تک منظر کے چند سرسری پہلوؤں کا تعلق ہے بعض ایسی اس میں مائے لانی لیکن جس جو توقع ہے کہ وہ جھٹ کی جھٹوں کا سبب بن جائیگا۔ انسان کی تاریخ اب تک مختلف انداز اور مختلف دور میں رہائی گئی ہے۔ انسان کے خیال میں تاریخ کو دیکھنے کا انداز خاص معاشی ہے۔ آگسٹ کامٹ انسانیت کی تاریخ کو ذرا بدلے سم منظر پر مختلف نظری حوصل میں بانٹے کا مشہور دیتے ہیں لیکن رائل کورون کو خیال میں تہذیب کی تاریخ شری انداز میں تقسیم کرنے کی صورت میں اپنا مفہوم پیدا کر سکتی ہے یہ بالکل ممکن ہے کہ کلک اور تعداد معاشی قریب تک سب کو اولیت پر اور لانا اس سے شدت کے ساتھ طریقہ جاری ہے لیکن اگر کے اتفاق اپنی تاریخ ایک خاص میں زندگی ہے جو معاشی حوالہ کو پس منظر کی قریب مائے کھ کے وجود اپنا مفہوم نہیں نکھت۔ انسان کی ساری جسمانی زندگی اس کا آپ اس کے پس منظر کی فکر میں انداز کے طور پر باطن میں تو معلوم ہوگا کہ گھڑ کا پاؤں دو داغ غرضوں سے جو گرفت ہے ایک نیا ہی منسلک میل ہے جو ان داغ انداز کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے بات انسان نے اپنی اندری میں سمجھ لی تھی کہ کائنات یا تو سکون یا تشریح کی صورت ہے یہ کوئی تشریح کی یا نہ تھا میں سکون یا تشریح کا طاق تھا جسک میر یکجیس کے کائنات کی کوئی تشریح کرنے پر مصدق۔

کائنات اور انسان کے کائنات سے منسلک کے وسط میں سکون یا تشریح میر منظر یا کوئی تشریح میر منظر دوجا اید میں جو ان کائنات میں ایک دوسرے کے بعد آئے ہیں۔ یہ دونوں تصور موجود و سرشار ہی سے وہے لیکن سکون یا تشریح کائنات سرسری طور پر کائنات یا تشریح کے بعد

حک باقی ملے جبکہ حرکتی شعور نے نشاۃ ثانیہ کے بعد نئی زندگی اور نئی نئی بدھنیا کی اشاعت سے نئی توانائی حاصل کی زندگی کی موسم وہ نیا اور بیات کے مئی، اپریل، اگست، سائے خوش کی لڑی سے کس (حکایت) اچھے طور پر منظر سے ہی اور یوں آپ کہہ سکتے ہیں کہ نشاۃ ثانیہ سے جبکہ جد پیریکیش کے ادوار سے پہلے ادوار کا پائیدار پس کھود تھا۔ تاہم غیر مشیتوں کے لئے کہنے جانے کا کہیں بڑا اعتراض نہیں ثابت ہو رہا ہے۔ جو خدا و مقرر کسی کھیلے کی غلطی نہیں کرتے، لیکن یہاں اگر اس عدم حیات کی اجازت دی جا سکے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ ادب اور شعری ترقی کی تیز رفتاری جہاں کے ان ادوار سے جڑ کر گزری ہے سنے جبکہ ادب و حکایتی انداز نظر سے اپنے تخیل کے سولے مطابق ہے جبکہ نشاۃ ثانیہ سے پہلے ادب سکونیت کی غرض نگار کے اپنی تخلیقات کو سونا تھا۔ نشاۃ ثانیہ کی یورپی تاریخ کے ایک مخصوص جہد کا نام ہے لیکن یورپی تاریخ نشاۃ ثانیہ کے جہد میں میں مڑے گئے تھے اس قسم کے مڑے دوسرے گھوڑی تہذیبوں میں بھی آئے اور اُسے ہی اس لئے نشاۃ ثانیہ کو سٹیل میں قرار دینے کا یہ سٹش تاریخ گیر اطلاق رکھتا ہے مرنے والی تھیں کھوں شک کھود ہو کر نہیں رہ جاتی۔

ادب کے نگار اور تخلیقی پس منظر کو کچھ کلامی افکار اگر صحیح ہو تو یہ سوال بالکل قدرتی طور پر پیدا ہو گا کہ اردو ادب اپنے پس منظر کی تخلیقی عناصر میں ان عام تجزیہ و ریانات سے کس طور پر اگر گذر رہا ہے؟ اقامتِ معرفت کے خیال میں حدود میں غالب مافی کے کھوکھالی اور مستقبل کے مریاتی دور کے رویان سنگ میل کی حیثیت سے کتنے پرہیز ان کے پروردگار مافی کا بعد از طبیعتی ہیں نظر میں نہیں ہے لیکن مستقبل کا ما بعد از طبیعتی ہیں منظر تیزی کے ساتھ ابھرتا معلوم ہوتا ہے۔ اور غالب کا بھی وہ اختصار ہے جسے جہاں نہیں دوسرے تخلیق کاروں سے ذرا مختلف درجہ پرستار کے لئے اسباب چھپا ہے غالب کا یہ شعور کہ

ہے غیبِ غیب جس کو نہ کہے ہر مسم شہود
میں خواب میں ہنوز جو جاگے میں خواب میں
کائنات کی کوئی کجی نہیں نظر آجھا ہے۔ اداؤں نے پانچ جہدیت کی۔ کتابِ اسرار۔ میں غار اور سایہ کی مشہور خال سے کائنات کی حقیقت
یون کی تھی، جسے پوٹینس نے انیلاؤس کی کافی تفصیل سے اور ایک مگن انٹرویو کے طور پر بیان کیلئے غائب کے اس شعر میں بڑی واضح تشریح
کے ساتھ آئی ہے اسی طرح غائب کی مشہور فارسی غزل کا شعر کہے

خون مشعرا جزائے نانے درخشا رہی خود کی
رفت آیا کے کون اسال دیا ہے دہشتم
سکونیا فی شعور کائنات ہی کی نماندگی کرتا ہے اسال دیا ہے یعنی نانے کی اولیت اور وحدت کے ختم ہو جائیکا خیال مسلمان
منگنہ دہکے دہر کے شعور سے نکل کھاتا ہے اس لئے کہ دہر ہی کی داخل باقی رہتا ہے نہ بعد۔ ایران کے سر باقر داداؤ۔ دہر۔ کون اور کی طرح
مرنے والا تسلیم کرتے ہیں اور غالب کے اس شعر میں بھی دہر پیدا ہونے اور مرنے کی خصوصیت دکھاتے تاہم اس شعر کے پس منظر میں جو سکون
اور عدم حرکت آتی ہے وہاں درخشا پیرس کے سکونیا فی شعور کائنات کی نماندگی کرتی ہے لیکن ان جیسے شاعر کے ہر کس حسب بات میں نظر پر
بہنچا ہے

ہوام ہر وقت میں ہے حلقہٴ عد کام نہنگ
— دیکھیں کیا گزرتے ہے تصویرِ بگڑے نہنگ
رُود میں ہے رُخسارِ عمر کہاں دیکھنے تجھے
نے ہاتھ بگڑے ہے نہ پا ہے رکاب میں

آزمہ کرتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو جدید عہد کے سماجی مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ یہ نئے نئے ناقد باگ و بار سے زیادہ کامیاب

جزا معنی خیز معروف ہے اور اگر کہنے والے علم اور بے شعوری کو بے ہوشی اور نگہی اور اپنی کے ساتھ یہ معروف بخوبی معلوم ہے تو اس میں سائنسی

ڈاکٹر قاضی عبدالستار

غالب کا عہد

غالب کو دعا کی نے میوانِ ظریف ”کھلم ہے۔“ بنیاد فہموری کا ارشاد ہے کہ اگر غالب کی شادی سے کوئی فلسفہ مقصد کیا گیا ہوگا ہے تو وہ ”فلسفہ تقاضا دل و مستی“ ہے۔ ڈاکٹر عبدالمطین نے ”آٹھ پائی کا حساب لگا کر ان کی زندگی پر مکمل آسودگی کا حکم لگا دیا۔ شیخ محمد اکرام نے اپنی عالمانہ تصنیف ”میکم فزا دہ“ میں غالب کے عہد کے انداز و طرز کے باوجود ان کی زندگی کو کامیاب زندگی قرار دیا ہے۔ یہ تمام مدحیہ مشہور ہیں۔ کسی فنکار کے فن کی بنیادی بات کا سرخ لکھنے کے لئے یوں باتوں کا اصرار بالکل بے فائدہ ہے۔ اول تو اس کی اپنی زندگی جس کے چھوٹے بڑے اور اچھے برے تجربات کے آئینے میں وہ اپنے نقش کے گہرے پتھر بنا رہا ہے۔ دوم اس کے عہد کی تہذیب و سیاست جس کا فواد جس کی عظمت اسے سوار کا دیر درنگ ملتا ہے۔ سوم اس کی تقدیر جس آلا ہوا فکری ورثہ پر ایک طوطا ایسے دہانے کے دھندلوں کا شعور و فطرت ہے اور دوسری طوطا اس کے ذہن کے درجہ کو دکھاتا ہے۔

جہاں تک غالب کی زندگی کا سوال ہے وہ اتنا ہی اہم و اہم کی زندگی ہے۔ بچپن کی موت نے ان کی زندگی کے زخم کو گہرا کر دیا تھا اسی لئے کہ ان کا دماغ ان کی قربت میں انہوں نے جو شش سنبھالا۔ یہ سچ ہے کہ یہاں وہ سونے کا تھوک سے گھلے۔ لیکن تم کام فطرت ہی نہیں ہے۔ باہر دار فطرت کی نگاہ میں وہ ان کی ایاں ”محترم نہیں رہیں جو خاندان پر بادلوں۔ اگر عہد انگریز کی ناگہانی موت اس خاندان پر بادلوں کا سبب ہوئی تو شاید وہ تہذیب انہیں بخش دیتی لیکن یہ انہیں تھا۔ عبادتِ ملک کی زندگی کا بھی بلا حصرہ دولت و سرور کے زخموں کا میں گزرا۔ پھر مصرت کا شہر پر فطرت“ اپنے قانون ”کو اس آپ کے موتیوں پر ترجیح دیتی ہے۔ اس لئے یہ تم اس غلامی جیسے کہ اس غلام عہد میں ان کے حساس دل پر ہاں کی حسرت اور اپنے چہرے کی شک اس کی ہوا اور ناہاں سے کشش میں آئی ہوئی آوی ہوشت اس دہرے سوتلائی رہی ہو۔ اور یہ انہیں کا کہنے کے فوری کا ایک شہرہ غم شخصیت میں کی پیدا کر دیتا ہے۔ شوخ چہرے کے گہا ایک ہی تیر کا تھا۔ غالب نے اپنے مقبول خطوں میں جب زندگی کی نعمت کو ”میں دوام“ کا لقب دیا ہے تو اس زندگی کی عروسی پر انہیں پیدائش کے پہلے دن سے حسین کی ہے۔ حالانکہ اس وقت اپنی ”حسین زندگی“ کو اس سے خاص کر دیا چاہئے تھا اس جاگیر دار خاندان کی محافظت نے انہیں زندگی گزارنے کا جو مبارک دیا۔ وہ اس سلسلہ کے سب سے بڑے طبقہ کا آغاز کرتا تھا۔

”ایثار و کرم کے جو دعائی میرے خالق نے مجھ میں سمیٹ دیے ہیں بقدر بڑا ایک نعمتوں میں دےئے۔“

وہ دیکھتا کہ ایک عالم کا میزان بن جائیں۔ اگر تمام عالم میں دہرے کے دسی میں ٹھہریں تو اس

شہر میں تو میرا کانٹا دل لڑائے نہ

خدا کے ان جلوں میں غائب کی بیگم نفسی ہی نہیں ہے بلکہ جائیدادِ بیعت کے سوارِ حیات کا وہ غنیمت ہے جس نے کئے ہیں۔
عبید الرحمن خانہ ادا کیا کر دینے سے

نقد و حسرت دل پہ اپنے ذوقِ معاشی کی

ہر وہ ایک گھنٹہ دامنِ بھلائی پہنت دلا ہو

زندگی کو لڑنے کا یہ آئینہ بیک ان کی بات سے جا کی طرح چھٹا گیا۔ وضو لڑائے ان سے زندگی کرنے کا سلیقہ چھین لیا۔ غراشت نے دلی
کاٹ کی سکتی بھگوان۔ جیل کے ان چندوں نے ان کو برسوں بیکار رکھا۔ وہ تو توں بیکاری میں خواب دیکھتے رہے۔ پانی پر نقش ہلتے رہے۔
ادب انجیم پہ گھٹے رہے۔

نکسے ہم کو پیش و رفت کو کیا تھا ضرے

نارے الہال ادبے فکرِ شباب کی نگہ دیاں ابھی جان بھی نہ ہونے لے تھیں کہ ان کا قدم الٹ گیا۔ ان کی سٹا دی کر دی گئی۔

پانویں میں بڑی قابل دلی گئی تھی۔
پہاں تھا عام مسرت فریب اسکیاں کے

آٹے نہ دپائے تھے کہ گرفتِ رہم ہونے

غائب کی ازواجِ زندگی پہاٹنی کا پر نہ چڑھے۔ طوطے کے آئینے میں اس کو بیک کاٹکس "پیری" اور بیک کے روپ میں آئینے پر چڑھ
ہر بیانِ نواشت کے پر لے کر میں جہانم اسے ہم کلاں کا ادا دے گا کہ میں نہیں کہا جا سکتا اس کے علاوہ یہ بات تو نہیں تھی اس امر کے ساتھ کہ ایک ٹوکے پر
تھا ان کی شقت سماں کی رفاقت کی کھڑکی کو جس میں جانا تھا ہے اس وقت آئینہ بیک کی گھڑا ہو جاتی ہے۔ غائب کے ساتھ اس میں نہ تھا۔ اس کو بیک
تو غائب کی جی کھڑکی ادا دے دیا۔ دیش زندگی کے بیک کا ٹوکے رکھتی ہوں گی۔ غائب کا آقا اور مسات مل ڈر داری کے طوسے پر چل چکا
ہوگا اس مال میں اس کو بیک کی کیا کرنی ہو رہی ہوئی تو غائب اسے میں تھا ادب "بھ بیٹھے۔ میرا آئینہ بیک میں ایک۔ بائیں دیاں خان کی چشم
وہ پرز ہیں۔ انیس میں صے ہیں ایک۔ ڈر میں میرا زندگی کا ہوتا۔ اٹھ دے مجھ سے دھام انو دیاں زندگی کے لڑائی خواب دیکھتے ہیں
میں غائب کی معاشی زندگی ان کی تھروں کا سول نہیں کر سکتی تھی۔ غائب کے گھر میں تو غائب کی انڈی رہی۔ گھر کی یہ دیرانی سوچائی اگر وہاں زندگی
کی سب سے تھیں اور سہل الحصول نعمت اسے میرا جاتی۔ لیکن غائب کا نصیب اس سے بھی خالی تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی پنداشت نے
مال میں ہو کر یہ کسی دھوکے کا ادا کو بھٹا کر نہ بنا یا تو اسے بیک موت آگئی۔ غائب نے کھل کر گھر میں اس قسم کا ادا نہیں کیا لیکن گھر کی چلانی
ادب داشت پر وہ جس طرح دوسری میں طرح نام کر دے وہاں کے ہم کلاں لڑے۔

میرے غم فانی کی قسمت جب دھم تھنی

سے سب سے فادہ پرورد و دلدار غمگین

اگے میرا گھر میں ہو سب سے دیرانی تھا کر

نظر میں غمگین ہی تھروں گھر کی آبادی

بیک دوسرے میں ہم دیکھ کر درد و دلدار

اور شفیقہ و روح بھی۔ غائب نے جن کی گروہ مرثیہ غم کا مال تھا، اوتی دنیا میں دلی ہوئی امانیت کو کسی چٹے سے سرسب کہلاتے۔ یہ چٹو عشق عشقِ مجاہد کا اثبات بھی کرتا تھا۔ اس لئے اس کی کشش و جذبہ ہر گز نہ۔ غائب نے ایک غلامی سے عشقِ مجاہد کا غور کیا ہے۔ اس کی ایک دلِ سبز غزل کا حوالہ دیتے ہیں۔

اس ارضِ محبت میں بھی ادا کا وہی مشر بہا جس کی تعین اودائی محبت کرتی ہے۔ اگر وہ اپنی جذباتی دنیا میں کامیاب ہو جاتے تو ان کی بہن کے ہاتھوں میں سے ایک داغ کم ہو جاتا۔ بعض واقعات اس معلوم ہوتے ہیں کہ ان کی اپنی محبت کی ناکامی بھی ان کی زندگی کی ناکامی کی مرثیہ کریم تھی ہے۔

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مراد ان دنوں بیزار ہے
میں تو مراد وہی کہ تھی تو کیسا کروں
انا کہ قریب تر سے نگہ کامیاب ہے
تیری دنیا سے کیا ہو غافل کہ وہ بھی
تیرے سماجی ہم پہ بہت سے قسم ہوتے
نہ سے پہلے مجھے اپنی جہاں کا گھر
اس میں کچھ سنا ہے تو بے قصد یہ بھی تھا

روایتی محبت کی رہو گ اودائے وہی بن عشقِ نامِ خواہے کا سفر کو تو کرتا ہے۔ وہ میں صرف وہ خواہی کی نگہ پر مریخ اور آخر ثابت ہے اس کے متعلق مانگے سے مریخ، پس تھیل سے بڑے کہ ہے۔ غائب کی زندگی اسودہ حال ہوتی تو شاید یہ روایتی محبت کی متعلقہ کلمہ شرم ہو جاتی۔ لیکن قافیہ باری کی گنگنے اس میں مزید شکت پیدا کر دی۔

غائب کے دلہان میں دیکھتا تھا کہ ان قصبات سے جن کو تم ممکن غلبہ پڑتا ہے اشعار کہہ سکیں۔ وہ نشا وگل کا طلسم ہار رہے ہیں۔ نشا وگل مرثیہ کرتے ہیں اور نشا وگل کے خواب دیکھتے ہیں۔ لیکن نشا وگل انہیں خوب نہیں جانتا۔ وہ غزوہ طے کرتے رہتے۔ ہوتے وہ غم کے ان لوہے انہیں خینا جاتی۔ وہ ساری عمر بے گوار ہے، مضطرب ہے۔ جب بھی کوئی ذخیرہ وصول ہوتی یا کمال مائل جاتی وہ قرار ہو جاتے لیکن غم انہیں بھر دیتا ہے۔ غائب کا تنگ ان کے غم کی پیکار دے، بیقرار رہی کا غصہ داتا ہے۔ غم کی یہ بے قراری انہیں حقائق کے آثار میں کشاں کشاں لئے پرتی ہے۔ عظمت کی ایک کرن کی امید، وہ بیوں بھلتے ہیں لیکن دولتِ بستی کا مراد ان کی "تیری کامیابی کا پڑنا۔"

سے چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک ماہر کے ساتھ

بچھا جاتا نہیں ہوں ابھی راہِ سپر کو میں

یہ شعر اصرار ہے جب بھی کہا ہو لیکن یہ کنیت ان پر ہمیشہ جاری رہی۔ وہ ناچ کر بھی نہ بچا ان کے۔ لغت کے مراکز پر وقت کا دعویٰ تھا تسلیم و فضل کے باوجود یہی ہے دگر کے سے

رہنچ طاقت سے مسا ہو تو پڑھیں لیکن سر

فرین میں تو بے تسلیم و رضا ہے تو سبھی

اسلام نے جنت کی بشارت دے کر انسان کو دنیاوی آرام و مصائب چھیننے کا عمل دیا ہے۔ غائب کی بے قراری اس خواب سے شکین نہیں ہوتی ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت کیسے

دل کے بچانے کو غائب یہ خیال اچھا ہے

اس شریعہ شوقی ادا بہتہ خیال ہی نہیں ہے بلکہ غم کی آواز وہ دھڑکنے والی ہے جو حال سے نا افسوسہ اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس پر لہجہ کو بھی ثبات نہیں ہے

بیچا لگی، خشن سے ہے دل نہ ہو غائب

کوئی نہیں میرا تو میری جان خدا ہے

لیکن خدا کا یہ تصور غم کے بڑے بڑے ہواؤں کو ہکا بکا کر دیتا ہے غائب کی تسکین سے عاجز ہے وہ

زندگی اپنی اسی طور سے گزر رہی غائب ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا دیکھنے تھے

کیا وہ خسرو کی خدائی تھی ہندوئی میں مرا بھلا نہ ہوا

اسلوب کی ایک منزل وہ بھی پہنچتی ہے جب سکون کی صورت نہیں پہنچاتی جاتی۔ غائب چاہتے محبوب کی ایک جنبش سب کو

ترک کر دیتے ہیں

ہم بھی منہ میں زبان دیکھتے ہیں

لاکھوں پر چھو کر دعا کیا ہے

جب سزا انکسالت محبوب پر سرعایت کرتا ہے تو ایک اندیشے سے مضطرب ہوجاتے ہیں وہ

صبر میں غیبت سرگ نہ کہیں یہ پڑھی ہو

دینے لگا ہے ہوسہ انہماک کئے

غم کا یہ اضطراب ان کی ساری زندگی پر چڑھا ہے۔ وہ تعزوت کے فلسفے پر یگانہ استغناء و نفاست سے داری تھے۔ وہ ایک باشعور

دنیا دار کا طرح دلنے کے دماغ ہے۔ غم ہمارا جب دوران ہوا تو غائب نے بلا تکلف اسے "قلوب ہمارا" کا لقب دیا۔ حالانکہ یہ اسلوب

ہمارا کہ ان کا علی گاہ تھا۔ یہ تو کفر حق تھا۔ مذہب احمدی نے ہر شخص کا عقیدہ چھپا ہے جو ان لاغ و حوصلے کی میٹھے رنگتا ہوا نمونہ

لے وہ سب کچھ کیا جو نشا دہا بخوئیں کر سکتے تھے لیکن وہ اپنی تقدیر ٹھنکے سے منہ دیتے تھے

میں غمش میں عالم حسرت سے یا سجدے

تسکین کو دے تو یہ کہ مرے کی اس سدا ہے

اس طرح یہ اتنے قربان و شہوت کر ہو چکا جانتے کہ وہ فارغ و شاد کے کام میں ہی کی ضرورت بلکہ کہ غم دیتے ہیں غم بخیز ہیں

اور غائب کا ہر غم ہے تاہم یہ غم اپنی لذت لادنا نہیں ہے بلکہ لائحات کا نام ہے۔ اسی لہذا میں احمدی کے انسانیت کو برا نہ دیکھتا ہوں۔ اور

دو رنگہ کے قریب پہنچ کر دھم کا بیج دھم کا بیج ہے وہ

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند

کس کی حاجت دعا کرے کوئی



ڈاکٹر ارباب معصوم رضا

غالبؔ کی عشقیہ شاعری

غالبؔ کی عشقیہ شاعری کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے اس کی عشقیہ شاعری کے پس منظر میں لگا کر دیکھا جائے۔ یہ دیکھا جائے کہ غالبؔ کی عشقیہ شاعری کی جڑیں ایتنی عمیق ہیں کہ وہ انہوں نے اپنے دل سے نکالی ہیں، جو خود ہی انہیں ان قدر دیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا خون جگر دیا ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ اس وقت کوئی تفصیلی جائزہ ناممکن ہے۔

غالبؔ تک ایک روایتی عشق کی روایت تھی جس میں کسی قدس کے جان اوبے کوک نہیں۔ اس کا عاشق، رقیب و معشوق یہ نہیں کہ وہ اس کی طرح مثالی تھے، ان میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں تھی، عاشق ایک وفا دار، مخفی و زراعتی ہے جس کی شخصیت نہیں۔ وہ جفاکش رہتا ہے اور عشق کرتا رہتا ہے۔ رقیب ایک جاگرتا ہے جس پر معشوق کا حضور سے پہرہاں ہوتا ہے اور معشوق ایک ایسا لڑکا ہے جو جوانی کی صف میں داخل ہو رہا ہے۔ رزم کرتا جس کی شریعت میں حرام ہے جو بڑا اذیت پسند ہے اور بچہ پنائے میں لگتا پاتا ہے۔

یہ تمام عشقیہ شاعری کا مٹلٹ۔ تمام شعرا نے اس مٹلٹ کو بنایا دیا اور اگر اتفاق سے کوئی تیسرا عاشق پیدا ہو گیا تو اس مصرعی کرداروں میں فدا جان ہی پڑ گئی۔ لیکن یہی عشقیہ شاعری جس کی عرفیت عاشق کا کردار ایک فدا سائنس کا معلوم ہوتا ہے۔ باقی دونوں کردار بالکل روایتی ہیں۔ تیسری دونوں مٹھے رہتے ہیں۔

دورِ بے شمع و بے آبرو میں

عشق میں یہ آدب نہیں آتا

غالبؔ کی عشقیہ شاعری کبھی عشق شاعری سے جہاز پر مختلف ہے عشق کا مٹلٹ تو قائم ہے لیکن اس نقشہ پر جو عمارت تعمیر ہوئی ہے وہ بالکل مختلف عمارت ہے۔ غالبؔ نے ان تمام خودہ و عشقیہ کرداروں کو نہ صرف یہ کہ رد کیا بلکہ ان کا مذاق اڑایا اور اپنی عشقیہ شاعری کیلئے کرداروں کی تخلیق کی غالبؔ کو روايت تھی جس میں مرآۃ انہوں نے عشقیہ شاعری کے جنوں کو بگڑنے کی سوزی ہے۔

تیرے بغیر زندگی کا کوئی آسہ

میرے لئے خواب و صوم و قیوم تھا

عشق و مراد کی عشقہ گہر سو کیا خوب
ہم کو منظور نکو نائی فسرط و نہیں

کو کج رُس نہ مرندہ دھرب لگا و رقیب
بے مشور آئینہ خواب گراں شیریں

دھمکی میں مر گیا جو دہاب نہر و تھا
عشق نہر و ہمیشہ دھلت لگا و مر و تھا

چنانچہ خائب نے عشق نہر و پیش کی روایت سے ایک نثر کی تخلیق کوئی چاہی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس روکی تخلیق نہ کر سکے ہوں،
خائب سے پہلے ہمیں کوئی عاشق اس کے دامن کو حریفانہ کھینچنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔

عجز و تنبیہ سے تودہ آبان راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچے

خائب سے پہلے کی عشقہ کی شاعری عجز و تنبیہ کی منزل سے آگے نہیں بڑھی۔ خائب نے اُسے آگے بڑھایا۔

ہم سے کھل جاؤ بوقت سے پرستی ایک دن
لے کر ہم چھڑیں گے نہ کہ کھڑی ہستی ایک دن

یہ عاشق جس دامن کو حریفانہ کھینچنا چاہتا ہے یا عذر مستی کے پالنے اُسے چھڑنے کا وعدہ رکھتا ہے یا کھل دیتا ہے۔ یہ کوئی منطقی
شخصیت نہیں ہے، یہ ایک مثبت کہاد ہے جو حالات کو جو کچھ کالوں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، یہ عجز و تنبیہ کی کرتا ہے لیکن موقع ملے تو
طرز نکالنے سے بھی نہیں ہٹتا۔

مکوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آئے تھے مگر کوئی عذاب گیر بھی تھا

تری بازی سے جانا کہ بندھا تھا چھڑا
کبھی تودہ توڑا سکنا اگر استوار ہوتا

گرم ہے کس کس خزانے سے دلے باہیں ہم
ڈگر میرا ہے سے سیر ہے کس مغل میں ہے

اور یہ بھی نہیں کہ وہ طرز نہ کرے روحانا جو۔ کیا نہیں، لو کہنے کا موقع آتا ہے تودہ سے لوگ بھی دیتا ہے۔

سیر ایک بات پر کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
نہیں بتاؤ یہ آخر انکار کیا ہے

اس حرارت نے غالب کی عشقیت پر عری میں ایک البیلا پن پیدا کیا کہ وہ اسکی سطح بہت بہت پہنچ جاتی ہے تب بھی اسکی عشقیت ایک مریک کا دم دہتی ہے ۔

قبض پہ گزرتے ہی جو کوہ سے وہ میرے
کنڈیجا کی کہا روں کو بند لئے نہیں دیتے

دھوتا ہوں جب میں ہے کو اس تم کہنے پاؤں
رکھتا ہے جسد میں گینچ کے باہر نکل کے پاؤں

یہ اشعار کلیک میں ، مگر پہلے شعور میں ہیں کہا روں کی بے جا ملٹی متوجہ کر لیتی ہے اور دوسرے شعور میں ہیں گلن کے کندھے باقی اور غالب کے ارادے کے ساتھ میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا ، ہم تو یہ دیکھنے میں رہ جاتے ہیں کہ وہ گلن سے پاؤں ، لب رکھ رہا ہے اور غالب اسے گلن میں رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں ، اور یہ سلسلہ دیر سے جاری ہے اور یہ ننگ جاری رہے گا ۔

اس قسم کے اشعار غالب کے علاوہ کسی اور نے کہے ہوئے تو ان میں یہ عشقیت نہ ہوتی ، مثال درجہ کی ضرورت نہیں ، کیونکہ عروہ کی شاعری اس قسم کے کلیک اشعار سے ملو ہے لیکن چونکہ غالب کی عشقیت شاعری کے کردار بالکل روایتی نہیں اسلئے ان کے کلیک اشعار میں بھی زندگی کا شعور رنگ بریل ہی جاتا ہے ۔

غالب کے عشقیت کردار کا ماحول یہ ضرور ہے کہ ہر فرد میں لیکن مزاج میں یکسر مختلف ہیں ، مثلاً اس عاشق کو دیکھئے ۔
ہمارے نہ غفلت نہی ، کو سب ہے دشمن کو
دوست کی شکایت میں ہم نے ہم نہاں اپنا

بچکے ہیں مڑخوں کے لئے ہم مصدوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے

دل ہی تو ہے یہاں سب دیاں سے ڈو گیا
میں اور جانی دے سے ترے پن خدا کے
یہ عاشق اتنا سادہ نہیں رہ گیا جتنا میر کی کہیا ت میں ہے ۔ اسے دنیا داری بھی آتی ہے لیکن اس دنیا داری کی وجہ سے اسکی ہر شے میں کوئی کمی نہیں آتی ، اس کا جذبہ عشق اتنا ہی مستحکم ہے ۔

سینکھنے سے مجھے اے ناامیدی کی قیامت ہے
کہ داماں خیال یا ر چھوٹا جائے ہے مجھ سے

ہم کوئی ترک و فاکر تھے ہیں
ہم بھی تسلیم کی خود ڈالیں گے
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی
بے پناہی تری عادت ہی سہی

چھیڑ خوں باں سے چلی جائے اسد
کڑ نہیں و فصل تو حسرت ہی سہی

یہاں حسرت پر قائل ہونے کا سوال نہیں ہے، دامانِ خیالِ یار کے جھوٹ جانے کا سوال ہے لیکن اس سپردگی کے باوجود وہ ایک خاص منزل پر آکر ٹک جاتے ہیں۔

غواہش کو احنوں نے بے کشتش و یا قسار
کہا تو جتا ہوں اس بہتِ بیدار اور گویں

یہ بہت بیدار گری کوئی مثالی کردار نہیں، جو قیدِ زمان و مکان سے آزاد ہو، غالب اس کی تعریف میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھتے ملاحظہ ہو۔

ذکرِ ش پری کوش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا چراغِ ازل اپنا

دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہلے
ہو اور قیب تو ہو، نام نہ ہے، کیا کہلے

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اسے غلام
میرا سلام کہیں اگر نام نہ جڑے

اب غمراہ دیکھ لے

ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

کیا بے ہو گئی کے باغِ حننے، میری پلا ڈرے
کیا جاتا نہیں ہوں تہساری گھر گویں

خیندش کی ہے، دماغِ ش کا ہے، راتیں اُس کی ہیں
جری زلفِ نہیں میں کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

حسین مرگوسہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرا رُخِ رشیدِ جمال اچھلے

اب اس کی شوقی بھی دیکھ لیجئے ۛ

میں نے کہا کہ بزمِ نازِ خیر سے چاہئے تھی
سُن کے ستمِ ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کریوں

نراکتِ خاطر ہو ۛ

شبِ جمالی کے خواب میں آیا نہ بھو کہیں
ڈکھنے میں آج اُس جیتے نازکِ بدن کے پاؤں

اللہ ان سب کو خیر کر دیا نکلا ۛ

کام اُس سے آئے اچھے کہ میں کا بچاں میں
یہو سے کوئی نامِ سبتم کر کیجے بغیر

یہاں تک تو کوئی خاص بات نہیں، یہ جانا پیرا یا ہو، معشوق ہے، مگر اب دیکھئے ۛ

ہو امیب جس گم، خطِ ہزارِ سادہ آتا ہے

کہ بعدِ صاف ہے، ساغرِ مہرِ دُورِ بادہ آتا ہے

بصرِ محضِ جاسے عالمِ تیرے قامت کی درویشی

اگر اس طرُقہ پر پہنچ و تم کا، پچ و شمس نکلتے

پہ چہر مت رسوائی اندازِ استغناء سے سن

دستِ مرمونِ حنا، دغا دہیں فنا نہ ہیں

اب اس قصیدہٴ عشق کے ساتھ ان اشعار کو ملانے کے معشوق ایک جیتے کو آکر دے رہا تھا جسے میں کا حسن بالکل غرا دلو نہیں،

اس لئے دشتِ مڑکوں کو شرم سے بھی تیز کرنا چاہتا ہے اور اندازِ تغافل کو فن کی مشیت ہی دینی پڑتا ہے ۛ

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے چہرہ کی

وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

اب جیگرِ معشوق ادھی ہے تو رقیب کا کردار خود بدل جائے گا ۛ

ذکرِ میرا مہندی بھی اسے منظور نہیں

خیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دوا نہیں

ان تینوں کرداروں کی تبدیلی کا اثر خود معشوق پر پڑا، اور میں کرداروں کی دیسی آفاق معاشقہ نگاہ کو دیکھیں، اس لئے غالب کے

عشق پر بھی بہت غریب گندمی ہے، ایک وہ منزلِ حبِ عیش ہی سب کچھ ہے ۛ

اب ہم ہیں اور ساتھ ایک شہرِ آرزو

توڑا جو تو نے آئینہٴ کشالِ دارِ دعا

مگر کیا نام نے ہم کو قہرِ اچھا توں میں

یہ جنوںِ عشق کے اندھ چٹھ جانکے کیا

کوئی میرے دل سے بوجھے نرے ترخ کفن کو
یہ غفل کہاں سے ہوئی جو مجھ کے پا رہتا

خوں ہے دل خاک میں احوال بناں پر یعنی
اُن کے ناخن ہونے محتاج حنا میرے بعد
پھر ایک منزل آتی ہے ربیب عشق نہیں صرف اُن کی یاد ہے
مانگتے پھر کسی کو لب بام نہ ہو بس
زلف سیاہ شمع و ہریشاں کئے ہوتے
اور پھر ایک منزل آتی ہے حب ہے

فرصت کار و بار شوق کسے
ذوقِ نکتہ رہا جہاں کہاں

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
اب وہ سوداے خط و خال کہاں

کار و باروں کی اس دروغانی کیفیت میں غالب کی عشقیہ شاعری کی عظمت کارزار ہے۔ غالب نے اپنے عشق کو مثال بنانے کی
کوشش بھی نہیں کی۔ ان کا عشق بوس سے اس قدر قریب ہے کہ انہیں پتہ نہیں چلے کہ عزت محسوس ہوتی ہے
ہر بوسہ انہوں نے عشق پرستی شاعر کی
اب آبروئے مشیوہ، اہل نظر سرگئی

کوئی یہ دعویٰ نہیں کرنا کہ عشق غالب اعلیٰ درجے کا ہے لیکن ان کی عشقیہ شاعری اس لئے اعلیٰ درجے کی ہے کہ انہوں نے
اس میں اپنے عشق کو بہت اعلیٰ درجے کا ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ایک سید سے سادے حسن پرست تھے اور ان
کی شاعری میں ان کی حسن پرستی اپنے نام و علاج کے ساتھ نہ بد رہے۔

غالب: ملاحیے محسوس باب
مصنفہ ۹۹ھ ۱۵۸۵ء

سارے کا عمر تہذیب و فاضل میں معروف رہے۔ زندگی کے ہر حقیر کو اپنے لطیفی وجود میں جذب کرتے اور معلوم کو محسوس بناتے رہے
نرات کے احکام کو اور آواز انکس ابتداء اور کشش کو اپنے احساس کا میزبان پر رکھ کر انہیں ہم غالب کو قول رکھتے ہیں اور اسی صورت میں
غالب نے اس کا حق ادا کر رکھے ہیں۔ گوئی بھی ایسا ہی ہے جیسے کہ سفرِ قفقاز تپش و سرگھٹی سے گھر کر دیا میں کوئی گویا ہوا و اس کا
تعداد ساحل و دریا پر دیکھا ہوا و ہم اس تعداد سے سفرِ قفقاز اب کر چکاتے ہیں کشش کر رہے۔

دہر و قفقاز و تعدادِ آبیم غالب
تو مشہور باب جو اسی نشانست مرا

محمد انصار الشرنافی

غالب ذوق اور ناسخ

بیم الدولہ مرزا اسحاق خاں غالب اللہ غازی نے پہلے شیخ محمد ابراہیم قزوینی میں مودار و جنگ جیسے جگہ میں اس کا اعلانہ ان واقعات سے لیا گیا ہے جو کتب تاریخ اور تذکرہ میں بخیر میں لیکن قزوینی کے کرم الی کی موت کا کچھ یقین کر لیں۔ ان واقعات کو زیادہ ہی پیشہ ماحول ہے ان میں ذرا سا سقم بھی ہوئے غلطی کے کی صورت میں لاہور جو مستحکم، مسعودی میں ہی اس مسئلہ کے بعض مشہور واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے وہاں تا کہ ان کی ماضی کیفیت معلوم ہو جائے۔

(۱)

ملک نظام الشہید ہائی کمر یا دہی نے مختلف شاعروں اور بزرگوں کے دلچسپ حالات و ملاقات اشعار میں شریک کی ہیں ان میں ایک اور ذوق کے ہیں ان کی لفظی ترقی۔

”محمود علی کا نام شہزادے مفت ذوق کے شاعر کے شہزادہ عالمی بہت زیادہ استاد کے منہ لگے تھے وہ مرزا غالب کے کام پر ان کی موت کی یادگار تھے ایک دن کہ کچھ نوحیہ تھے جس میں غفر سلطان بھی آئے مفت ذوق نے ان کے آئے کا تیل لے لیا اور یہ کہ تو دیکھا مرزا صاحب سے جو حاصل دے دے دے کہنے لگے یہ فراہم آئی کی ہے خطی سنو۔“

بھری ہی انہیں آفتاب کوئی باغ ذوق اس کی
کوئی جانے تو کیا بلانے کو لایکے تو کیسا لگے

غفر سلطان بہ شہزادے مرزا اور مرزا غالب سے کل ماہر کہا جیتے مرنے بھی حضرت ذوق کی
غفری بہر ذوق کے ساتھ غفر سلطان سے پہلے ہی کہنے دیتے تھے فراتے ہی وہ
کہنے دھک غفر سے اسے ذوق کیسے ماز
کہہ کر اسے مستجاب و بزرگوں سے کہنے

(ص ۱۰۰)

اس لطیفہ میں کئی استقام موجود ہیں۔ غفری مرزا سے مراد تھا جیسا کہ غالب نے ذوق کی خبر لیا کہ مرزا سے یہ دیکھا۔

مرزا غفر سلطان آخری نام بہر ذوق اور مرزا کے چھٹے نام مرزا سے تھے ان میں مرزا اسحاق خاں غالب کے شاعر تھے۔ غالب نے

ڈاکٹر عباوت بریلوی

غالب کے فیحوط کی ادبی اہمیت

[illegible]

اردو شاعری غالب نے ہر سو پہنچا دیا ہے وہ صرف ان کے خطوط پر مشتمل ہے۔ یہ خط و کتابت کسی قصہ و کہانے کی تصویر کشی کے لئے نہیں اور نہ ہی مبالغہ آرائی پر مبنی ان کی تخلیق کا باعث بنی ہے۔ وہ واقعی خطوط ہیں اور ان میں صورتِ انسانی باتیں و دوسروں کا سچا پیغام لگتا ہے۔ اس لئے بغاوتوں، فطرتوں و خصوصیات پیدا نہیں ہو سکتی تھیں جن کی بدولت شاعری میں ایک ادبی اسلوب رونما ہوتا ہے۔ لیکن غالب کی عظیم اور پیلو دار دلچسپی اور پاک شخصیت نے ان کی خطوط میں ادبی شاعری و شان پیدا کر دی ہے جس کی حیثیت اپنی جگہ منفرد ہے۔ یہ خطوط اس اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں جگہ جگہ ادبی تجربے کی ہیئت بھی مشاہد کی جاتی ہے۔ اور اس تجربے کو غالب کے شخصی مزاج نے پہنچا دیا ہے۔ ان کے مزاج کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ وہ عام زندگی کی معمولی معمولی باتوں کو ادبی تجربے میں ڈھال دیتے تھے۔ بات یہ ہے کہ غالب کی شخصیت صحیح معنوں میں ایک ادبی شخصیت تھی جیسے کہ احساسِ جمعیہ کا ایک ادبی تجربہ کار ادیب اختیار کر لیتا تھا۔ اس کے لئے انہیں کوئی کاوش نہیں کرنی پڑتی تھی۔ کسی خاص قصہ و کہانے میں نہ اپنا پردہ تھا۔ ان کی ذہنی کیفیت یہی تھی کہ وہ کسی کو جو کچھ وہ لکھ کر دے اور وہ سچے سچ اس کا اظہار کرے اس طرح ہوتا تھا کہ اس میں ادبی تجربے کے تمام عناصر کی جھلک نظر آتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے یہ خطوط بھی جوئے کے باوجود ایک ادبی رنگ و تاب رکھتے ہیں۔ غالب کی اپنی شخصیت نے انہیں اپنی تخلیق کا اعلیٰ نمونہ بنا دیا ہے۔

یہ خطوط چونکہ نجی اور ذاتی ہیں لہذا انہیں اس احساس کے ساتھ نہیں لکھا گیا ہے کہ ان کا شمار ادبی تخلیق کے تحت ہوگا۔ پڑھنے والے انہیں اپنی تخلیق کے معیاروں کو سامنے رکھ کر تجلیں گے۔ اور ان کے فخر کی روایت میں کوئی اعتراض ہوگا۔ اس لئے ان میں مختلف اور متضاد کاشائے نگہ نہیں ہوتا۔ ہر وقت اس کے بڑی بے ساختگی اور ہر جگہ نظر آتی ہے۔ ان میں تو اس میں کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں جو زندگی میں بغیر کسی کوشش اس کا دل کے از خود پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں انسان کی صفائی اور درست کاری شامل نہیں ہوتی۔

بلکہ فطرت کا ہاتھ اسے منور اور اندکھا کرتا ہے۔ اس لئے ان میں اس کی ساختگی اور پیش پیشی نہیں ہے۔ غالب کے یہ خطوط اس میں کی درست سے الگ ہیں۔ ان میں بڑی وسعت اور کشادگی ہے۔ بڑی ہی شگفتگی اور شادابی ہے۔ بڑی ہی سادگی اور صفائی ہے۔ بڑی ہی نگین اور ہر کاری ہے۔ یہ زندگی کے بحر میں ان میں بڑی جولانی کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں صفائی نغم کوئی نہیں ہے۔ ان کی تخلیق میں تو صرف فطرت کا ہاتھ ہے۔ یہ صرف خطوط کی طرح لکھے گئے، لیکن انہوں نے عملی درجے کی اپنی تخلیق کا ادب اختیار کر لیا۔ اس طرح اس کی اپنی نشیمن میں اس کے اسلوب کا اعلا ہے۔

ان سے قبل ان کے خطوط میں خطوط ہی لکھے جاتے تھے اور ان میں نشیمن کی کوئی مفہم و ادبیت موجود تھی۔ غالب کے خطوط سے ایک تھوڑی سی خطوط نویسی کے فن کا آغاز ہوا اور دوسرے اردو میں باقاعدہ آسان اور سادہ اپنی نشیمن کی ایک روایت قائم ہوئی۔ لیکن ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں ان تمام چیزوں کا نہایت حسین آئینہ نظر آتا ہے جو اپنی تخلیق کے لئے جیادائی حیثیت رکھتے ہیں۔ موضوع اور مواد اسلوب ان دونوں اظہار کے ان کی اہمیت اپنی جگہ سیکر ہے۔ اپنی تخلیق مجموعی طور پر انہی دونوں چیزوں کے امتزاج کا نام ہے۔ انہی دونوں سے اس کی تشکیل ہوتی ہے۔ غالب کے خطوط میں انہی دونوں چیزوں نے مل کر اپنی تخلیق کا رنگ و تاب پیدا کیا ہے۔

غالب کے ان خطوط کا سب سے اہم موضوع تو غالب کی رنگارنگ اور پہلور شخصیت کے مختلف گوشوں کی قربانی اظہار ہی ہے۔ ان خطوط میں غالب نہ صرف چلتے پھرتے اور چلتے بولتے نظر آتے ہیں بلکہ جو کچھ انہوں نے محسوس کیا ہے، جو کچھ ان پر متی ہے جو کچھ وہ سوچتے رہے ہیں، ان معاملات پر انہوں نے غور کیا ہے، جو سچ کا ہے، اور ان خیالات و نظریات کی توضیح و تشریح کی ہے ان سب کی تفصیل درج ذیل ان خطوط میں موجود ہے۔ یہ خوب غالب کی انفرادی داخل زندگی اور ان کے اس پس کی اختیاتی خانگی زندگی کے نشیب و فراز کے تعقیب ہیں۔ غالب نے زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو شریعت کے ساتھ محسوس کر کے پیش کیا ہے۔ اس لئے ان میں جذبے کی اخلاص مندی نظر آتی ہے اور ساتھ میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے اور جانتے کا شعور بھی کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ پھر ان میں اس بات کی اظہار

میں سرحد ہے کہ غائب نے زندگی کھان پہلوؤں کو کس نزدیک سے دیکھا اور اس پر اس کے کیا افراط ہوئے۔
 اس کے علاوہ غائب کی جو تصویلات تھیں، ان کا جو مذاق تھا، جو معتاد نہیں عزیز تھا، جو تہذیب کی اس کے نزدیک اہمیت تھی، ان سب کی تفصیل میں ان خطوں میں جگہ بگڑ جاتی ہے۔ غائب نے ان خطوں میں اپنا ذکر کیا ہے۔ اپنے عزیزوں اور شہتہ داروں اور دوستوں کی زندگیوں کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ اپنے زمانے کی عام سیاسی اور معاشرتی، معاشی اور اقتصادی اور ثقافتی زندگی کے مختلف معاملات و مسائل کو پیش کیا ہے۔ ان میں انسان اور اس کی جذباتی زندگی کے ان گشت پہلوؤں کی تصویر کشی کی ہے۔ اس کی سرتوں اور شاربانوں، محرومیوں اور کامیابیوں کا بیان بھی جگہ جگہ ملتا ہے۔ ایسے ہی مقامات پر ان خطوں میں آفاقی سماج کے آہنگ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ باتیں جو حالت نے صرف اپنے اور اپنے بعض عزیزوں اور دوستوں کے بارے میں کہی ہیں، ان کا اطلاق تمام انسانوں پر ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ان کی یہ باتیں ہر انسان کو اپنی باتیں معلوم ہوتی ہیں اور وہ اس آئینہ میں اپنی ہی صورت دیکھتا ہے۔

ایک خط غائب نے جو، حری عبد الغفور کو لکھا ہے، میں اپنی زندگی کے نشیب و فراز کی وضاحت کی ہے۔ اپنی پریشانیوں اور غم کی حالت کی وضاحت کی ہے، لیکن اس میں اس زمانے کی اجتماعی زندگی کی رہیں حالی کی تفصیل نسبتاً دیا رہنمائی ہوئی ہے۔ دیکھتے ہیں،

میں پانچ برس کا شاہ کمرلپ مراد پور میں کا تھا کہ پچھرا۔ اس کی جاگیر کے موضع جیر اور میرے شہر کے واسطے شاہ جاگیر فریب احمد بخش خان دس ہزار روپے سال معقولہ جوئے انہوں نے نہ دیئے، مگر تین ہزار روپے سال۔ اس میں سے خاص میری ذات کا حصہ ساڑھے سات سو روپے سال، میں نے سرکار انگریزی میں یہ طعن ظاہر کیا۔ کوئی بزدل صاحب بہادر ریڈنٹ دہلی اور اسٹرنگٹ جیسا بہادر کمرلپ جو ریڈنٹ تھے میرا حق دلائے۔ ریڈنٹ معزول ہوئے، سکریٹر جو ریڈنٹ ناگاہ مر گئے۔ بعد ایک زمانے کے بادشاہ دہلی نے پچاس روپے ماہانہ معقولہ کیا۔ ان کے دلی حب نے چار سو روپے سال دیئے، دلی بعد اس فقر کے دو برس بعد مر گئے، فوج علی شاہ کی سرکار سے جملہ مدد گسٹری پانچ سو روپے سال معقولہ ہوئے۔ دو بجو دو برس سے زیادہ نہ رہے، یعنی اگر پانچ لکھ جیتے ہیں مگر سلطنت جاتی رہی اور شاہی سلطنت دو ہی برس میں ہوئی۔ دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی سات برس تک کو روٹی دیکر بگڑی، ایسے طالع مرقی کش دو کس سو کھان پیدا ہوئے ہیں، اب جو میں والی دکن کی طرف رجم رکوں یا روہے کر مشو مسل یا تو مر جائے یا معزول ہو جائے گا، اگر یہ دونوں امر واقع نہ ہوئے تو کوشش اس کی ضائع ہو جائیگی

ابو دالی نے خبر سنی تو کچھ نہ دے سکا۔ اور اسی دن اس نے یہ سہو کر کیا تو ریاہت خاک میں مل جائے گی اور اس کا کس میں گندھے کے پل پھر جائیں گے۔ اس کے خلیفہ خندہ ہو رہا۔ یہ سب باتیں تو علی اور زانیہ ہیں۔

ایک اور نقطہ میں پوسٹ مرزا کو پناہ حاصل لکھا ہے۔ اس سے بھی اس زمانے کی عام معاشی و اقتصادی پر روشنی ملتی ہے۔

سمیعی ہوں! خدا تیرا نگہبان ————— جانتے ہو کہ علی کا بندہ ہوں۔
 اس کی قسم کہ میری جھوٹی نہیں کھانا۔ اس وقت لو کہ اس ایک روپیہ سات آٹے
 پائی ہیں۔ اس کے بعد کہیں سے ترغی کی امید ہے اور نہ کوئی چیز بچتا رہیج کے
 قابل ہے۔ اگر امام پر سے کچھ آتا تو خیر نہ آتا اللہ ورنہ انبیاء و ارجعونؑ

غالب کے بیشتر خطوط کا یہ انداز ہے ————— دُعا برہن میں انہوں نے اپنا مذہب اور ایمان بیان کیا ہے لیکن ان میں غلطیوں کے نشے کا ذکر بھی ہے۔ خدا ہاں وقت کے معزل ہوئے ایمان بھی ہے۔ جاگیروں کے غم ہوئے کی تفصیل بھی ہے۔ ————— ان صوبہ قانون کو پیش کر کے غالب نے حقیقت اس زمانے کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اس تمام فزونی اور انتشار کو پیش کیا ہے جس کے محرک یہ حالات تھے۔ ————— یہ خطوط صرف غالب ہی کا نہیں اس پر سے دوسرا مرثیہ ہے۔ کیونکہ اس وقت صرف غالب ہی ان حالات کے دوچار نہیں تھے۔ ————— ساری زندگی ایسی حال تھا۔ ————— غالب کے سر سے یہاں جو سوجھ بوجھ غم گذشتہ ہوئی ہے وہی کے زمانے میں ہر انسان کے سر سے گزر رہی تھی۔ ————— غرض خطوط میں گہرے سماجی شعور کے ساتھ وہ آفاقیت بھی نظر آتی ہے جس کو ایک انسانی ذریعہ نظریاتی پیدا کر سکتا ہے۔ ————— غالب انسانی زندگی کے بہت بڑے مباحث اور اس کے مختلف پہلوؤں کے بڑے مزاج میں تھے۔ ————— ان کے پاس ایک ذہن تھا۔ ————— وہ محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ سوجھ بوجھ کر سکتے تھے۔ ————— اسی لئے ان خطوط میں ایک ذہن بھی تھا ہے۔ ————— غالب کی بڑائی اس میں ہے کہ انہوں نے اس ذہنی اور فکری پہلو کو اس انداز جذبے کے ساتھ کچھ اس طرح ہم آہنگ کیا ہے کہ ان میں اپنی موضوع کی شان پیدا ہو گئی ہے۔

یہ خطوط جاسباتی اور دنیا کا عقیدہ کے بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ — ان میں نہ صرف خطوط نو مسیحی کے بھی بلکہ ایک نیا اور اچھوتا انسان ملتا ہے، بلکہ ادنیٰ بشر کی بھی ان میں ایک نئی صورت شکل نظر آتی ہے۔ — یہ خطوط سید سے سید کے درمیان کھینچے گئے ہیں اسی لئے ان میں ایک اچھوتا ہی نظر آتا ہے۔ غالب کے مدئے میں غازی خطوط نو مسیحی کی روایت تھی اور اس میں مختلف اور قریبی تہذیبی غالب تھا۔ — وہ سید سے کھینچے امور کے تحت کھینچے جاتے تھے۔ ان کے انقلاب اور ادب تک میں کھینچے جاتے تھے۔ خط کھینچنے والے کے لئے ان کا توڑنا یا ان حد تک کے باہر نکالنا مشکل تھا۔ — عبارت لڑائی کو اس روایت میں منسب کیا جاتا تھا۔ — مناسبتی کو گلاسرا کو زبور نہیں کرتے تھے جو ایک عام طور پر تھا کہ اس سے من کو چار چاند لگا جاتے ہیں۔ — غالب نے اس روایت

کے بغیر اور سب سے پہلے سیدھے سادے انداز میں خطوط لکھنے کی داغ بیل ڈالیں۔ ————— انقاب آور و سب کے
انہوں نے خیر فرمایا۔ ————— عبارت آسانی ختم کر دی۔ ————— اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے خطوط میں تسلی کا
محسوس نہ ہو گیا۔ ————— یہ منہ بولنے سے ہوتی ہے اور اس قدر کہ اس میں گل بوٹ نہیں ہے۔ ————— لیکن اس
سادگی کے خیال نے غالب کے احساس و فکر میں آواز کی کا احساس پیدا کیا ہے۔ اور ان کے تخیل کو چلائیاں دکھانے
کے مواقع فراہم کئے ہیں۔ اسی لئے ان خطوط میں ایسی گل کاریاں نظر آتی ہیں جن کا احساس اور تخیل کے موافق نے
بنایا ہے۔ ————— ان میں بڑی کشش اور شادابی ہے۔ ————— یہ زندگی کے بھرپور چہرہ سامان میں بڑی ہی رنگینی اور
طنائی کا احساس ہوتا ہے۔ ————— ان میں جگہ جگہ ٹھنڈی ٹھنڈی ٹھنڈی ہے۔ لیکن یہ ٹھنڈائی خاصا صرف مکالمہ
نکھڑی ہی کے ہاتھوں پیدا نہیں ہوتی۔ ————— غالب کا مستثنیٰ مزاج اس پہلو کو ان خطوط میں پیدا کرتا ہے۔ —
یہ مکالمہ بھی بے ثبات خود ان خطوط کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ اور اس پہلو نے انہیں زندگی کے مزاج
تربیب کیا ہے۔ اور ان میں حلائی کی بھرپور شائی ہے۔ ————— غالب نے ان خطوط میں آسان اور سادہ اپنی شہر
لکھنے کا ایک اہم اور قابل قدر تجربہ کیا ہے۔ ————— اس ضمن میں سادگی اور صفائی ہے۔ ————— سادگی اور بہادری
ہے۔ ————— اس میں بھرپور شہر کی کشش اور شادابی کا احساس ہوتا ہے۔ ————— اس میں سادگی کا محسوس
ہے اور محسوس کی سادگی بھی۔ ————— لیکن اس کے باوجود یہ رنگین اور بھرپور نظر آتی ہے۔ ————— یہ کشش اور کاوش
کی پیداوار نہیں ہے۔ ————— اسی لئے اس میں کاریگری کا پہلو نمایاں نہیں ہوتا۔ ————— اس کی تشکیل تو خیال
اور موضوع کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ ————— اسی لئے اس میں نظرت کا محسوس نظر آتا ہے۔ ————— اور محسوس کی نظرت
بھی۔ —————

غالب کا ایک عظیم ادبی شخصیت کے مالک تھے۔ ————— یہ خطوط ان کی اسی ادبی شخصیت کا اظہار ہیں اور ان میں
اس شخصیت کے خود خال اپنی تمام جہتوں و سلاخیوں کے ساتھ بے نقاب نظر آتے ہیں۔ ————— یہی وجہ ہے کہ غالب
کی شاعری کی طرح ان کی ادبی اہمیت بھی اپنی نگاہ مستقیم ہے۔ اور غالب کو ایک عظیم ادبی شخصیت بنانے میں ان کا
بھی بڑا حصہ ہے :

”مثنوی سیر کر اچھی“ کے مصنف اور صاحب طرز شاعر
شب نغمہ رومی
کی قوی اور رزمیہ شاعری کا حسین مرتع

داغ مہتاب

اہتمام کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ ————— قیمت: دو روپیہ پچاس پیسے
(پیشی کا پلاٹہ نمونہ کمالین) ————— بچہ کار چریش۔ آرام داغ روڈ کراچی

اقربا احمد عباسی

غالبِ فطون کے اپنے میں

غالب کے مضمون یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ غالب کی قدر و منزلت اُن کے دور ہی میں پہلے ہی سمجھ لی گئی تھی نہ ہوئی۔ ممدوح، سادج نگار اور نقاد و برج غالب قیاسم آٹھا ہے اس خیال کی تائید میں دو چار دفعہ دہرایا اپنا فرض منصبی ادا کرتا ہے۔

یہاں میں اس بارے میں اختلاف کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ غالب کو ان کے دور میں کافی ہر دو لغوی معانی تھے۔ ان کا قدر و منزلت اگر کسی پر یہ کہیں کہیں پہلے ہی سمجھ لی گئی تھی تو یہ ضرور کہیں گا کہ ان کے تشکیلی انداز و ماحول کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ انہیں ہوتی کیونٹی شخص نے انہیں دیکھیں دیکھتے اور غرض عینت پیش کر دیتی تھی کہ کام نہیں کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ غالب ہمیشہ اپنی اقدار کا انکار اور شکوہ کرتے رہے جس کا ماحول ان کے اشعار میں ملتا ہے۔

تھی وطن میں مشاں کیا جو جو سے عزت میں قدر

بے نطف ہوں وہ مشہور جس کو گھن میں نہیں

شاعر اور تنقید سے قطع نظر اگر اس کو حقیقت میں فرض کرنا چاہتے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غالب اپنی انا کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ ادنیٰ و ادنیٰ کے سبب دہان کی کچھن کی رکھنا نہ تربیت کا نتیجہ تھا۔ اس قدر و منزلت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے۔ لیکن اس تاریخی حقیقت سے کہ کوئی شخص ان کا شیوہ کر سکا کر رہا و مرثیہ و مثنوی کی فکر نہ کر سکا اور غالب پر سب سے اعلیٰ خان ادیب اعلیٰ خان نے جب تک ہر سکا مخالفت جاری رکھی اور برقیہ و برقیہ خلعت و انوارات سے غنا و کرم طریقہ ان کی معاشرت اور قدر کرتے رہے۔ تو وہی کو صورت خالق کا ہند بنا لیا اور غالب کو جسم اولیٰ و برہنہ ملک اور نظام جنگ کے خلاف اس سے نفرت کیا۔

قدر و منزلت کا ایک قوی تصور ہو سکتا تھا۔ دوسرے باب میں بھی ان کی کچھ کم قدر و منزلت نہیں ہوئی۔ سوائے انہیں ہی غریب اور ادنیٰ اور مطلق صدیقی آندہ و انخاب کی ہمیشہ بہت افزائی کرتے رہے۔ راجہ شہید جیسے سبب فہم و بصیرت کے اور صاحب نظر ہمیشہ ان کے کام کی عزت افزائی اور اس پر تصدیق کی ہر وقت کرتے رہے۔ انفرادی و اجتماعی کے علاوہ غالب کی شہرت کا نتیجہ غیبت غالب کے خطوط میں۔ اس قدر کہ یہیں ملے۔ اباب اور اس پر تصدیق جو شاعر کی کسی دوسرے شاعر اور ادیب کو نصیب نہ ہوئے۔ اس پر یہ کہنا کہ غالب کی نہایت قدر۔ نہ کی۔ غلط نہیں ہے بلکہ سبب معلوم ہوتا ہے۔

جہاں غالب نے اپنے اشعار اور خطوط میں اپنے دل کے ناقدر و مستنایاں کا انکار کیا ہے وہاں قدر و منزلت میں اور شہرت کا اعتراف بھی کیا ہے جس

انہیں دلوں میں آفتاب کے جلوے ہیں اور وہ جیسے بڑے صدف یا دان کو لگتے ہیں۔

• تمام ان کے چہرے میں وہی خوشی نہیں دیکھیں کی غنہ نہ کرو۔ اگر تمہاری اس میں خوشی ہے تو صاحب

جستہ ذہن چھوڑ کر اختیار ہے یہ امر میرے غفلت دلتے ہے ؟

ان اختیارات کے بڑی کثرت سے یہاں انعامی اشارہ مقصود ہے کہ آفتاب کا وہ لانا مرہم عرصہ دیکھ ہم تو بھی کا شکار تسلیم اور جس کو مرث
محفل ذاتی پر کچھ کہو غرض غلام کیا ہوا رہا اور وہ اس چہرے اس قدر مقبول تھا کہ باوجود وقاضی مکتوب نگار کی مخالفت کے لوگ اس کی افادت پر زور
دیتے رہے اور فرما دیا کہ اس کی منہ کی ہر ہر کوئی۔ غرض کہ اس قدر جلدی افادت کا اگر کہ ان کی مقبولیت پر ہرگز کسی اور کی کسی ذہنی غلام اور کیا تھی۔

بیس ہزار سال سے فرشتے ہیں کہ آفتاب کی غرض نگار کا اگر کہ ان کا سنت اور ہر اندہ سری ہوا فارسی کے ان خطاطوں کے ساتھ ہر وہ کی بڑھتی
ہوئی مقبولیت اور اس کی کشش۔ بہر حال سب کی ہر وہ کی کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہے اور وہ دوسری تہر کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہیں یعنی تقریباً
پانچ ہزار سال کی عمر کے بعد آفتاب نے اس دور میں غرض نگار کی ہر وہ کی کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہے اور وہ دوسری تہر کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہیں یعنی تقریباً
بیس ہزار سال سے فرشتے ہیں کہ آفتاب کی غرض نگار کا اگر کہ ان کا سنت اور ہر اندہ سری ہوا فارسی کے ان خطاطوں کے ساتھ ہر وہ کی بڑھتی
ہوئی مقبولیت اور اس کی کشش۔ بہر حال سب کی ہر وہ کی کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہے اور وہ دوسری تہر کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہیں یعنی تقریباً
پانچ ہزار سال کی عمر کے بعد آفتاب نے اس دور میں غرض نگار کی ہر وہ کی کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہے اور وہ دوسری تہر کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہیں یعنی تقریباً

بیس ہزار سال سے فرشتے ہیں کہ آفتاب کی غرض نگار کا اگر کہ ان کا سنت اور ہر اندہ سری ہوا فارسی کے ان خطاطوں کے ساتھ ہر وہ کی بڑھتی
ہوئی مقبولیت اور اس کی کشش۔ بہر حال سب کی ہر وہ کی کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہے اور وہ دوسری تہر کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہیں یعنی تقریباً
پانچ ہزار سال کی عمر کے بعد آفتاب نے اس دور میں غرض نگار کی ہر وہ کی کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہے اور وہ دوسری تہر کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہیں یعنی تقریباً

بیس ہزار سال سے فرشتے ہیں کہ آفتاب کی غرض نگار کا اگر کہ ان کا سنت اور ہر اندہ سری ہوا فارسی کے ان خطاطوں کے ساتھ ہر وہ کی بڑھتی
ہوئی مقبولیت اور اس کی کشش۔ بہر حال سب کی ہر وہ کی کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہے اور وہ دوسری تہر کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہیں یعنی تقریباً
پانچ ہزار سال کی عمر کے بعد آفتاب نے اس دور میں غرض نگار کی ہر وہ کی کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہے اور وہ دوسری تہر کی تحقیق کے مطابق غفلت دلتے ہیں یعنی تقریباً

کا جو رنگہ جاسکے ہیں۔ خصوصاً میں قندغائب کی شخصیت نمایاں اور مدلل طرح ہوتی ہے اس قندان جی، دلچسپی امتیاز شہزاد حسن کا ہے۔ خصوصاً غائب کی شخصیت کا زیادہ سے زیادہ انکار اس کا اعلیٰ ترین وصف ہے۔

بقول حضرت احمد رضاؒ، غائب ہے مغیہ و دس کے قرائن سے یہی اور غائب کے خطوط موت، غائب کی زندگی کی فائزندگی کرتی ہے بلکہ اس کی طبیعت کے پختہ دماغ میں، یہ اور قائلہ و امور ہے کہ غائب کے کسی منصف سے بھی یہ دعوت گمراہی کی کرات کے خطوط کی اس طرح بھی قریب کہوت جس سے غائب کی مرید و ذریعہ اور ابتداء انتہا پیش کی جا سکتی، حالانکہ خطوط کے ایسے نمونے تو شائع ہو چکے ہیں جن میں تاریخ اور صحت کا لحاظ رکھا گیا ہے، میرا کلام رسول تہذیب کیا یا مراد محض کسی نے موت، اولیٰ خطوط کو کہہ دیا تھا کہ مراد۔

فرد تو غلط تھا غالب پر ایک سرسری نظر ممکن غالب کی انھوں نے کے سامنے کھڑا کر دیتی ہے جہاں اس کی زندگی کا کوئی نقصان نہ تھا، پہلوؤں سے پریشان نہیں رہتا، بلکہ وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس پر انھوں نے غور کیا تھا اور ان کا نظروں میں خود کو دیکھ دیا تھا، افراسیاب اور ایزد گاہ کی عمر کوئی نہ ہو، اعلیٰ نسب کا اہلکار کیا، ان کی کچھن کی زندگی کی نہایت پیش قدمی و کام سے گندہ کے حالات نہایت اعلیٰ ان کی بخش تھے۔ دوسرے صبر والا بھی تھا، یہ اتنا جلدی سامنا کچھ کی جگہ تھی اور یہ صبر تو یہ ہے، مرنے کے مزاج کا جو ہے تھے، لیکن دلوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ حالت بدلتے گئے، اور مرنے کی چلیک تبدیلی، افسانہ بن گیا۔ اس کے بعد انھوں نے ۱۵۰۰ قریب مرنے کی کوئی وقت اعلیٰ ان کی نصیب نہیں ہوا۔

تکینہ منسلک ان پریشانیوں اور مصیبتوں کو ہمیشہ جیوں کر گناہ اور اس کو ذریعہ کار ایک جزوِ مجرب کر لیا جاتا آیا۔ غنائی کی طرحت غائب کے یہاں غم کی تلخ خوش اور دان کی پوری کا شہیتہ دسوا بیچ رہے۔

اسی دورِ دہم نے غائب کی خواہش کے سچے ہمنشین بنائے۔ مولانا سائیک نے غائب کو جسے ان نثرین کہلے۔ لیکن غائب کی خواہش ایک بے شکستہ اور قائم الی انسان کی خواہش نہیں بلکہ ایک گہری بعیرت رکھنے والے انسان کی خواہش ہے۔ غائب نے جن کے زیرِ نفوذ و کجی غریب کا کام لیا اور وہ کسی کا حقائق انشاء۔ غائب کے طنز و اگر کبھی نہ ہو کہ اس کا انشاء اور وہ غائب ہی۔ غائب کو غائب نے ہر وقت پیدا کیے اور وہ زندگی کے ہر دور میں کہ جس کے گزرنے کا وسیلہ بنایا۔ غائب کو جہاں ناقص غم ہے نہ خاص خواہش اور نہ ہیروانی کا انشاء۔ غائب کے انشاء میں اس طرح کا حوصلہ فرماتے۔

آپ اپنا تمام شان ہی گما ہوں۔ دیکھ وقت سے غور کرتا ہوں یعنی میں نے اپنے گناہ پناہ پر تفت کیا ہے جو کہ مجھے پہنچنے لگے کہتا ہوں کو خائب کے ایک اور معنی لگ بہت اچھا تھا کہ میری شاعرانہ وضاحت لگا ہوں۔ کچھ دیر دیکھ گیا میرا عجب نہیں ہے۔ کے اب تو قرین داروں کو جواب دے۔ بچہ کر لیتا ہے کو خائب کیا مرادیں کا فرما۔ ہم اتنا اظہیم جیسا یادداشت ہوں کہ مرے کے بعد جنت کام گاہ و فرشتے لکھیں خطاب دیتے ہیں چنگیز اپنے آپ کو شہنشاہ و قلمرو سخن ہاں تھا "مستقیم" اور "ناویس" اور خطاب آخری گز کہاتے۔

[illegible]

کی کہنے کو مستعد ہے۔ تو درگاہان کو کئی قسم کا مصلحت پسند ساز اور کھینچا جانے لگا کر کھینچنے لگے۔ اس طرح ان کو کہنے سے سزا دی جو تو غلطیوں کو
 وہ بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ جس نے اپنے ہی ذہنی اختراع سے اپنے آپ کو کھینچ لیا اور ایک اچھا خاندان دار و ستاد بن گیا۔ لیکن مرثیہ کی ہیئت کی عادت کی
 وہ وہاں سے مرثیہ پرست نہ رہا۔ پہلی شے جس کی قسم کی تیرہویں قریب سے مرثیہ کی۔ حالانکہ مرثیہ کی ساری دنیا کی تھی، تھی اور ایک قسم کا شعر و سخن کی عادت اور عادت
 کا تجربہ ہی کہہ کر یا بولنا کہ یہ۔ مثنوی پر کیا کہنے کا ایک خاص اظہار تھا اور عقل کے متعلق ان کا اظہار بھی اظہار دہانے کی بات ہے۔

”سفر مہمان میرے ہم وطن چند لوگ جہاں وہاں فارسی دانی ہے وہم راستہ ہے وہاں خیاں کر فیل دیکر
 خدا پرستی نہ کہتے تھے، جیسا کہ وہ گناہ اس آقا محمد علی صاحب با سحری اللہ راؤ کو خدا کہتا ہے اور ہاتھ پر ہاتھ تھیک
 حضورت کہ شہادت کہہ دے شکر کہ اللہ وہ عالم اور ہم ہوا کہ خدا کہتا ہے کیا میں دیکھوں دیکھوں ہوا کہ ایک دہانہ
 کو خدا کہہ رہا؟“

کاشی علیہ الخیر کے غرضیں مروجی غیاث تھیں۔ راسخواری کی نسبت اس طرح کہنے لگا کہتے ہیں :-
 ”غیاث اللہ صاحب ہیں ایک آگے کہتے تھے۔ ناسخ یا ماضی میں کیا خدا اور مستند علیہ الخیر کا حکام ہوا۔
 اس کا لفظ فقہ میں کیا فرمایا ہوا؟“

حالانکہ غیاث اللہ صاحب کے مثنوی اس قسم کی کہنے کے نتیجے میں خوب کھینچا تھی غاں والی دہانہ پر مرثیہ نامادنیوں سے لگے۔ گو انھوں نے وہی غرض
 بند نہیں کیا لیکن دل میں کوہ ورت پیدا ہونے کے سبب سے ان کو غرضی تھیں کہ اس ناکہ میں جو غائب پر مثنوی علی غاں کے بعد سے وہ راستہ ماہود
 دیا ہے۔ اور یہ ہے کہ غرضی غرضی تھیں۔

ان کو گویا پر غرضی تھیں کہ اس سے بڑھ کر غرضی غرضی تھیں۔ یہ اپنے خیاں کو نہ دے کہ خدا پرستی کا دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کو کھینچ کر تھیں کہنے
 غلبے کا غلبہ ہے۔ مثنوی کہتے تھے۔ ”خدا پرستی کے غرضی تھیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں۔“ اور ”غلبہ پرستی“ کا تفسیر
 دیا ہے کہ دیا۔

اس کا بڑے مطلب نہیں کہ مرثیہ کی علم و دانش کی قسم نہیں کہتے تھے یا اپنے آپ کو کہتے تھے کہ مثنوی مرثیہ کی بدافعالی اور غاں والی غاں وغیرہ کی قسم
 وہ ایک مہذب مہذب تھیں کہتے تھے اور کلام کا حرام ہے۔ ”دوہ کی غماز کے مہذب کی کہتے تھیں۔ لیکن مرثیہ کے مہذب تھیں۔“ ... میری کہہ چکے تھے۔
 وہاں عاقبت علی بیگ تھیں کہ اس کے ساتھ علی بیگ تھیں۔ ”مرثیہ کا دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں۔“ اور ”غلبہ پرستی“ کا تفسیر
 دیا ہے کہ دیا۔

”آقا محمد علی صاحب تھے میرے دوست عارف اور عارف تھے مرثیہ کی قسم تھے۔
 قصیدہ اور مثنوی سے ان کی کچھ حلقہ دور تھیں لیکن قصیدہ میں وہ مرثیہ کا دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں۔“
 مثنوی کے ہی مثنوی تھے۔ ”دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں، لیکن مرثیہ کا دیکھتے ہیں۔“ اور ”غلبہ پرستی“ کا تفسیر
 دیا ہے کہ دیا۔

آقا کا مثنوی کہتے تھے کہ ”آقا کا قصیدہ، مثنوی کے احوال کے احوال ہے۔ اس کے عارف و مثنوی کی ہمت اور غاں والی غاں
 ہیں، اس لیے ہے۔“

دینی اور مثنوی علم و دانش کے بڑے بڑے مہذب تھیں اور آقا کا قصیدہ، مثنوی کے احوال کے احوال ہے۔ اس کے عارف و مثنوی کی ہمت اور غاں والی غاں
 تھیں، اس لیے ہے۔

رنجیہ رشکِ فارسی

(انتخابِ کلامِ اردو)

دیوان مروت

کاغذی ہے پیرہن ہر سپر کے قصور کا
موتا عنقا ہے اپنے عالمِ نقشر کا
موسے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا
کشائش کو ہمارا عقدہ مشکین پسند آیا
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سودھا
میں 'ورد' ہر لہس میں تنگ و چوڑھا
سرگشتہ خمارِ رسوم و مستی و سحر
دلوں کی دعا پائی درد سے دوا پایا
جو تری، نرم سے نکلا سو پریشاں نکلا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
عرجہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل بلڑھا
جیسے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
چمن زنگار ہے آئینہ باجِ مہارمی کا
آوی کو بھی صیر نہیں انساں ہونا
ہائے اس زُعدِ پیشیاں کا پیشیاں ہونا
یعنی یہ پہلے ہی نذر استخوان ہو جائے گا
دل جگر تشد فریاد آیا
کیوں تڑا را ہنڈ ریا و آہ آیا
دشت کو درجے کے گھر لایا
میں معتقہ بدقتہ مشربہ ہوا تھا
میں ترے خیال سے عاقل نہیں! لا
لڑا جو تھے آئینہ نشانِ دارما
دیکھ تو کم ہوئے پہ 'غم' روزِ گلستا

نقش فریادی ہے کس کی شوخی کھڑیر کا
آہی دامِ مشنیدن میں قدر تپا ہے بچنے
بسک ہوں غالب اسیری میں بھی آتشِ نیرپا
بلیغ ہے دلی نو میری باوید گساں ہے
سخت خواب میں خیال کو کچھ سے معاملہ
ڈھانچا کفن نے دماغِ عیوب پر ہنسی
چیخے بغیر مر نہ سکا کو بہن اسد
عشق سے طبیعت نے زسیت کا مڑا پا پا
ہوئے گلے تارے دل دو دیراغِ مغل
دہریں نقشبِ وفا وہ تسلی نہ ہوا
نہ بندے تشنہ شوق کے مٹوں غالب
لہم سراق میں تکلیف سیراغ نہ دو
آئینہ دیکھ اپنا سامنہ سے کے رہ گئے
لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
بسک دھوا رہے ہر کام کا آساں ہونا
کی مرے قتل کے بعد کس نے جنا سے تو یہ
دل کو ہم صرفہ و فاجے تھے کیا معلوم تھا
پھر مجھے دیدہ تریا و آہ آیا
زندگی یوں بھی گدہ میں جاتی
کوئی جیلانی سی ویرانی ہے
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدیر کا عالم
گو میں رہا رہیں ستم ہائے روزگار
اب میں ہوں اور ماتم یک شہرِ آزد
کم جانتے تھے ہم بھی مستم عشق کو ہر باب

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نہ روتا
یہ لاش بے گفن استبداد تہ جاں کی ہے
محرم نہیں ہے تو ہی نوا دے راز کا
دوست غم خواری میں میری سی فرمائیں گے کیا؟
بے نیازی حد سے گندی جدو پر دیکھ تلک
عنسرت قطرو سے دیر میں فنا ہو جاتا
بخنٹے ہے جلوہ گل فوق تماث غالب
مری تمیر میں مضر سے اک صودت خرابی کی
تغریں بہم ہماری جاوے ماہ فنا غالب
جوس کہے نضاط کار کیا کیا !
جائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
تم سے بچا ہے بے اپنی تمباہی کا گلہ
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے گھے پر ناتی
ڈکرا اس پری و دش کا اور پھر یاں اپنا
درد دل کھوں کہ تک ہاؤں میں کو رکھلاؤں
ہم کہاں کے داتا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
ترسے وعدے پر بچے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست نامع؟
یہ مسائل تصوف یہ تزیان غالب؟
تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ تھا تو خدا ہوتا
سات دن گردش میں ہیں سات آسمان
پر چھپے ہیں وہ کہ "غالب" کون ہے؟
درد منت کش روا نہ ہوا

عشق نیرو پریشہ طلب گار مرد تھا
حق معفرت کرے جب آزاد مرد تھا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پرودہ ہے ساز کا
زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا؟
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا
درد کا حد سے گند نہ ہے روا ہو جانا
چشم کو نہ جابینے ہر رنگ میں وہم و گم
سیوئی برق غریب کا ہے خون گرم و مقل کا
کہ یہ فیضان ہے عالم کے اجزا سپہ رخ کا
نہ ہو مرنا تو بیچنے کا مزا کیا؟
عبارت کیا، اشارت کیا، اور کیا
آپ آئے تھے، مگر کوئی غاں گیر بھی تھا
اس میں کچھ شائبہ غوثی تقدیر بھی تھا
آدی کوئی ہمارا دم تحویر بھی تھا
بن گیا رقیب آخر تھا جو راز و اں اپنا
انگلیاں دنگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا
ہے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر قلب رہتا
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی فنگار رہتا
تجھے ہم دلی بھگتے جو نہ باوہ نواز ہوتا
ڈرو یا مجھ کو ہونے نہ ہونے تو کیا ہوتا
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹ کیا؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلا دیں کیا؟
میں نہ اچھا ہوا، ہمارا نہ ہوا

ہے خبر گرم ان کے آہنی
جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
بندگی میں ہی وہ آزادہ و خود میں ہیں کہ ہم
نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
حسن غریب کی کشاکش سے چٹا میرے بعد
شع بختی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
کون ہوتا ہے حریت سے مرد انگلی عشق؟
آئے ہے یکسی عشق پہ رونا نالہ
وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
گرتی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
ہر چند ہو مشاہدہ حق کی لنگھو
یارب نہ وہ کھیں ہیں نہ کھیں گے مری بات
ہیں اور دنیا میں سخنور بہت اپنے
حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز
نہ گل نغمہ ہوں نہ ہر وہ ساز
تو اور آراش غم کا کل
آہ کو چاہئے اک عمر آخر ہونے تک
دام ہر موت میں ہے حلقہ صد کام ہنگ
ماشتی صبر طلب اور تمنا بیتاب
ہم نے مانا کہ فنا فل نہ گونگے جیک
غم ہستی کا سہ کس سے ہو جو مرگ ملاح؟
گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ
غم نہیں جتا ہے آزادوں کو پیش ازیک نفس
مجھ کو دیار غیر میں مارا، وطن سے دور

آج ہی گھر میں لہریاں نہ ہوا
حق تو ہے ہے کہ حق ادا نہ ہوا
اٹے پھر آئے در کعبہ اگر واندہوا
اگر شراب نہیں انتظار سا غریب
پارنے آرام سے ہیں اہل جہاں میرے بعد
شط عشق سیب پوشش ہو میرے بعد
ہے مکر لب ساقی میں صلا میرے بعد
کس کے گھر جا بیگا بیاباں میرے بعد؟
ہم کو حسرتیں لذت آزاد دیکھ کر
دیتے ہیں بارہ ظلمت قدح خوار دیکھ کر
بقی نہیں ہے بادۂ وساغریکے بغیر
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو نہ ہوا
کہتے ہیں کہ "غالب کہے انداز بیان اور
دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر و داؤد
میں ہوں اپنی شکست کی آواز
میں دعا نہ دے ہائے قد و دان
کون بیجا ہے تری زلف کے سر جو تک
دیکھیں کیا گندے ہے قطرے پہ گہو جو تک
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک؟
خاک ہو جوش گے ہم تم کو خبر ہونے تک
شع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہو نہ تک
یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ
برق سے کرتے ہیں بد و حق ضعیف ماتم خاندہم
رکھ لی میرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

وہ نہ ہم پیر میں گئے رکھ کے نہ سستی ایک دن
 بے صدا ہو جائے گا یہ ساز سستی ایک دن
 تماشا نے اہل کرم دیکھتے ہیں
 ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
 لوگ تارے کو رسا باندھتے ہیں
 وگرنہ ہم تو قوتِ زیادہ رکھتے ہیں
 ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زخمیں نہیں
 اب وہ رشتائی خیال کہاں ؟
 وہ عناصر میں اتر چکا کہاں ؟

صحرائیں اسے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تومر بھی نہیں
 کھسکا کہ فائدہ عرض ہنریں خاک نہیں
 بے اتفاقا نہ بھا، شکوہ سپید نہیں
 دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر و نہیں
 میں گلیں دشت نہیں ہوں کہ پھر آج بھی نہ سکوں
 کبھی ہم ان کو کبھی اپنے کھسک دیکھتے ہیں
 یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں ؟
 ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
 جو سے و نغمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں
 قبیلہ کو اہل نظر قبیلا نہ کہتے ہیں
 ہے مار دل ففس اگر آذر نشاں نہیں
 میں چاہتا ہوں جو وہ کھلیں گے جواب میں
 ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہوشِ شراب میں
 نے ہاتھ باگ بہتے دیا ہے رکاب میں

ہم سے کھل جاؤ بوقت سے پرستی ایک دن
 غمہ ہائے غم کو بھی اسے دل غنیمت چاہئے
 بنا کر فقیروں کا ہم ہمیں غالب
 تیرے قوس کو صبا باندھتے ہیں
 غلطی ہائے مضامین مت پوچھو
 زمانہ سخت کم آزار ہے بکاں اسد
 مانع دشت نور دی کوئی تدریس نہیں
 تھی وہ اک شخص کے تصور سے
 مضمون جو گئے تو غالب
 شوریدگی کے ہاتھ سے ہے ہر دیل دوش
 اس سانگی پہ کون نہ مہر جانے اسے خدا
 ہمارے شعر میں اب صرف دل لگی کے آئندہ
 نادر جز حسن طلب اسے ستم دیا نہیں
 کم نہیں وہ بھی خسروانی میں بہ دشت معلوم
 مہر یاں ہو کے بلا لو مجھے چاہوں دشت
 وہ آئیں گھر میں ہمارے خدائی خدا ہے
 نظر رکھنے نہ کہیں اس کے دست دہان کو
 کدوا ہم سے تو خیر اس کو بھلا کہتے ہیں
 اچھے دھنوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
 ہے چہ سے صبر خدا داک سے اپنا سجد
 ہے نگ میں بدل اگر آتش کد نہ ہو
 قاصد کے آتے آتے خط ایک اور گد گدوں
 بھوک کب ان کی بزم میں آتا تھا صد جام
 نہ میں بہتے رخصت عمر کہاں دیکھئے تھے

اصل لہو و دشت ہندو و مہو و ایک ہے
 حیران ہوں دل کو رد فعل کی باتوں جب گزریں
 نوہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ہے ننگ و نام ہے
 چلتا ہوں تھوڑی دیر ہرگز تیز رو کے ساتھ
 یارب زمانہ نگر کو مٹاتا ہے کس نے
 سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
 نیست اس کی ہے داغ اس کا بے شرمی انکی ہیں
 ہم موحہ ہیں ہمارا گیش ہے ترک و موم
 رنگ سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
 قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
 ہے آدمی پرانے خود اک محشر خیالی
 نہ لٹاؤں کو کو تک رات کو یوں بے خبر سوتا ہوا
 کسی کو دے کے دل کوئی نوا نغمہ نہیں ہوا
 وہ اپنی خود چھوڑ دی گے ہم اپنی دھن کوں چھوڑ دیں
 یہ فتنہ آدمی کی خاندان ویرانی کو کب اکم ہے
 ہے سبزہ زار ہر دور و دیوار غم کد کا
 پہاڑ بے کسی کی بھی حسرت تھلنے
 خیال مرگ کب تسکین دل آزدہ کو بخشے ؟
 اس شمع کی طرست سے جس کو کوئی بھلا سے
 سرگشتگی میں عالم ہستی سے پاس ہے
 ہستی کے مت قریب میں آجائے امداد
 دھو شے ہے اس منقہ آتش نفس کوئی
 کھٹکا کسی چہ کیوں میرے دل کا آفت ملے ؟

حیران ہوں پھر شاہد ہے کس حساب میں
 مقدور ہو تو مٹا تو رکھوں نوحہ مگر میں
 یہ جانتا اگر تو مٹا تا نہ گھر کو میں
 مہ پاشا ہمیں ہوں ایسی راہ سب کو میں
 نوحہ جہاں نے حشر کر دیا ہیں ہوں میں
 خاک میں کیا صورتیں ہو گئی کہ نہاں ہو گئیں
 لیکن اب نقش و نگار طاق نمایاں ہو گئیں
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشان ہو گئیں
 حقیقتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایمان ہو گئیں
 مشکلیں چھوڑ چڑی اتنی کہ آسماں پر گئیں
 موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں ؟
 ہم انھیں سمجھتے ہیں غلط ہی کیوں نہ ہو
 رہا کھٹکا نہ چہ ری کا، و عادیات ہوں ہم جن کو
 نہو جب دل ہی بیٹنے میں تو پھر تھوڑی نہاں کیوں ہوا
 سب سرخ کے کیا پوچھا کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
 ہوئے غم و دہشت جس کے دشمن اس کا ملے کھلا ہو
 جس کی ہمارے ہوا پھر اس کی خزانہ نہ پوچھو
 دشواری وہ دہشت ہمراہی نہ پوچھو

مرے دامن تھیں ہے اک جید زبون وہ بھی
 میں بھی، جیسے ہوئی میں ہوں داغ ناتواں
 تسکین کو نوید کہ مرنے کی آس ہے
 عالم تمام حلقہ دام خیال ہے
 جس کی صدا ہو، جلوہ برق فضا ہے
 مشعوڑوں کے تھاپ نے رسوا کیا ہے

طاقت بیدار انتظار میں ہے
 فوجِ غم ہی بھی غمِ شادی نہ سہی
 گردِ ہمیں ہے سببِ شمعِ شادی کی نہ ہی
 اسے عندِ لبِ چل کہ چلے دن بہار کے
 چہرے سائے کی طرح میرِ خجستہں مجھ سے
 ہے چراغِ دلِ خس و خاشاکِ گلن گلن مجھ سے
 کہ بیتابی سے ہر ایک تارِ بسترِ خارِ بستر ہے
 آندو سے ہے شکستِ آرزو و مطلب ہے
 داں تو میرے نالے کہ بھی اعتبارِ نغمہ ہے
 پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی
 ہوں میں وہ سبزو کہ نہ رہا اگا ہے مجھے
 موجِ شہرابِ یک شرہ خواہنگ ہے
 شیشے میں نہیں ہر یک نہاں ہے موجِ بارے
 صبا جو پچھنے کے پردے میں جا چکی ہے
 ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں مجھے؟
 انسون انتظار، تمنا کہیں مجھے۔
 دستِ تہہ رنگِ آمدہ پیرانِ وفا ہے
 یارب! اگر ان گروہ گناہوں کی مزار ہے
 قسریں کچھ تو میرِ ملاقات چاہیے۔
 اک گونہ ہے خودی مجھے دلائل چاہیے
 وہی ہم میں نفس ہے اور ماتمِ بال و پر ہے
 اثرِ فریاد و دہائے حزن کا کس نے دیکھا ہے؟
 ہے نیا زئی، تری عادت ہی سہی
 آگینہ تندی صبا سے پگھلا جائے ہے

آگِ میری جان کو قرار نہیں ہے
 ایک جنگل سے پہنچتے ہیں گھر کی مدنی
 نہرِ شش کی تھانہ چھلے کی پر ورا
 آغوشِ گلِ کشودہ برائے دوا ہے
 بے غودی بسترِ تمیزِ فراغت ہو جو
 گڑا گرم سے اک آگ بجکتی ہے، افسردہ
 کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے، بحرِ پار میں غائب
 بیٹھے مشتاقِ لذت ہائے حسرت کی کہوں
 ہم قضیے مت کہہ کر ہم گنہ گزرم عیشِ دوست
 حسنِ فریبِ شمعِ سفینِ دود ہے اسد
 جو ہر تخیلِ بسرِ چشمہ دیگر معلوم !
 مستی بہ زوقِ غفلتِ ماساقِ جلاک ہے
 غم سے دشتِ کدہ ہے کس کی خیمِ مست کا؟
 فتنہ رنگیِ غلو ت سے بنتی ہے شبنم
 آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں مجھے؟
 بھونکا ہے کس نے گوشِ حیرت میں اسے غدا؟
 مجھوڑی و دعوائے گرفتِ رخی الفت
 ناکر وہ گناہوں کی بھی حسرت کی سیلے وار
 سیکنے ہیں مہِ رخوں کے لہجہ مصوری
 سے سے غرضِ خطا ہے کس رویا کو؟
 حوا کیا اہلِ گل کہتے ہیں کس کو؟ کوئی موسم ہو
 دلتے و لبراز ہے اتفاق، ورنہ اسے مدم
 ہم بھی تسلیم کی خود ڈالیں گے
 ہاتھ و دھو دل سے ہی گری گزرتے ہیں ہے

سایہ میرا، مجھ سے، مثل دو بوجھے ہے اسد
 ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹ کا نہ رہا
 کرے ہے قتل لگاوٹے میں تھرا و دنیا
 پلاوے اوک سے ساقی جرم سے نفرت ہے
 بے خودی ہے سبب نہیں غالب
 بیٹھنے دے مجھے اسے ناامیدی کیا قیامت ہے!
 مدت ہوئی ہے یار کو ہمسایا کے ہوئے
 دل چہرہ طواف کوئے ملامت کو جاتے ہے
 اک تو بہار ناز کو تاکے ہے پھر گناہ
 ہی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
 پنہاں تھا دام سخت قریب اشیان کے
 لکھتے رہے جنوں کی حکایات نوچکاں
 دل و جگر میں ہر افشاں جڑیاں موجوں ہے
 جس زخم کی ہو سکتی ہو تہ پروردگار کی
 اچھا ہے سرانگشت حقانی کا تصور
 فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
 ہاں کھانڈ موت قریب، ہستی
 بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
 کہتا ہے کون ناز، بے سبب کو ہے اثر؟
 پوچھے ہے کیا وجود عدم اہل شوق کا
 ظلمت کہے میں میرے شب کا جوش ہے
 اسے تازہ وار دان بسا طہ بوائے دل
 دیکھو مجھے جو دیدہ و جسرت نگاہ جو
 داغ فراق صحبت شب کی حبلی ہوئی

پاس مجھ آتش کیاں کے اکس سے تھرا جلتے ہے
 جب آرام دیا ہے پردہ بانی نے مجھے
 تری طسرت کوئی تیغ نگہ کو آب تودے
 پیالہ گر نہیں دیتا تو نہ توے شراب تودے
 کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
 کہ دامن خیال یار چھوٹا جلتے ہے مجھ سے
 جوش قدح سے بزم چراغاں کے ہوئے
 چند ار کا ختم کردہ ویران کے ہوئے
 چہرہ فروغ سے سے گلستاں کے ہوئے
 بیٹھے رہیں تصور جاناں کے ہوئے
 اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
 ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
 ہم اپنے نظم میں بگے ہوئے تھے اس کو ولم آگے
 لکھ دیکھو عارپاں اسے قسمت میں عذوبی
 دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند ہمو کی
 نالہ یا بند نے نہیں ہے
 ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

وہ اک گنگہ کہ بظاہر گناہ سے کم ہے
 پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
 آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے
 اک شمع ہے دلیل سحر و نموش ہے
 زہنہار! اگر نہیں ہوس ناؤ نوش ہے
 میری نتوچ گردش نصیحت نیوش ہے
 اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خوش ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
 جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل ہی
 دیکھ کر درپردہ گرم رامن افشانی مجھے
 میرے غم خانے کی تمت جب رقم ہونے لگی
 گھر میں تھا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
 آگ رہے در و دیوار سے سبز و غالب
 دل سے تری نگاہ جب گریک اثر گئی
 وہ بار، ہمت ہانہ کی سرستیاں کہاں
 ہر بواہوس نے حسن پرستی شعار کی
 تنبیہ معنی کا طلسم اس کو بھیجے
 زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
 یہاں تو سیدئی اور باب ہوس ہے
 وہ نندہ ہم میں کہیں روشناس خلق نے حضر
 بقدر شوق نہیں نظرت خلقتائے غزل
 نیاں پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا
 اولے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کہ وخن بعد متسل
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اسے نیکم
 اسے ساکن کو چہ دلدار دیکھنا
 کوئی دن گر زندگانی اور ہے
 بار بار دیکھی میں ان کی رنجشیں
 ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
 کوئی امید بر نہیں آتی
 موت کا ایک دن میں ہے

میں نے یہ جانا کہ گویا بھی میرے دل میں ہے
 قنہ شور قیامت کس کی آب و گل میں ہے
 کر گئی وابستہ تھی میری عریانی مجھے
 لکھ دیا منجملہ اسباب ویرانی مجھے
 وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر ہو ہے
 ہم بیاہاں میں ہیں اور گھر میں بھارا آتی ہے
 دونوں کو ایک اور میں رضامند کر گئی
 اٹھنے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
 اب آہر کے مشیوہ اہل نظر گئی
 جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے
 ہم ہی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
 غالب کو بڑا کہتے ہو، اچھا نہیں کرتے
 نہ تم کہ جو رہے عسجد جاوہاں کے بے
 کچھ اور چاہیے وسعت مرے جاں کے بے
 کہ میرے لعل نے جو سے میری نیاں کے بے
 صلے نام ہے یا رانی کتہ دن کے بے
 میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ہے
 میرا سلام کیوں اگر نامہ بر سٹے
 تم کو کہیں جو غالب آشفہ سسٹے
 اپنے جلد میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 پر کچھ اب کے سرگرمی اور ہے
 ایک مرگ ناگہانی اور ہے
 توئی صورت نظر نہیں آتی
 نیند کیوں ملے بھر نہیں آتی

آگے آئی تھی حالِ دل پہ نہیں
اب کسی بات پر نہیں آتی
جاتا ہوں ثوابِ طاعتِ ذبیحہ
پر طبعیت اور نہیں آتی
ہمم وہاں ہیں جہاں سے ہم کبھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی
کچھ کس منہ سے جاؤ گے غائب؟
شرمِ تم کو مگر نہیں آتی!
دلِ ناداں تجھے جھانک رہا ہے؟
آخر اس دور کی دعا کیا ہے؟

ہم ہیں مشتاق اور دہریہ
یا لہجی یہ ماجرا کیا ہے؟
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش! پڑھو گزشتہ دعا کیا ہے؟

اور باز اے اے اگر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال چھلکا ہے
ان کے دیکھ سے جو آ جاتی ہے مدنی شہر پر
وہ جگتے ہیں کہ جیسا سا حال چھلکا ہے
قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دیا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہنا اچھا ہے
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غائب خیال چھلکا ہے

رکھو غائب ہے اس تلخ توانائی میں ممان
آج کچھ دردِ مرے دل میں سوا ہوتا ہے
ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازہ گفتگو کیا ہے
چیک نہ رہا ہے بدن پر بھوسے پیرا ہوں
ہمارے جیب کو اب حاجت نہ ہو گیا ہے؟
لوگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں تامل
جب آنکھ ہی سے نہ چپکاؤ سپر ہو گیا ہے!
ہوا ہے شہ کا مصاحب پھر ہے اتمانا
وگر نہ مشہر میں غائب کی آمد کیا ہے؟

ابنِ مریم ہو کر ہے کوئی
میرے دکھ کی رو کر ہے کوئی
بکہ رہا ہوں خون میں کیا کیجے
کچھ نہ بے خدا کرے کوئی!
جب توقع ہی نہ تھی غائب
بکوں کسی کا گد نہ کرے کوئی

مقتدر ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانما یہ کیا کیے!
صبر میں غیری کی ہڈی ہو کہیں یہ خور؟
دینے لگا ہے بوسہ فیضِ راجب کیے
ضد کی ہے اور بات مگر غور ہی نہیں
جو ہے اس نے سیکڑوں وعدہ وفا کئے
میری قسمت میں غم مگر اتنا تھا
دل بھی یار ب گئی دیئے ہوتے
گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
جیسے ان توں کو بھی نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
 مگر یہی کلام میں لیکن نہ عقیدہ
 قدر و گیسو میں تیس دو کہن کی آزمائش ہے
 لگ دہے میں جب تم سے نہ غم تب دیکھئے کیا ہو
 ہو گا کوئی یہاں بھی کہ غائب کو نہ جانے
 نکتہ ہیں ہے غم دل اس کو منائے نہ چنے
 پوچھو وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے اٹھے
 عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
 سمجھ کے کرتے ہیں باز اس میں دوسری حال
 حد سزائے کمال سخی ہے کیا کیجئے
 نہیں ذریعہ راحت جرات چیکاں
 کبھی شکایت رخ ثمران نہیں کیجئے
 ہمیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے
 سفید جب کہ کنارے پہ آگیا غالب
 باز بچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے
 پھر دیکھئے انداز گل افشائی گفتار
 ایمان بے رو کے ہے جو کیجئے بے کمر
 کو ہاتھ کو خورش نہیں لکھوں میں تو ہم ہے
 ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
 لکھن خد سے آدم کا سننے آئے ہیں یہی سن
 عشق نے غائب لکھا کر دیا
 سبزہ و گل کے دیکھنے کے دینے
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
 ہے ہوا میں کھٹ دھت پہ یہ چسکتی ٹولی

آؤ نہ ہم بھی سیر کر رہیں کوہ طور کی
 کی جس سے بات اس نے شکایت خنود کی
 جہاں ہم ہیں وہاں داور در سن کی آواز ہے
 ابھی تو نئی کام و وہن کی آزمائش ہے
 شاعر تو وہ اچھا ہے بہر نام بہت ہے
 کیا بیٹے بات جہاں بات بنائے دینے
 کام وہ آئی پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
 کہ لگائے نہ لگے اور بھائے نہ بنے
 کہ یہ کہئے کہ ”سر گذر ہے کیا کیجئے؟“
 ستم چیلے قریب ہنر ہے کیا کیجئے
 وہ نہ غم تیغ ہے جس کو کہ دل کٹ کیئے
 کبھی حکایت صبر گر نر پا کیجئے
 روانی دوشن و مستی اور کیجئے
 خدا سے کیا ستم و جور ناحہ کیجئے
 ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
 رکھ دے کوئی یہاں نہ صبر مرے آگے
 کبھ مرے پیچھے ہے کیا مرے آگے
 رہنے دو ابھی اس غرور میں مرے آگے
 بہت نیچے مرے اسان لیکن پھر کی کم لگے
 بہت ہے آبرو ہو کر تیرے کو پتے سے ہم نکلے
 ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
 چشم نرگس کو دکھاہے بیٹائی
 بادہ نوشی ہے بادہ پیما کی
 نریب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کیجئے

خامہ انگشت ہنساں کہ اسے کب کیلئے
 کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین
 میرے اہام پہ ہوتی ہے تصدیق توفیق
 سو پست سے بے پیشہ آبا سپہ گری
 آزادہ رو ہوں اور مرا ملک ہے صلح کل
 کیا کم ہے یہ شرف کہ غلام مہل؟
 مقبض میں آ پڑی ہے سخن گستاخاں بات
 روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاء!
 صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
 بسکہ یسا ہوں ہر جیتے قرض
 میری سخاوت میں چہ دام کا
 ہاں دل درمند نہ مزہ ساز
 بارے آمون کا کھریاں ہوجائے
 مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے؟
 صاحب خانہ و برگ دہا ہے ام
 دہر چہ جلوہ یکتائی معشوق نہیں
 بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ فوق
 لات و انقض غلط و نفع عبادت معلوم
 کو کچھ گرسنہ مزہ در طلب گاہ و رقیب
 ہاں مہ نوسنیں ہم اس کا نام
 عذر میں تین دن نہ آنے کے
 جو کہ بخشنے کا تم کو فستہ سردیاں
 پھیرنا ہوں کہاں کو غصہ آئے
 صبح دم دروازہ خامہ کھلا

ناطفہ سرنگریاں کہ اسے کب کیلئے
 اک تیر میرے پسے میں مارا کہ ہائے
 میرے اہمال سے مگر تیری ہے تراویح تفصیل
 کھڑا عری وریض عورت نہیں مجھے
 ہر گز کبھی کسی سے عداوت نہیں بے
 مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
 مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
 سودا نہیں جنوں نہیں دشت نہیں مجھے
 کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے
 اور رہتی ہے سود کی تکرار
 ہو گیا ہے شریک ساہوکار
 کیوں نہ کھوئے درخویزہ راز؟
 خامہ نقل رطل فشاں ہو جائے
 آم کے آگے میٹھ کر کیا ہے؟
 نانہ پر دروہیب دہے آم
 ہم یکساں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں
 ہے کسی ہائے تماشا کہ نہ نیابے نہ دیں
 دروہیب ماغز غفلت ہے چہ دنیا چہ دیں
 بے ستوں آئینہ خواب گراں مشیر میں
 جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
 لے کے آیا ہے عید کا پیغام
 کیا نہ دے گا مجھے نئے کھلم؟
 کیوں رکھوں در نہ غالب اپنا نام؟
 ہر حال کتاب کا شکر کھلا

خشب کو تھا گلینے کو سر کھلا
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی لڑ کھلا
ہے دلی پوشیدہ اور کافر کھلا
سُسن سُسن کے اسے سمنور راہ کا بل
”گویم مشکل و مگر نہ گویم مشکل“
خسر و انجم کے آیا صرف ہیں
ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں بکھر
دیکھو غائب سے گرا چھا کوئی
مشکل ہے زبس کلام میرا اسے دل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فریا کشس

نسخہء حمید یہ

ہے کہاں تن کا دوسرا قدم پر اب
ملی نہ دوست جو ملے ایک جنوں ہم کو
مجھے راہ سخن میں خوف گمراہی نہیں غالب
ضعف جنوں کو وقت تہشیں وہ بھی دور تھا
راہ ایک شہیرا زور و خشت ہیں اجڑائے ہمار
ہلاک بے خبری نفس وجود و عدم
پیدا نہیں ہے اصل ملک و ساز جستجو
ہوں مگر نئی نشاۃ تصور سے نقشہ سنج
ویر و عدم آئینہ منکر ارتمن
بجز و نیاز سے تودہ آیا وہ راہ پر
اسد بہار نما خانے گلستانِ حیات
میں ہوں اور حیرت جاوید گرفتارِ خیال
حیرت فکر سخن سازِ سلامت ہے اسد
بزرگ خشیہ ہوں یک گوشہ دل خالی
اسد کثرتِ دل بے خلق سے جانا
خبر ننگ کو، نگہ چشم کو عدد جلنے
تودہ بیشے جب کچھ ہوا ہو پھر ہم کو کیا؟
جھانے دشت اسکاں کو ایک نقش پاپا
عدم کو لے گئے دلد میں بنار صحر کا
عصائے خضر صحرائے سخن ہے خام پیدل کا
اک گھر میں غھر سا بیاباں ضرور تھا
سیڑیہ بجلا نہ صبا آوارہ گل نا آشنا
جہاں واپس جہاں سے جہاں جہاں فسر پایا
مانند مونی آب زبانِ مریدہ ہوں
میں حند یب گلشن نا آفریدہ ہوں
واماند گئی شوق تراشے پھر پناہیں
داس کو اس کے آج حریفانہ کینچنے
وصلال دلاہ مداراں سو قامت ہے
بطسوں نگہ نازستا تا ہے بکھے
دل پس زانوئے آئینہ بٹھا ہے پکے
کبھی پری پری غزلت میں لگتی ہے
کہ زلفِ یاس ہے مجموعہ پریشانی
وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اسد تو جانے
آسمان سے یادہ گل کلام گر برسا کرے

ہام ہر ذرہ ہے سرشارِ تونا جھوٹے
اے جبارت کجے کس خطے ہے درسِ نینوگ
کس کا دل ہوں کہ دودھ لم میں لگیا ہے بے
اے نگہ تجھ کو ہے کس نقطے میں عشقِ تسکین؟
بفراق رختہ یاراں خطا و حرفِ مو پریشاں
دلِ غافل از حقیقتِ مہرِ ذوقِ قصہ خوانی

حرفِ آخر

خوشی بیچنے کی کیا؟ مرنے کا غم کیا؟
پانی سے لگ گزیدہ دُور سے جس طرح استاد
ہماری زندگی کیا؟ اور ہم کیا؟
ڈرتا ہوں آئنے سے کہ مردم گزیدہ ہوں
درم و دام اپنے پاس کہاں
چیل کے گھونٹیلے میں اس کہاں؟
بہا ہے دستِ نرسرخ و نسترِ نکیہ
نہ سہی ہم سے ہر اس بت میں وقا ہے تو سہی
سیر کے واسطے تھوڑی سی نصا اور سہی
طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا
استادِ غاں قیامت ہے

زخمِ دل تم نے دکھایا کہ جی جانے ہے
ایسے جنتے کو ر لایا ہے کہ جی جانے ہے
صبا لگا وہ طمانچہ طسرون سے بیل کے
کہ روئے غنچہ لگی سمکے آستیاں پھر طے
مسجد کے زیرِ سایہ اک گھر بنایا ہے
یہ بندہ کینہِ مہ یہ خدا ہے
میں نے مانا کہ مل گئے چھبر کیا؟

وہی رونا تو دل و جاں کا

میں سخی فہم میں فکرت کے طسردان ہیں
دیکھیں اس سہرے کہ دے کوئی بڑھ کر سہرا
اور تو دیکھنے کو ہم و ہر جن کی دیکھتے تھے
مگر اک شعر میں اندازِ رسد رکھتے تھے

خندہ ہائے گل

(طنز و مزاح)

کھنڈیا لال پتھر

ترقی پسند

پہلا منظر

بارغ ہسپتال میرٹ مرزا صاحب کا داخلہ۔
مرزا ویرانے خانے میں مسند پر بیٹھ ایک پتھر دار
کو کچھ دکھا رہے ہیں۔ سائرس میں کاشف
جا رہے ہے۔ ایک مورچا قے کے فریضے انجام
دہے رہے ہے۔

قشتی: ہر گونیا الے قشتی خانے میں جیسے
قشتی: آداب عرض ہو و فرمود۔ یہ آگہری ٹاؤ سے
کس قسم کا انتقام لیا جا رہا ہے کہ اسے اچھا تو ما
کاج بنا دیا۔

خالدی: آؤ آؤ مرزا قشتی بہت دنوں کے بعد آگے ہو گئی
جیسو۔ گپ اپنی گون ہماری سنو۔

قشتی: لیکن ہندو نواز یہ سلسلہ کیا ہے؟ کیا کوئی تازہ فزول
لکھوائ جا رہی ہے؟

خالدی: جنت اور تازہ کلام! میاں جہاں دودھ اور
شراب کا نہر ہے۔ حوریں اور پری زاد زلف
سیاہ نشا پر پریشاں کے ہر وقت چشم براہ اور
گوشہ رکھتوں، وہاں احساس نامی ہری کہاں،

اور اس کی عدم موجودگی میں سا بڑ غزل سے کوئی
نفا پھوٹے یا پھوٹے یہ کس طرح ممکن ہے۔ واضح
کیا دل تھے وہ بھی، جب شواب کے ایک ایک جڑے
کو تریتے تھے۔ قریض کی سے پیشے میں کتنے مزا تھا۔
جب۔۔۔

قشتی: قطع کلام صوف مرزا صاحب، کل روضا خیر آبادی
سے اس موضوع پر ایک شعر سنا، بعد اطفان کیا۔

خالدی: ارشاد۔

قشتی: اپنی یہ وطن اور یہ دشمنی سے فروش
کئی کے جوں گئے یہ مزا مضمی کا تھا

خالدی: بہان اٹھ کیا تو رہیں شعر کے۔ خدا خوش رکھے
روض کو، خرواہت سے مٹا نام پیدا کیا ہے، لیکن
روا مولیٰ ہی ساری عمر و عالم نے جنت میں آکر
بھی نہیں گئی۔

قشتی: باقوں باتوں میں میرا سون تو آپ فراموش ہی کر گئے
میں نے عرض کیا تھا، ہری زاو سے کیا سکھایا جا
رہا ہے؟

خالدی: کوئی نما چیز نہیں۔ لیکن اپنی چند فزول کو مٹانے
کے بیچ لیا۔ سوچا ہے کارمناش۔۔۔

و غنائم کروں۔

غالب ہے : بلا تاں میں کیجئے۔

نقشہ : جنت کی حقیقت تو آپ کو معلوم ہو چکی۔ کبھی جنت

میں دلی کی بھی یا کوئی خاص کر محلہ ملی ملان کی؟

غالب ہے : محلہ ملی ملان ! آگھر ملافت۔ یہ تمہارے کسی کی یاد

دلاؤں۔

نقشہ : ایک تیر ہوا بیٹے پر مارا کہ دے دے

خدا گواہ ہے وہاں سے آئے ہوئے تو سمجھیں ہوتے

کو آئے تھیں محلہ ملی ملان کا نقشہ دن رات میری

آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

نقشہ : تو کوئی دیکھ آدھ دن کے لئے دلی کی سیر کی جائے

میں رہتے رہتے طبیعت اوب گئی ہے، غمناک

نہ جھپٹیں، نہ لڑکے، نہ لطیف بازی، بس ہر

طرح مشہور و معروف کی خبریں، اور ان پر بعض ترقی

پہنچ گئی ہیں۔

غالب ہے : لیکن وہاں جائیں تو کیسے، نہ تقریباً نہ دعوت نامہ

اور پھر دلی میں بس کوئی پوچھے، کوئی کہے گا۔

نقشہ : یہ بات تو نہیں جواب دلی کیا سارے ہندوستان

میں آپ کے لاکھوں پرستار موجود ہیں، ان میں چند

دن ہوائے پنڈت ہری چند اختر وہاں سے بھر میں

لے آئے ہیں، انہوں نے وہ وہ قصے سنائے کہ طبیعت

پہنچ گئی۔

غالب ہے : اچھا، کچھ ہم بھی نہیں، کیا کہ انہوں نے؟

نقشہ : دلی میں آپ کا شاندار عزائم ہو رہے ہیں، ایک فلم

آپ کی زندگی پر بنائی گئی ہے، اب آپ کا دور ان

دور کا دوری دم ان فلم میں شائع کیا گیا ہے۔

غالب ہے : جواک اشتر اور یہ اس غائب کی عزت افزائی کی

گئی ہے، سارے ملک میں شہرت رہی۔

نقشہ : گستاخی ممان حضور! لیکن میں غلوں میں ممان

کی گئی تھی کہاں ہے، سونے پر سہاگہ کرنے کی

ممان ہے کیا؟

غالب ہے : غمناک اس طرح جھل آئی کہ میں طبیعت پریشا

کے کافی غم میں۔ انہیں ترقی پسند سا کچھ میں

دوران رہا۔

نقشہ : خوب، خوب، تو جنت میں آئے کے بعد آپ کو

ترقی پسند بیٹے کا شوق ہوا ہے، خدا را اپنے پر نہیں

تو اپنے عزیزوں پر رحم کیا ہوتا۔

غالب ہے : بھئی بات تو کم ٹھیک کہتے ہو، لیکن ممان کے نقش

گوئی تو درگزر کرتا ہے۔

نقشہ : دانشور! ظ

نقشہ : ہاں، اس نند و پیشاں کا پیشاں ہوتا۔

غالب ہے : اندر اگر جواب میں کہیں ظ

کچھ ہو جائے، وسعت مرے میں ملے

نقشہ : حضور! خدا کے لئے بیان میں مزید وسعت پیدا

کرنے سے اس کا زخمیا ہے، بے چارے نقاد پہلے

بھلا کافی پریشان ہیں، اگر اسلام شدہ کلام کی

شرح لکھنی چاہی تو خیر و خیریت معلوم ہو جائے

گی۔

غالب ہے : میں نے فیصلہ کر لیا کہ کلام وراثت میں

رہے گا۔

نقشہ : تو اس سے آپ کا مطلب تو مل ہوگا نہیں.....

وہاں مکانات کے لئے آپ کا شمار ترقی پسند مشر

میں کرنے سے تو رہے۔

غالب ہے : دل سے بھلائے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نقشہ : بیکار مشاعرہ و حوالہ! ایک سوال پڑی میرے

میرے ذہن میں چٹکیاں مل رہی ہیں، امانت ہو تو

دیوان موجود ہیں۔

ایکے اور اداکاران میں ہرگزال نقشہ بڑی مسرت سے آپ کو یہ خوش خبری سننا تاہوں کہ نظم القولہ ویر الملک مرزا اسدا لہ شاہ غائب پہ بعض نقیبیں شیو پر قرضینہ لارہے ہیں۔

مرزا غائبہ اور منشی ہرگزال سے تعنتہ اسٹیج کے طرف بڑھتے ہوئے دکھائے دیتے ہیں۔ شامیہ کے ساتھ ہرگزال غائبہ بھا لڑتے ہیں غائبہ صدر اور اسٹیج سکرین میں مرزا اور نقشہ کے حق میں سے دستہ بردار ہو جاتے ہیں۔ غائبہ : رکڑی صدارت پر بیٹھنے لگے ہو، مجھے نقشہ اشع ہمدار کہاں ہے، اس سے کہو کہ طبع کبھی ترقی کھند شاعر کے سامنے نہ آئے۔

ایکے شاعر گستاخی معاف مرزا، مجھے شاعری میں طبعی بھڑ نہیں ہوتا۔ ہم بلی کے سپکی روٹھنی میں مائیک کے سامنے لہا کلام پڑھتے ہیں۔

غائبہ : تو کچھ شروع کیجئے۔ یہ دونوں چیزیں تو موجود ہیں۔ مصائبیہ دھڑکے، غزل ساربت فرمایا۔

غائبہ : مجھے کوئی ترقی پسند نظم سنائیے، آخر ہم جنت سے غزل سننے کے لئے تو نہیں آئے۔

مصائبیہ دھڑکے، اصوات کیجئے مرزا، نظم سے تو یہ تاجیہ جرد کیا ہیں۔

غائبہ : ہائیں۔ نظم سے تو یہ کرل، آخر کیوں؟ مصائبیہ دھڑکے، وہم بیان کے ویٹ ہیں۔ عرض کیا ہے،

غزل سے پرک

غزل سے بھرک

مرا کہ مہول سا ہوئی غائبہ

ہم نے یہ مذاکرہ میں میں لکھا نہیں لکھا

نقشہ : معلوم ہو جائے کہ لوگ آپ کی وفات حسرت آفات کے منتظر تھے، جو نہیں آپ انٹر کو بیار سے جوئے قدر افزائی کے ڈو گوسہ رہتے تھے۔

غائبہ : یہ بات کئی تو ہیں، بلکہ اس اشارہ کو دیا ہوتا، ہم برسوں پہلے سفر آخرت اختیار کر رہے۔

نقشہ : تو فرمائیے، وہی چلنے لگا، آخر صاحب کی زبانی تھے بلکہ لال تلور میں غلیظ اشاعی مشاورہ ہو رہا ہے۔ غائبہ : لال تلور! اٹھ اٹھ! یہ تو گویا دو آتشہ ہے، ابھی مقرر چلیں گے۔

دوسرا منظر

لالہ قلعہ وقف کے دیوار میں شاہ مسیح غائبہ کے یاد میں ایک شاعر کے کا اصرار میں کیا گیا ہے۔ شعراء اسٹیج پر جمے، افروز میں سے ایک بہ تباہیت کا دروازے شروع ہوئے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اسٹیج سکرین میں مائیک کے سامنے آنا ہے۔

اسٹیج سکرین پر، صاحب صدا، خاتین و حضرات ایہ مشاعرہ اہم سخن کے اس شہنشاہ کی یاد میں سنند کیا گیا ہے جسے مرزا اسدا لہ شاہ کے نام نامی سے یاد کیا جا کہے، جواسی لال تلور کی مفلولہ میں بار بار غزل سرا ہوا، اور جس کے کلام نے عوام کے علاوہ مثلیہ سلطنت کے آخری تاجدار کو غفلت ناک کر دیا، کاش حاکم ہمارے عور میں موجود ہوتا اور اپنی غزل سوائے سے ہمارے دلوں کو گرماتا۔

ایکے اداکار حضرت آپ نے مجھے یاد فرمایا، میں تو آپ کے

میں کھڑے تھا انکی

جنہیں اہل منزل

بجھتا رہت پہل مٹا کھینچے

کھینچے نہ کچھ بھی بس اتنا کھینچے

مٹوئے نہ دیکھا

کہ نظروں میں میری

نہیں منہ کوئی

یہ نکلیں کہا، مٹتی تھی جمل سازی

کہ پڑے کے انہیں مشہرہ کا کوئی قصہ

پکارے نہ اٹھایا یہ کیا ہک رہے

کہ لا حول پڑے کوئی جانتا ہے :

میں جب بھی کوئی نکسم

مٹل میں پڑتا

تو دانہوں سے اٹھتا

و اب کرب

مٹکیوں سے یوں دیکھتے میری جانب

کہ جیسے ہوا سا بس رحم ان میں پیدا

مسی نیم پاگل کسی سر پہرے پر

بالآخر سوچا

کہ مدد نہ رہے کہ ہوتی ہے کوئی

چنانچہ غزل کی طوفان لٹا

کچا یا کچھ خشک تو اٹھایا

غلامیہ : خوب، بہت خوب۔ تو گویا شام کا بولناج کو

گھر لوٹ آیا، لیکن صاحب ہم غزل نہیں سنیں گے۔

مصائبیہ و ہلاکتیہ : اگر آپ نظم کی سلامت فرمادے چاہتے

ہیں تو پھر حضرت بہت نکستی سے کہنا، کیونکہ

وہ حق پسندوں کے خلاف ہیں۔

غلامیہ : بہت نکستیوں کی پرتشرفی و افس۔

حق سے نکستیوں سے : مرزا صاحب ! مصائب و ہلاکتیہ تو
صرف نظم کے آدھے ہیں، دوسرے شاعری سے
تو بہرہ گیری ہے۔

غلامیہ : خوب، آخر اس انتساب کی وجہ؟

حیدر سے نکستیوں سے : اگر آپ امرار کرتے ہیں تو وہ بھی

غلامیہ کے وٹے ہیں !

غزل سے کچھ اس لئے دشمنی تھی

کہ آسان نہیں ہے غزل لکھیں کہنا

پڑا مارا نہ پڑتا ہے اس میں پتا

بڑی دھڑکا لانا پڑتی ہے کوئی

جہر کچھ بولچے، ایک لشکر غزل کا

ہے سولہ کہ بے کیف نکستوں پر ہماری

سنگریں جاتی ہے غزل وہ رو منت

کہ میں کے قصور سے لرزہ جو طاری

چنانچہ پڑے چھوٹے "مصرعے" ماکر

میں لکھتا رہا ابھی پہلی ہی نکلیں

کہ پڑے کے نہیں آئے قاری کو غصہ

پڑی نظم دلی کی مجلس میں میں نے

تو مزور سے ایک یوں کہہ کر تو کا

"ابہ دیکھو تو تو یہ کیا کر رہا ہے"

اُسی دن سے کی میرے نکستوں سے تو یہ

کو شکل بہت شاعری کا بہت شہرہ

چنانچہ میں خاموش ہوں پھر میرے

فقط اشارت مراد مراد ہو

غلامیہ : آپ کی معذرت کیا، لیکن اگر آپ بھی مصائبیہ

تو پھر نظم چھ کسے کس سے کہا جائے؟

حیدر سے نکستیوں سے : بھلا حیدر آبادی جو ہیں۔

غلامیہ : بھلا حیدر آبادی انشرف لائیں۔

ہسکولہ قید دریا باؤں سے : مرزا صاحب ، اگر آپ کا شہنشاہ
 ہے کہ میں آپ کو غزل یا نظم نہاؤں گا ، تو یہ آپ
 کی توفیق نہیں ہے ، یہ شعل تو مدت سے ترک کر
 رکھا ہے اگرچہ میں تو ذرا میں جھوٹا پاؤں لاتی ہوں
 کرکھا سکتا ہوں ۔

غالب : خدا حق مست ، کہیں مرچ پھولنے کا ارادہ تو
 نہیں ۔

ہسکولہ قید دریا باؤں سے قسط فرمائیے ، ایسی کوئی بات
 نہیں ۔

غالب : میں آپ لقمہ سانس سے کیوں گریز کر رہے ہوں ؟
 ہسکولہ قید دریا باؤں سے : بات دراصل یہ ہے مرزا کشادہ
 ایک بے کار شاعر ہے ، پھر عریات جھوٹے میں
 ہے وہ قلم میں بکریں ۔

غالب : سناں کیجئے ، میں آپ کا مطلب نہیں کیا ۔

ہسکولہ قید دریا باؤں سے : مطلب ایسی واضح کئے ویتا
 ہوں ، عرض کیا ہے ۔

کبھی قلم نہاؤں تھا میرے
 غزل کی کہانیت تھا میں خاص
 نہ جانے کیا میرے دل میں آئی
 کہ تو نے لاف لگ کر سناٹی
 پکھنکے اداؤں میں ایک جھوٹا
 ادب کی جھلکیں کر رہا ہوں
 جھوٹے سے میں لکھ رہا ہوں

ادب براہے یہ ماسک ہے

نہیں ادب یہ براہے ہوتی
 میں صاف اعلان کر رہا ہوں

کہ میں لکھی ہے مرگن گائے
 ہوا بھرتی تھی بیکہائی

متم جسے گورگی کی ساتھی
 ادب کو دیکھتے ادب نہ ہوں گا
 متم جسے ایلی کی ساتھی
 میں شاعری تو نہیں کر رہی گا
 لکھاؤں گا میں ادب میں نصیب
 گداڑا ہے نیا سورا
 کشت قوی متم ہو چکا ہے
 دراتیں گیت گادہی میں
 غالب : ج

بالائی : ماہر صاحب کیا ہے
 کوئی شاعر نظم سنانے کو تیار نہیں ۔ وقت ہے :
 اچھا لکھی قدرت ماہر ایک پراگندہ کر دیکھ کر اگر کوئی
 صاحب لکھنا ناچتا ہے میں تو چٹا پر آتا ہوں ۔

نقشت : ہن صاحب ، یہ ہاں کوئی نظم تو شاعر ؟
 شعر : کوئی نہیں ، کوئی نہیں ، ہم سب بے غزل گو ہیں پکے
 ہیں ۔

نقشت : (غالب سے) تو پیر مرشد ادب ہی کیے لکھاؤ
 فرمائیے ۔

غالب : معذرت ، ادھر چند دلوں سے دو قری پند نہیں
 کہ میں انہیں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں ۔
 شعر : ارشاد وتقدیر :
 غالب : عرض کیا ہے ۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بے ناز
 کس کی حمایت زوا کے کوئی

شعر : سہماں اشر کیا بات پیرا کی ہے ۔
 غالب : آگاہ عرض ۔ شعر ہے ۔

ہاں تم پرنسٹ رکھتے ہوں
 مشہور تم کو شکر نہیں آتی

اور ہے

بک رہا ہوں ہنوں میں کیا کیا کہے

اگر کیا پسینہ ہوا کیا ہے

شعر ہے

فوت کا ایک وی نہیں ہے

اور دودیش کی خدا کیا ہے

اور صاحب آخری شعر ہے

میرا سنے مانا کہ کچھ نہیں ثابت

کیوں کہی کا لنگہ کرے کوئی

تقصیر : جواب نہیں حضور اس تقی پسندی کا، قبدا اب

دوسری نظم بھی علما فرمائیے۔

عالم ہے : دوسری نظم ابھی ناممکن ہے، صرف تین شعر

ہوئے ہیں۔

تقصیر : ارشاد۔

عالم ہے : عرض کیا ہے

دل سے تری نگاہ جس طرح اتر گئی

میرا ہوں دل کو دونوں کہ پینٹوں جگر کی

شعر اور : واہ وا کیا ہے لکیر شعر ہے۔

عالم ہے : اصول یہ ہے کہ اس انکار کا تعلق سے کہتا ہے

وہ اپنی خود چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدیں



تقصیر : حاضر کیا ہوں تو یہی ہے قبل کیا نہ رکت خیال ہے۔

عالم ہے : اور تیسرا شعر ہے

دل کے خوش رکھنے کو ثابت یہ خیال اچھا ہے

مگر نہیں ہیں مرے انعام میں منی نہ سہیں

تقصیر : مرہا، یہ آپ کا ہی حصہ ہے مرزا صاحب! غلط

بیان کی داویں وی جا سکتی۔

عالم ہے : آداب عرض، تو حضرات اب مجلس پر قیامت کی

جاتی ہے، کیونکہ مسلم ہوتا ہے کہ کچھ کا فرقے

علاوہ سب کچھ مسلمان ہو چکے ہیں، یعنی فرقہ گوئی

کی طرف لوٹ آئے ہیں، اور فاسک رجب سے

جنت آشیانی ہوا ہے، فرقہ کہنے یا سننے کی تاب

نہیں آ سکتا، رقت سے، کبھی رقتہ ما ایک پر

اطلاع کرو کہ سامعین اور شعراء قہر لیں گے

جاسکتے ہیں۔

تقصیر : خواتین و حضرات! پیر و مرشد کا ارشاد آپ

نے سمجھ ہی لیا، آپ آرام کیجئے۔ خاکسار اور مرزا

بھی مرزا صاحب پر مفاہمت چاہتے ہیں گئے، ہوسکا

تو سیکڑ شرم غلم، مرزا فوٹ، بھی دیکھیں گے،

الوداع، شب بخیر

جب مرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو میاں کالے صاحب

کے مکان میں آکر رہے۔ ایک روز میاں کالے صاحب کے پاس بیٹھے

تھے۔ کہنے لگے اگر قید سے چھوٹنے کی مبارک باد ملے۔ مرزا نے

کہا کوئی بھڑوا قید سے چھوٹا ہے۔ پہلے گوروں کی قید میں

تھا۔ اب کالے کی قید میں ہوں۔

شد و بیابانها را پر جان و دیند و در آن شوقی از تنم نفسی کرد و جاتے۔

آگنی دھرم شیعہوں میں تو جلتے ٹھہرتے

اور ہم وقت پر ان کے سر پہ کڑی اور تاریک جامہوں اور وہ غالب کا فلسفہ محض کھار ہے ہیں۔ میں گنگوہا کو یاد ہیں اور وہ عظیم الشان عالم کے ساتھ نہیں جھونکا۔ مستلزام انتقاد کو پرہیز کرتے دیکھ رہے ہیں، میں کپڑے بدل رہا ہوں اور وہ بیوقوف برقی خرس کا سہ خوب گرم ہتھکان کا پتھر چھو کر رہا ہے۔ لگا ہے انقلاب زندہ باد کا سوز گانگا کا کر غالب کو غیورستان کا سب سے پہلا انتقاد ثابت کر رہے ہیں۔ میں جوتے کی گودوں میں افسوس رہا ہوں اور وہ نہیں گئے اور ستارے اسے ستارے گھٹنے تارے سورج کے نقارے آسمانی پلاٹینم کے چھوڑ رہے ہیں۔ میں اشتہار کو یاد ہیں اور وہ مٹے ہوئے دیگس کی تپتے نہیں ہے وہ جلا کر غالب کے گلے اٹھا کر کھانسی دینا نہ کرے کوئی شعلہ زلزلہ رہے ہیں کہ میرے منہ کا زلزلہ حق میں جاوے گا اس کا کر غیبتا ہے۔ میں زلزلے کے گئے تھے لیکن یہاں ہم ہیں اور وہ غالب کا فلسفہ غلطواریات بیان کر رہے ہیں۔ جس سائیکل پر بیٹھ چکا ہوں اور وہ شام کو دفتر سے میری پانچ بجی پر غالب اور جہاں ولید کے موضوع پر اپنے نانا تھے اہمات کو گھر پر نہ لے کر لے گی رکھکیاں :- کہ رہے ہیں ۔

شام کو تھیں نہ بیرونی تھے تو غالب اور دوسرے شعراء کا مہمانہ شوق فرماتے اور غالب کے منہ گلے والے دیگر تہہ مخمر
کو گلہ نہ دینا فرماتے کہ اس عیب کی نسبت نہ ہوتی تو غالب کے غنیمت مند تھے کہ اس عیب کا پہلے سرس پر کشنی شروع کر دیتے اور کالی امر
پیش کے بعد عیب پر شایع کافی ہست ہو چکتا تو اور بھی اکھاڑے میں گر پڑتے اور نوا فرما ہر شاعر کو کچھ پڑھانے اور پھر ہر شعر کے تعلق
اپنی ایک نوکلی اجھکتی اور محبوبہ کو شریعہ کا اندر کرنے سے جس کا انجام غالب اس وقت تک نہ ہوتا جب تک میں اپنے چہ خوش و
خاس کا قید نہ رہے نہ نجات پا کر وہاں پہنچ جاتا وہاں سے خود گھر کو سری خبر آتی مینے بالکل ہی بے سہج ہو کر اپنے بستر پر گر
نہاتا ۔

میں اکثر غائب ہوں، دیکھتا کہ حضرت غالبؒ ان افغانوں میں دیکھنے لے جے گا شہید نہیں ہوئے کبھاگ رہے ہیں، بچاؤ! بچاؤ! تجھے میرے شاہیں اور اس پر میں سے بچاؤ تو ان کو تجھے شاہیں، اس پر میں اور پرستاروں کا ایک غول، یہ بالائی ان کا تعاقب کر رہے ہیں کی قسمت پاکسٹان کے میرے قتل کے اس پر غائبیات کر رہے ہیں اور اپنے ساتھ لے جی ایک زنجیر میں باندھے گھسیٹ رہے ہیں۔

کئی دفعہ مختلف جہازوں کر کے ان کی منت منت ساجھت کی، ہاتھ جوڑنے، ڈانٹ میں، ہاتھ دیا، کان پکڑ کر مٹا مٹا کر دھڑک رہا تھا۔ یہاں پہلا ایک لڑکے، اس پر غلبہ پات آپ کو آپ کے حضور غائب سداک، انجو غلبہ کو میرے ہی حال پر چھوٹا کیجئے تو آپ کے غلبہ میں کون سا جگہ تک جاسے گا؟ میں ایک گڈا کے بے نوموں، احمق، جاہل اور گڈا ہیں، میرے ایسے ناتانہ ناچیز کو غائب آنا غائب عالم تاب کے کیا نوبت؟ میں حضرت غائب کا صرف اس قدر گڈا ہوں کہ عالم غلبہ میں ایک مولیٰ صاحب نے اس کو دوا کتاب سے ان کی چند غلطیوں پر کڑی ٹیٹھاری تھیں، اس کے علاوہ کچھ کے سوا لے لیجئے۔
ہمیں نے کئی مہینے پہلے ہی گڈا بولنا شروع کیا تھا، گڈا نامی خاک، ہاتھ آئیں تو ہاتھ لگائے نہ بنے، غائب کو میں کیا میری ساسٹ تھیں مگر نہیں کہہ سکتے ہیں۔ میں نہ انہیں سمجھا ہوں نہ کہنے کا اہلیت رکھتا ہوں۔ آپ بے کاد میرے ہوش و حواس پر چاند لڑی گویا غریب میں غم بڑی اور بیماریاں کرتے ہیں نتیجہ اس کا یہ ہو گا کہ میں پاگل ہو جاؤں گا اور میرے بیوی بچے آپ کو اور مرزا غائب

اگر کھٹے پھریں گے۔

لیکن باہر خلیات کی جھڑپ ماننے والے تھے یہ میرے اندر رہے چارنگ سے ان کی جبر دانی میں ان کی پار جان لگ جانے اور غرور
مکنت سے ان کے گنگے کی درگمیں پہنے سے بھی زیادہ بھونے لگتین پر گھاس کوئی ایسا بھی جو غالب کو نہ جانے وہ سے اور مل ان کو ہونہ سے
کو کر رہیں اور آپ غالب کو غلط سمجھیں ہی اس کے اور بڑا دوزخ شہید ہوا اور یہ قرائے کے بعد ۔۔۔۔۔ وہ غالب کے شعلہ اپنی
تحقیق اور دریافت کی گولہ باری کھوپر کے درخیز کردیتے۔ کچھ بھی اگر اگھٹنا یا اس پر ہنست دیکھتے تو چوکتا کرنے کے لئے کچھ پردہ چا رہتا تھا
نور الفیضہ سلاطین اور راجے۔ غالب کے کھڑے کلیات کے شعلہ آپ کا کیا خیال ہے اور اس کے باعث منقشبہ کے ساتھ جوت
قصائے گلاب کو کیا تھا؟ غالب نے تمدنی مناظر سے ہر نفسیاتی موٹھکائیوں کی ہیں اس سے ان کے تحت الشعور کی کسی بلندی کا
پتہ چلتا ہے؟ غالب کے سماجی شعور میں سیاسی اور اقتصادی حیثیت کب اور کیسے پیدا ہوئی تھی؟ وہ غیرہ و غیرہ۔ یہی مجھ کو ان
سرمایات کا جواب کھاتا ہے میں کھیرا، ماسرغالیات کی انلا فیریت کلاب کے لئے انکھیں پھاڑ کر سر کھول دیتا اور ان کی خواہش
کے مطابق انہیں اپنے حیرت زدہ ہونے کا پودہ پال دیتا۔ دلا دیا لیکن دل ہی دل میں سوچتا کھڑا رہتا اپنی سماجی حیثیت کو
کسم میں لائے ہوئے اپنا دوزخ قیادان باہر خلیات کے تحت الشعور پر پوری قوت سے کھینچ رہا تو یقیناً ان پر نکلیا تھ کے
بہت سے حلقہ ریش جو جانیں گے۔

میں کیا عرض کیا جائے کہ کس طرح عاجز ہے ایشان کر کے کا غلطی باہر خلیات نے؟ ان سے جان چڑھنے کے لئے عیسویوں
فرمیں کہیں۔ کھٹے کے باشر تو گوں کا رواد تو کیا۔ گنگ منطوق دیکھئے۔ ایک ایک کٹر پائیس سے ان کے خدات کوئی زخمی مقدسہ چلانے
کی زرخش کی۔ بیاری کا صرگ بنایا۔ ہرے بنے تو اشتیاق دونا ہو گیا اور دستوں کے گھبرا کر پناہ ملی گھر کے دروازے بند
کر لئے تو کو کو ہدایت کی کہ چھو کہیں کہ چھ نہیں ہے انکھیں ابھی تو یہ کیجئے۔ اپنی تیسری دانا مانا گیا اور باہر خلیات نے
نہ پلے تو گشتیں غالب کا کوئی شعور اس سے متعلق ایک نئی داستان پر روش۔ اپنے اوپر دیکھتے ہوئے سرے دروازے کے کھانے
گی میں شہلاک نے وہ جب تک لکھ کر جانے یا گھر کے کھٹے گزرتا کہ کھٹے پر یہ شعور صحتی دیکھتے وہ می نہ لیتے سے
بھاگے تھے ہم بہت سماجی کی سزا ہے یہ ہو کر اسیر رہتے ہیں راجہز کے پاؤں

ان حالات میں چاہے اسے میری بددعا کیجئے یا بددعا کا عقل سے گزر کر جیسے ہی لکھا ایک اور مسلمان دلاور اگر میرے پہلے مکان
صرف نصف ہر معلوم ہوتا میں دیاں تو انکر بھاگ باہر خلیات نے سے میرے کھد یا کہیں شہر کیا ہو چھ ٹرڈ ہوں اور وہ لکھے آپید
ہو کر نصرت کیے آئے تو بڑے دقت انگیز ہیں سے فرمایا آپ غالب کو غلط سمجھتے ہیں۔ اور اگر میں شہر قوم کو نہیں آتی۔ نہ پھینکا وہ غلطی سے
تھکے اس کا نالہ ہے آپ کو کھڑا ناگہ ایک دو تیا تو یقیناً باہر خلیات نے لکھ ایک فی لکھ یہ اور اسی جگہ اب دیتے غیر
ہرگز نہ مانئے!

اپنے ان جان لیوا باہر خلیات سے کھٹے کا لاپاکہ بوسٹ لے پا یاں حاصل ہوئی اس کا اظہار نہایت غیر ضروری ہے غ
مذہب سے مرعہ کر گھرا میں مہا جنس

مکان تہاں کرنے کے صلے میں اپنا ایک مکان سے اپنا نئی بدعاسی اور مکرنگی سے باغداد ہوا سامان حب و سرمے مکان میں
کھولا جاتا ہے کہ کہیں سے ارٹ کر لائے ہوئے مل غنیمت کا طع آجاتا ہے اور اس میں سے ایسے حیرت انگیز انکشافات نمودار

ہوئے تھے میں کہ لکھنؤ میں کیا ہو کر رہ جاتا ہے۔ میرا وقت انیسویں سو کس نے طبعاً کسی بہت اعلیٰ درجہ کی امتیاز سے چھپا دیا تھا کہ مندر ہے اور وقت ضرورت آئے۔ ان تمام تلاش و جستجو کے بعد بھی انھیں گنت ہے لیکن حجاز کا، جو ناموں کے متعلق یقین کامل تھا کہ وہ پیچھے ہوئے کو چکا ہے پہنچا تھا اس کے جوڑی اندر میں نے پہنچے جلائے امریکا کی بات کے مکان کی طرف اچھا دیا تھا ایک نرے سے کے سامنے کر رہا ہے میں اپنے مکان کے کچھ لوگوں کو اس قسم کے حوادث سے دور دیا تھا کہ نقصان کسی نے باہر کا دوا دہا کر دیا تھا کہ کوئی کوئی جگہ اس وقت تک پہنچے تو تک الموت سے نئے کی فرست دینی لیکن طوعاً کرہاً لا عمل دیتا ہوا دیکھا اور دوا دہا کھلے دیا۔ ڈاکٹر کی فرست دے اور صرف جنہاں اور جہاں پہنچے ایک بزرگ نمودار ہوئے اور پوری جگہ کئی سے سلام و تحیات کہتے ہوئے چلے گئے میں داخل ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اس پر لوگوں نے بیٹھ گئے اور کچھ جھوم کر یہ شعر پڑھا ہے

ہر کام میں ہر کھلا ہوا کون جانتے؟ ہر کار و بار دہا دینا میں گر کھلا ہے

مجھے مجبوراً یہ لکھنا پڑا کہ ایک سو تیس برس پہلے میں چلا آیا ہوں پڑی

اُس مکان کے لئے کہ یہ رات پانچ بجیں ۳۰ ع

کوئی دہائی سی دہائی ہے؟ مطلب یہ کہ یہ آؤ گے نہ کیوں پسند کہ ٹھیکہ دار کاں ہے؟

مرزا غالب کا نام تو زیادہ کلام سننے کے بعد۔ لیکن یہ مستقبل کے خوف سے میرے کان خود بخود بولنے لگے اور پوری شکل سے میرے من کے مقابل ایک جی شکل ہو گئی۔

ابھی ابھی مرزا کا میں صاحب کے سلام ہو کر یہاں تشریف لائے تھا کہ آپ دہلی میں رہتے تھے ع

تمہیں نہ دلی میں ہر گز ناچیز تو ہی نہ کرے؟

”جی ہاں دو تین ماہ دلی میں رہا ہوں۔ کیا میرے خلاف غیبی پالیسی کی کوئی تحقیقات آپ کے سپرد ہوئی ہے؟“

مسکرا کر چلا گئے۔

چہ ہے خدا کا واسطہ وہ اور دہلی میں اے شوقِ مفعول یہ تجھے کیا خیال ہے

میں نے بہت کر کے دلی زبان سے عرض کیا ”آپ نے ابھی تک مجھے خود ہے آپ سے متعارف ہونے کا شرف نہیں بخشا؟“

اپنے مسکراتے ہوئے بولے

”مجھے نہیں وہ کہ غالب کون ہے؟ کوئی خیلو کہ ہم تیرا نہیں کیا؟“

اب میری دعا ہی بخش ہو چکی تھی۔ جی آپ؟ حضرت غالبؒ

مجھے اب حضرت غالبؒ کے ہم پیشہ ہم مشرب ہم رہنے والے ہیں۔ میں اس وقت صوفیہ پوچھنے حاضر ہوا تھا کہ آپ دہلی میں رہتے ہیں تو شہنشاہِ عالم بھی حضرت غالبؒ سے ضرور ہی واقف ہوں گے؟

مجھے غرضی کسی شخص پہنچے گی اور میں نے بڑی جانتائی کے جواب دیا اب سنا ہے کہ اس نام کے ایک بزرگ کا زاد بلی پچھو اچھا سرچ کر کے ملے گا کہ آپ نے جی کی حکمرانی کے بعد اس نام کے ایک بزرگ کا زاد بلی ہیں؟ یا جو لوگ کے سوال اچھے مفروضات تھے آپ کو یہ تو نہیں نہ کہ آپ اس بار کا ملک خلافت پر چڑھیں ہر واسے کہ نہیں ہیں۔ شریعتِ تم کے شرفِ قدیم ہی تو حاصل کر ہی جیتے دی گئی تھی، اب جس دہلی میں رہے اسی سے سزا دے رہے نہ ہیں یا کہ بغیر بھارت کا چھوٹے رہے۔

غالب استادِ شعر و سائنس باقی کے لئے محبتِ بھاء اور دوسری گمشدہ عالم ہے۔ کمالِ معنی کی تھوڑی سی الٹ پٹ سے کلام کی لطافت و لطافتِ حیرت نہیں معلوم کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ سیدہ بنوریؒ نے مرزا غالب کو دیکھا تھا۔ وہ بھی گھر سے شہر میں مہی نہ تھی۔ کوئی حق باقی نہیں رہتا ہے۔ کاش کہ وہ خود اس کو دیکھتے تو عشق کر کے گفت و شنود سے کہہ دیتے تو مجھ سے بھی نہ سمجھتا اور بلا اور باقی میں نے یہ سہی سمجھ لیا۔

سلسلہ کلام ایک طرف کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ تم نے کس طرح مرزا شاعرِ ملاحظہ ہوئے۔ دیکھئے کس طرح رہا تو کون سے جس بندہ کرتا ہے؟ ایک روز میں اس کو لے کر مرزا صاحب کے پاس گیا تو اس نے اچھے گارہ میں مرزا صاحب سے شکایت کی کہ اس کی سسرال نے بچے تصور کر لیے۔ مرزا صاحب کے پاس باقی جن پریش میں آگیا اور وہ اسٹر کے بندے لڑائے اس کو پہلے تو زمین موقعِ ملاقات پر حاضر ہو گیا اور وہ انہیں کہا کہ اسٹر نے برف و بار میں اس کو سزا دی وہ بالکل حق کیا نہ تھا کیونکہ یہ صاحبزادے کو لے کر اس کو لے کر آیا ہے۔

لڑنا واضح سے غالب کیا ہوا اس لئے شدت کی کہنوں لام الف نکلتا تھا اور وہ روتی رہتا تھا۔ فوراً دھنگنی کیسے گا سب شعر کی افلاقی کیفیت کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ بچے عاشق کی موت نفس کے تعلق غالب نے بہت سے اشعار کہے ہیں لیکن خدا اس شعر کے نورِ ملاحظہ فرمائیے۔ ایک دفتر میں لکھا کہ وہ عاشق کے لیے میں کسی فوراً خدا ہی آجاتی ہے۔

دائماً ہوا کہ یہ نہیں ہوں میں وہ دن آگئے کہ کہتے تھے تو کہ نہیں ہوں میں
سوئی کتاب سے کہ مرزا صاحب، امانت آؤ پیش آئے دیکھئے کس طرح اپنے بھوکے لہائی اور طور سے کہ یہاں نے فیض کو کھلیا
ملا تو میں سو نہیں اس کے پاؤں کا دوسرا فائدہ کیا سوچ آخر تو کیا رہا ہے اسٹر

اسٹا شاپ کے خالق کا شعر ہو۔ نورِ عشق کی جلد بازی کو ملاحظہ فرمائیے۔
نہل سے بھر کر غالب اس طرح لکھا کہ نہ ہو گا جھڑپ میں مرچا ہوا۔ بستر کھلا
اور عشق کی تیر و تندی تو غالب اس سے بہتر بھی بیان ہی نہیں کی جا سکتی۔

کھانا سے وہ خیرت ضرور کھتا کس نے کھولا کب کھلا کہ کھولا
اور غالب یہ شعر تو لکھتے مستحق ہے۔ ساقی اس سے بڑھ کر مرزا صاحب پر اور سال ہی کیا کر سکتا تھا؟
میں اور غلامِ حسن خدا ساز با صبر ہے ساقی نے کچھ ملانہ دیا ہوشیار میں

اور یہ عشق کے شہساز کے کتب و کئی کئی کی اس میں کرا پے خود ہوشیار غالب کے ہونے رقیب کے ساتھ شربِ خیریت بنے
تم کہ نہ دیکھو کہ یہ ہے کیا لافِ تصور گنج کر کہ دی ہے سے
یقین ہے ہم کو بھی یہ سبک اب اس میں دم کیا ہے رقیب پر ہے اگر طبع تو ستم کیا ہے

دیکھئے عظیم شاعرانہ و سخن کی داغ بوب سب سے حضرت غالب ہی کے ہیں اور میں نے ان میں کسی قسم کی کوئی تحریف نہیں کی ہے
صرف لڑا پاک دماغ سے ان کی رقیب میں تھوڑی سی ہٹ پٹ کر دی ہے۔
میں نقشِ حیرت بنایہ سب سن رہا تھا لیکن نہیں معلوم میرے ہاتھوں میں ایک عالم سمجھتی کی کیفیت کیوں پیدا ہو رہی تھی۔

مختار زمن

غالبے لالو کھیت میں

یہ عمر رنگ کی طرح نہیں نکلی گئی کہ مرنا غائب عالم ہاں سے کہہ لایا دار و پور سے میں ہوا ہے ایک جانے دوست کے گھر لالو کھیت میں قیسم میں۔
چند اخبار کی نمائندوں نے لے لیکر روایا کی پر میں کا نظریں منقذ کی جائے۔ چنانچہ وہ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔
مزا چو گوشتہ ٹوپی پہنے چھڑا دیب قہقہہ لکڑی بھجوانا لکھڑے لگائے ایک تخت پر گاؤں کے سوار سے بیٹھے ہیں۔ کشیدہ قامت
گودارنگ، جو جوانی میں تیرکی تھا، اب کراچی کی ہواس سے قندے مجلس گیا ہے گرامی ملک اس میں دلگشی باقی ہے۔ سفید وار سنی کا ماسخ
چہرہ کا رونق بڑھا رہا ہے۔ گھر کے پاس بیٹوں کا شور اور گھر کے اندر چھروں اور کھیلوں کا زور ہے۔ مزا خاموش ہیں، ابھی کبھی
ٹٹے کی ہنسالی سنوٹے لگاتے ہیں، ٹٹے کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ ڈھولکس کے مڑوٹے ہوا میں گھل جاتے ہیں اور غصہ کی خوشبو مختصر
سے کمرے میں پھیل جاتی ہے۔ آتھ میں صاحب خانہ شریف لائے ہیں جو مزا کے ہاتھ دوست ہیں ابھی قاسم جان کی گلی میں ایک بڑا کھولی
یہ رہتے تھے، قیسم کے بعد لالو کھیت میں دن گزار رہے ہیں،

صاحب خانہ:- مزا خوشہ اخبار کا نمائندہ آئے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں
غالب:- (انہیں، الجھتے؟ جیسی مجھ سے کیا کام ہے؟) (مسکرا کر) میں تو یہ جسکے بیٹھا تھا کہ ظ

ہو گئیں غائب بلا میں بہت

صاحب خانہ:- جیسا، کام تو آپ خود ہی پوچھ لیجئے گا۔ ٹی پیجے، حکم ہو تو بلاؤں؟

غالب:- (اچھا جیسا، تم کہتے ہو توں میں گئے، گھر پر آئے ہوئے ہوں کو نکالا ہی تو نہیں، ہاں، چلے، صحت عورتیں ہی کریں، نہ جیلا۔

(چند اخبار کی نمائندہ کمرے میں داخل ہوتے ہیں، مزا وجود غائب کے اٹھ کر ان سے جھگڑتے ہیں)

(پھر لوں گے یا ہوتے ہیں)

غالب:- کہو جیسا، کیسے آئے؟ کیا خبر لائے؟

نمائندہ شہزاد:- حضرت خبروں کا سرخسہ تو آپ میں اہم تو آپ کے پاس سے خبری لے آئے ہیں۔

غالب :- یہاں! میرے پاس سے خبر لیجئے آگے ہوا میری خبر لیجئے آگے ہوا جان من سے

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کر بھی
کچھ ہمارا ہی خیر نہیں آتی

نمائندہ جہاد :- جناب عالی! بات یہ ہے کہ جب میں معلوم ہوا کہ آپ عالم بالا سے چند روز کے لئے گراچی تشریف لائے ہیں تو میں
ہوا کہ آپ کی پر میں کانفرنس منعقد کی جائے یعنی اخبار کی نمائندہ سے مختلف مسائل پر آپ کو رائے مافی معلوم کریں۔ ہم
پچھلے ہی آتے لیکن نہ آپ کی۔ اور انے اور نہ ہی انٹوٹ سیکرٹری نے آمد کی اطلاع دی۔ کچھ ہائندہ پختہ
ڈھونڈنے میں بھی بڑی دقت ہوئی۔

غالب :- میں ان میں بڑھا۔ ہوا لاؤ آئی۔ میں کہنے کے اطلاع دواؤ نامہ ہماروں کی نہ کہو۔ وہ تو سب اللہ کو پناہ سے چھوٹے
جہاں سے سعد ہمارے۔ ہاں عالم بالا میں ان کے ساتھ مل بیٹھے ہیں۔ وہ انہیں کیونکر اطلاع کرتے؟ مسکرتی ایک جی
ابھی میری جان میرے پاس نہ سلطنت، نہ حکومت، نہ مدد نامہ ہم نہ مسکرت۔ انڈیا میں باقی ہوں۔
نمائندہ جہاد :- پھر بھی آپ کی رائے بعض مسائل پر معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

غالب :- میں نے سنا ہے تمہارے ملک میں تو صرف لیڈروں اور انصاروں کی رات بوجھ باقی ہے بلکہ وہ بوجھ جانتے ہیں۔
تم کہوں اپنا وقت ایک پیر فرقت کے ساتھ برادری سے ہو۔ مجھے خاموش رہنے دے

ہے کچھ ایسی ہی بات چھپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

نمائندہ جہاد :- جملہ تو صحیح ہے کہ اخبار میں کمار باب مل و خور کی غزلیں بہت دلوں کے جوان انقلابیوں کے مددگار اور بھی ایک
جرائم کی تھوڑی سی یعنی اخبار کی اہمیت نہ زیادہ ہے، آپ بھی اگر غور کریں تو جہاں کام آسان تھا۔ آپ کا نقل ٹیکٹ نمبر
تعداد بر کے ہونگے مل باقی، لیکن خبر پھر بھی چونکہ کہہ رہے ہیں ایک دفعہ ہر سے پہلے میں اور ہی عالم جیسے کہ آپ سے مل
ضروری ہوا۔۔۔ بات یہ ہے کہ آپ ہر صورت مشہور شاعر ہو گئے ہیں۔ ہمارے بعض خیر خواہوں کو آپ سے کچھ
ہے۔ آپ کی تصویر اور آپ کی جان اخبار کا اشاعت میں مدد دینی کہے گا۔

نمائندہ جہاد :- لیکن ناخداں یہ کہہ گئی اسپیس یعنی جگہ کی کمی ہے۔ گئی دنیا اور لیڈروں کے بیانات اور تقریروں کے ٹیکٹ
دفتر میں آگئے ہیں۔۔۔۔۔

غالب :- (مسکراتے) تو میں صاف صاف مانگوں نہیں کہتے۔ میں نہ بد بردار نہ نصیر کا ہیرو نہ سیاسی لیڈر مجھے تم شاید
بھی ایک جرائم کی شہین میں پکڑنے ہو۔ میں اپنے کو عالمی جھٹکا ہوں مگر موجودہ خاص اور موثر کامل ہوں۔ نہ جان سے
لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دلوں میں لا موجد الا اللہ لا موجد فی الا اللہ کہتا ہوں۔۔۔۔۔ اسے تم
میرے قصہ خود کا بھی ایک نہیں سمجھو۔ حالانکہ وہ چارہ دلی کا کو تو عالم بالا میں اور نہ ہے ہمارے مددگار ہے بلکہ آدھا
ہے۔ اور کہتا ہے کہ مرزا جیسے صاف کردہ جیسے یہاں سے نجات دواؤ! میں شرمندہ ہوں جہاں سے حکومتوں سے
بیچ تو ہے کہ میں نے اسے صاف کیا۔ میرا خدا کی رائے سامان کہے۔

نمائندہ سحر :- اوداب کراچی میں کچھ بزنس ہے غائب کی آقا کی

غائب :- بھائی اس طرح نوائی میں صحت دیکھو گرجی یا کا معلوم ہو کہ ان ایک جنس فرومایہ اور استغنا سمات نے نہایت ہے میان کج تو ہے کہ ہتھار کا دنیا میں نسب و شرف خان قرنی ہیں باقی سب بیچ چمپا کرانی کی جہاں کے تھیں میں ہاں کا خود دار کی کا چھانغ نہیں بدلتا ۔۔۔ در کبر سے اتنے پھر آئے کی جہات کر تو نہ زحہ ال کھل جانے کا اندیشہ رہا ہے نمائندہ سحر :- تو کیا پہلے ایسی حالت نہ تھی۔

غائب :- ہاں وہ اگلے زمانے یا آتے ہیں جب حضور جی ہاں کھج کر قلعہ مٹنی میں بولتے تھے۔ تم سبھی چھپے ہو تھے شعر پڑھتے تھے۔ سر دھننے تھے۔ اب حاکم سے ملنے جاؤ تو پہلے جو بدار کو رخصت کر دو۔ تاہم یہاں تک مصلحت کے لئے کہ نہ آتے تو یہ عاجز ولی کا کج کی کو کر کی پر لات مار کر گر جاتا آیا۔ اب وہ بات کہاں حاکم سے بجا نہ ہو تو دار پر کھڑا رہے۔ تمنا میں تھا اور اسے۔ میان تم سے کیا پروہ۔ جاری طرفہ فاقہ سستی میں گوری اقرض کی ہے پی قیود جنگ کی سبب چھٹی گریپ دلوں کی عزت اور ترکی کی عظمت کا ختم دینی۔ اتنا ہو کہ کام سے کچھ و سرور کے ساتھ سونگ کیا۔ قلعہ مٹنی میں سر کاہنیاں ہی قیود اتنی عزت پائی۔ ہر چیز کے کھڑا بل قلم ہاں سے زمانے میں ہی احتیاج کے باعث سرگرمی لیا۔ حکومت سلطنت کے لئے پریشان رہتے تھے۔ مگر وہ اہل قلم اور اہل دل کی عزت کرتے تھے اور وہ کج اس پر تانے تھے

نمائندہ سحر :- تو آپ کے خیال میں موجودہ دور میں دنیا کا اصول بدل گیا؟

غائب :- میان یا نیول، بقاوں کا دور ہے، کماؤ نہ ہوئی کواؤ نہ ہوئی جو عزت کو نیلام پر چڑھاؤ کواؤ سے کوکٹ کی تجارت کرو جو بیٹیوں کو بازار میں بھاؤ، غرض کسی نہ کسی صورت زندگی کرتے رہو، علم و حکمت فصول زہد و تقویٰ بیکار حسب نسب ان کے افعال نہ رہے تو سب کچھ ہے نہ نہیں تو کچھ بھی نہیں، بلکہ نہ تو ان میں جگہ نہ ہے مگر حق میں اور عزت و حرمت بھی اسی سے ہاتھ آتی ہے۔

نمائندہ سحر :- قبل آپ نے پائیکس چھڑ دی۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارے موجودہ سماج میں کیپٹن کرنسی اور ان کس نہ کرو اہمیت کے حامل ہیں۔ ہم لوگ تو انھوں انٹر برائڈ پر یقین رکھتے ہیں۔ کیپٹن خاد مشن کو نہ مری کہنا آپ کو عزیز نہیں دیتا۔

غائب :- بھائی میں نہ اگرتی داں نہ اگرتی غواں۔ غضب ہے، ولی جاتا ہوں تو مجھ شامٹھ چلی ہے۔ کراچی آتا ہوں تو اگرتی سے ٹکر ہوا ہے۔ میان ہوش کے زخمی ہو مجھ سے میری زبان میں بات کر دو۔۔۔ عجیب تھا شامٹھ ولی گیا تو نقش ہر گہ پال نقش کی پر تو اسی سے ملا۔ اس کی رانی میری کچھ میں نہ آئی میں اگرت جتنا کہ تجھ یہ لڑکی اور میرا نقش کی اعلیٰ میں آ۔ میان آیا تو نہ رنگ پایا۔ ساتھ ساتھ سلطنت ہے، عروہ فارسی ترکی اور دوسلہ سلطنت کی زبانوں میں باتیں ہونگی۔ مگر یہاں نقش دوسرا ہے۔ میرے یزبان کی کچھ اسکل سے آئی تو میں بھی کہ جان جا کو ب صاحب پہلے کا بیٹی ہے۔ اب تم ہی نہ معلوم کیا کہہ رہے ہو۔ فرنگیوں سے ہمارا بھی واسطہ نہ اگرتی دقت کبھی پیش نہ آئی تھی۔۔۔

نمائندہ سحر :- اچھا فریڈرٹ کچھ ان باتوں کو مست سنا ہے مگر نہ گھڑنے آپ کو عزت دی ہے۔ وہ آپ کے ساتھ ایک

شام من ناپا جتے میں کیا آپ نے دعوت منظور کر لی؟

غالب :- بھائی یہ شاعرز گڈ بھاؤ کون ہیں؟ ماخدا و سدا کے لیے ان کی خدمت میں نیاز حاصل نہیں۔ کیا فساد لگی ہوئی
کے جرحیں ہیں؟ یا سرکار اٹھنے کے سہیر ہیں؟

خاندانہ سحر :- مرزا صاحب راسختر گڈ بھاؤ سے پاکستانی مصنفین کا انجمن ہے؟

غالب :- خوب، خوب اور میرٹھ شام منے کا معاملہ کیا ہے؟

خاندانہ سحر :- یعنی شام کے وقت وہ آپ کو بلا کیجئے آپ کا قماروت ہو گا۔ تقریریں ہوں گی اور شعر خوانی ہو گی۔

غالب :- (گھبرا کر) ارے بھئی کہیں ایسی ہی مجلس تو نہیں جس کا ذکر گیتا لال پکودے نے کیا ہے۔ نا بابا بھے بھلی کرو
گوسٹ، عزت میں بیٹھا رہو جب بیٹا تو رش عروں میں جاتا تھا کہ تھا شعر پڑھا تھا۔ ہمارے زمانے
میں شاعر شعر کہتے تھے اور شعر سناتے تھے، رتھیاں غزلیں گا تھیں۔ مگر اب شاعر کو خود ہی غزل
گانی پڑنی ہے۔ بھئی جھ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ میں اس مجلس میں شرکت کروں۔ دنیا میں اگر عروس ہوتا
ہے کہ تہہ راز کا زمین سنگلاش اور میرا قافیہ تلک ہے۔ پھر سے شعر نہ پڑھا جائے گا۔ میری جان خدا
آجیوں اجر سے تم اب صرف یہ خیریت لے کر اور کہ "آء غالب بھرا"

شریک غالب

(صفحہ ۳۱۵ سے آگے)

بالق صاحب کی دہائی میں کچھ اور تیز ہو چلی۔ "دیکھتے تھے اصرار دے مشوق کو سبلا پسند کلا سے خوب خوب کرتے کہ کیسے کیسے عقدا
جنتی ہیں؟" لکھ بادل دیہہ لکھ کر نہیں اسے

نہ کوئی لکھتی تھیں جو تو کیا گناہ ہو

سہرہ ہزار سے ہو کوئی خاندانہ ہو

اور یہ شعر تو حامل بیان ہو کر رہ گیا ہے۔ پہلے شعر سن لیجئے پھر اس کے تفصیلات اور تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

پھر سے رات کیا بنی؟ جو کہہ تو دیکھتے

موج عید آج میں مارے سے رات دیا کروں

اس کے بعد کیا ہوا؟ تفصیلات، بھڑت، ایک تہہ راز کا ایک بیانیہ کی کچھ دھڑکیں ہیں جتنے میں آئیں اور میل پر لکھتے دیوان کا
مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا۔ لکالی میں سپنل میں ہوں اور پوری بچے ہوئی ہیں۔ لاکھنؤ، انیسویں صدی کے کچھ
کوئی ایسا مکان لکھتے ہیں جس کا ہے دھن دان، تاربان، بکھڑتیں اور دیوانہ گانے ہیں لیکن اس کے ایک میل کے فاصلے پر کوئی باجر
خانہ بنا دیا جاتا ہے اور اگلے ایک دو کوئی ایسا مکان بن نہیں پایا ہے۔

دعوت دے کہ غالب بھی میر تقی میر کا شعر ہے بلکہ اس پرین و خاتون کے ہاتھوں اس کی انگلیاں بچے دیکھ کر دے گئے ہیں
مگر کہیں زیادہ مزین ہو گیا ہے، بلکہ اس کے دیوان غالب کا ایک نسخہ خریدیا ہے، انیسویں صدی میں جب بھی پانی ضرورت سے لڑا
تھنا ہوتا ہے تو اس کے ادھر اس کے اٹھنا لگتا ہے کہ اس نے اس کی غلطی سے تصور کر کے یہ مصرع بھی چڑھا لیا ہے۔

شاعر کو وہ اچھے سے پڑنا نام بہت ہے

نوائے سروش

(نثر و نغمہ)

موج آب

یہ منع بارہ نہیں عین عذاب تو کیا ہے
نہیں فشرودہ انگور آجے تو کیا ہے
عذاب و لطف کو چھوڑا ہمیں تو تم سے غرض ہے
یہ ناز گرم جہنم نہیں عتاب تو کیا ہے
نہ کوئی شور نہ ہنگامہ کوئی سعی نہ کاوش
خضریٰ عس نہیں مگر بد عذاب تو کیا ہے
تمام قطروں موج، گت و تلاطم و ریا
یہ ماد و من کا اجسدا نہیں عجب تو کیا ہے
یونہی خراب کریں خود کو بعد کن کے کیا ہے
وہ کہتے ہیں جے جلوہ نہیں نقاب تو کیا ہے
خود اپنی شوخی اندیشہ کا میں مرکز و محور
یہ تار و پود نہیں فریج و تاب تو کیا ہے
یہ زخم دل ہے کہ لب تشنہ بہر شور جسم
نظر میں اپنی نگاہیں نہیں سرباب تو کیا ہے
تری جناب سے قاصد پلٹ کے آؤ کیا ہے
جولے کے آیا نہیں وہ بجز جواب تو کیا ہے
تو جلوہ کر نہ کہ احساں نہیں ہوں نہ سے کم تر
نہیں جو باجم ہائیں تو آفتاب تو کیا ہے
یہ اتنے کلمہ نہ رنگیں نہ بر ملا کہیں یہو نگر
نہیں سمیٹہ غالب جو آفتاب تو کیا ہے

منع ما از بارہ غرض اہتسابے ہمیش نیست
نقشب افشردہ انگور آجے ہمیش نیست
رہج و راحت ہر طرف شاہد پرستار ہم
دو نغ از سر گئی نازش قلبے ہمیش نیست
خارج از ہنگامہ سرتا سر بہ بیکاری گزشت
ہر شے شمر خضر مدح ہے ہمیش نیست
قطرہ و موج و گت و گرداب جیہوت و بس
ایں من و مانی کہ می بالہ تھا ہے ہمیش نیست
خویش را صورت پرستان جزوہ رموا کرد عابد
جادوئی کاخ و دور معنی نقابے ہمیش نیست
شوخی اندیشہ شوخیست سرتا پائے ما
تار و پود و بستی مابین و تابے ہمیش نیست
زخم دل لب تشنہ شور تبسم ما کے گت
ایں نگاہاں ہائشیم با سرا ہے ہمیش نیست
نامہ بمانہ پیش گاہ ناز مکتوب سرا
پائے آہ و درد است اما جوابے ہمیش نیست
جلوہ کن منت منہ از نورہ کستہ میستم
حسن ایں تابانگی آفتاب ہمیش نیست
چند رنگیں کلمہ دل کش تکلف ہر طرف
ویدہ ام و لوان غالب تھا ہے ہمیش نیست

عالم سرگشتگی

ہم بد آموز سے تیرے تری خواہتے ہیں
 کہتے ہیں غیرے جو تیرے ہی گن گاتے ہیں
 حشر عشاق وہی صورت شرکاں ہو گلہ
 خاک سے ہنسی ہی جوں سبزہ نمونہ ہاتے ہیں
 راز دل فاش ہوا رنگ کے ڈھلنے سے
 سخت جاں لاکھ سہی پھر بھی بہک جاتے ہیں
 کیا عجب جن لیں نگہ جن کی بہا راہیں ہے
 مدتیں گزریں کہ خون رخ پہ ملے جاتے ہیں
 ہم کہ مہر فلک عالم سرگشتگی میں
 سونگیں جس پھول کو بھی تیری ہی بوہاتے ہیں
 کیا مجموعہ نیرنگ بہاراں ہے کہ ہم
 گھس گئے پاؤں مگر پھر بھی چلے جاتے ہیں
 زحمت احباب کو کیا اس سے سوا دیں غالب
 جو بھی کہتے ہیں وہ اپنے لئے کہہ جاتے ہیں

راز خویت از بد آموز تو می جو یئم ما
 از تو می گوئیم گر باغیہ می گوئیم ما
 حشر مشتاقاں یہاں بر صورت شرکاں بود
 مرز خاک خویشتن چوں سبزی روئیم ما
 راز عاشق از سخت رنگ رسوا می شود
 با وجود سخت جانی مائیک روئیم ما
 زیں بہاراں لگا ہاں بوکہ بیزیرہ دیکے
 عمر باشد رخ بخون دیدہ می توئیم ما
 آفتاب عالم سرگشتگی ہائے خودیم
 می رسد بونے تو از ہر گ کہ می بوئیم ما
 کچہا مجموعہ نصف بہاراں بودہ
 تا بزا تو سووہ پائے ما و می بوئیم ما
 زحمت احباب نتواں داد غالب بیش ازین
 ہرچی می گوئیم بہر خویش می گوئیم ما

مضربدایوں

اے دبیر الملک!

تو نے سراپا کیا غالب لبِ انہارے آشنا بھی آشنا کم ہیں ترے اسرارے
 اے دبیر الملک تخت آرائے اقلیم سنن خسروانِ علم و زان ہیں تیرے پندارے
 تیرا حسن کاوش جولان ہے صدیوں پر محیط بڑھ گیا تیرا تحفیلِ وقت کی رفتارے
 عشق کو بہتی ہے حاصل ایک ہندوبالین عقل کو تمیز ملتی ہے تری گفتارے
 فقر و خودداری کا سرچشمہ ہے تیری شخصیت صوفی و حق گوئی عبارت ہے تیرے کردارے
 تیرے ذوقِ تشنگانی کے لئے دوا بھی کم خود ہی لذتِ یاب اپنے قلب خود آزارے
 بھڑوں کے ہاتھ میں آپ تکہ ہیں اس کی شعلیں تو نے جانچا عالم اسکاں کو جس معیارے
 جاگتی ہے چشمِ گل بے باکی لب سے تری بھاگتی ہے دستِ صحرائی زقارے
 لوحِ پزیرِ صمدِ خامہ آوازِ سروش ذہن میں تیرے معنایں جنتِ بیدارے
 کم نگر کیا جانیں کیا سنا تیرا وہ جامِ سفال جو اگر ٹوٹے تو پہلے آئے تو بازارے

تو مست وادیر تیرا کیش بھی ترکِ رسوم

تجہ کو دیکھے کوئی تیرے دیدہ بیدارے

عبدالرؤف عروج

احوالِ دہلی

نمایاں کے دیار کے اور شاہزادوں کے بہتے منظرِ معجزے ایک فردِ عظیم

کھلتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں!
اک تیرا در سبب پہ مارا کہ ہائے ہائے
سُحلا ہر آن لالہ و انجم کہ واہ واہ
عشوہ خزانِ شوخ و دل آرا کہ ہائے ہائے

اک - مندریبِ گلشنِ نازِ فرید - کہ
ہر مہجے نشاۃِ دل - یاد آگئی
آئینہ درگشاہِ زمانوں کا دُرِ کھلا
خوابوں کی دلبرانہ فضا یاد آگئی
مہوئے خیال و سکون - فردِ فرد - ہوتا
کلبِ جوں - کو اس کی جفا یاد آگئی
یاد آگیا زمانہ - و دایۂ بہار - کا
غمِ گشتِ آرزو کی ادا یاد آگئی

پھر گرم نسیم ہائے ہجر دار ہے سکوت
سب کچھ نشاۃِ مجدد پہنایا کئے ہوئے

پھر بڑھ چلا ہے جوڑن تھائے رنگ و بو
 سامانِ مدھسزار گستاں کئے ہوئے
 پھر بڑھ پئی ہیں سبز رنگاں کی دستیں
 غمِ ششدری کو زیست کا ارمان کئے ہوئے
 پھر لے چلا ہے حوصلہ دید ہوئے دوست
 رنگینی جہاں کو ارزاں کئے ہوئے
 پھر آ رہا ہے کوئی خیال و نگاہ میں
 تسکینِ اضطرابِ دل و جان کئے ہوئے
 پھر گردشِ حیات کو سسکا رہا ہے دل
 یادوں کی سنے پہ غم کو غزلِ خوں کئے ہوئے
 پھر چاہتا ہے دل وہی فرصت کے رات دن
 بیٹے رہیں تصویرِ جہان کئے ہوئے

سوچا ہے ہم نے تنگ اٹھانے سے پیشتر
 ہم بھی تو رہ نورد تھے وشتِ غزال کے
 ہم نے عیبِ رطبِ حسدِ عیار کے لئے
 کاغذ پہ رکتے دیا ہے کلیمہ نکال کے
 آباؤ تھے ہماری رنگ و پتہ میں زمیں
 ہم نرسند گر تھے رام کلی کے خیال کے

پوچھے تو کون قصہ - آشوبِ آج بھی -
 سرخسہِ خارِ غمِ دوستان تھے ہم
 ہر استیذانِ ناقص و کامل کے باوجود
 جلوہ طرازِ اکبرِ خوشِ رفاں تھے ہم

کہتا ہے کون، عشقِ خلل ہے دماغ کا،
موس ہو رہا ہے کبھی فوجوں کے ہم

تا سید یک نگاہ کرم آمشا، کے بعد
بہتید صید ہزار مشا نہ کہاں گئی
نقدیر انقلابِ محبت کو کیا ہوا
تہذیبِ ارتقا سے زمانہ کہاں گئی
رکھے گا کون، گردنِ مینا، پہ خونِ خلق
وہ انہی وہ، نرم شہانہ کہاں گئی

اک ظلم ہے، شگفتہ گھائے ناز و رنگ
اس فصل میں دماغِ ناسخ کہاں ہیں
منونِ قرعہ دوست ہیں بادہ پرستیاں
کیا کیا ہوئی ہے عمر سبک ترزاں ہیں
اک، دردِ جاں گوازا، اترتا خمار ہے
ملتی دھوم داس سے کب تک اماں ہیں
شہ کے وکیل خوار ہوئے نوکری بھی کی
مارا زمانے نے اسدا خدان، ہمیں

عشقِ نیرو پیشہ، کی ہمت کو دیکھنا
ہم نذرِ طغی و غم آفات ہو گئے
رسوا ہوا، خیالِ معاشیں بنیں عشق
کیونکر کہیں کہ، مست سے ذات، ہو گئے
ہم کیا ہیں، داغِ حسرتِ دل کا شاد کیا

ہم تو ہلاکتِ خجیرِ حلاوت ہو گئے

ماں گویا کسی "ممنی" آتشِ نفس کی خیر
نغمہ ہے زندگی نہ ترنم ہے زندگی
"تاچند باعنبانی صحرائے" جنوں
کلیوں کا رجم ہے نہ تبسم ہے زندگی
دیکھ کوئی "ادائے ستم ہائے روزگار
اک نامراد دل کی طرح علم ہے زندگی
"کیونکر بنے" مشاہدہ حق کی گفتگو
پروردہ "سرب" حکم ہے زندگی
"سرب" ہوا ہے وحدہ سیرِ آزما سے کون
صیدِ زہولِ دام تو ہم ہے زندگی

"دوستی بہانہ" بیگانگی "ہوئی"
اک دود بے چراغ "شب ناؤ و نوش ہے"
رکھے نہ غلطی نے کسی سے "معاملات"
برہم مزاج "سے کدہ فکر و ہوش ہے"
نغمہ و نگاہ شعر کے اثبات کے لئے
آہنگ ہر حنیال کا آزار کو شش ہے
دنیا کو جس کی بات سمجھنا محال تھا
یہ تو نہیں کہ وہ سنن آرا خوش ہے
کل بھی "سرب" غامہ فوائے سروش تھا
اب بھی "سرب" غامہ فوائے سروش ہے

جوہرِ سعید سے

غالب میری نظر میں

اے سپر آرائے بزمِ فکر و فن
تو جلالِ شوخیِ گفتار ہے
تیرے نظے زندگی برووش ہیں
تو نے بختے رنگ و بو کو بیڑ میں
آج تیری روشنی ہے کوہِ کوہ کو
تیری ناداری نے دار وئی بھی کی
زندگی ہے، مٹیوں میں، بھی تری
تو نے غوروں کو شعورِ غم دیا
تو نے غفلوں کی قبائِل کو سبیا
دردِ حیران کی دوا رکھتا ہے تو
فلسفی، صوفی، مباحِ جاں بلب
بزمِ آبِ دگل میں افغانی ہے تو
جل رہے ہیں تیری یادوں کے دیے
یہ دل بسیارِ جو ہے تیرا گھر
ذی نظرِ ذی ہوش مگر دانا تجھے
شبِ روروں کو بھی سحرِ تجھے ملی
ریزہ ریزہ کر گئی، غم کے پہاڑ
اضطرابِ موجِ نوں پاتا ہوں میں
دلِ پکارا اٹھتا ہے اللہ العزیز
جاگ اٹھا آدمی سویا ہوا
کون غالب کے طرفداروں میں ہے

اے سپر آرائے بزمِ فکر و فن
تو جلالِ شوخیِ گفتار ہے
تیرے نظے زندگی برووش ہیں
تو نے بختے رنگ و بو کو بیڑ میں
آج تیری روشنی ہے کوہِ کوہ کو
تیری ناداری نے دار وئی بھی کی
زندگی ہے، مٹیوں میں، بھی تری
تو نے غوروں کو شعورِ غم دیا
تو نے غفلوں کی قبائِل کو سبیا
دردِ حیران کی دوا رکھتا ہے تو
فلسفی، صوفی، مباحِ جاں بلب
بزمِ آبِ دگل میں افغانی ہے تو
جل رہے ہیں تیری یادوں کے دیے
یہ دل بسیارِ جو ہے تیرا گھر
ذی نظرِ ذی ہوش مگر دانا تجھے
شبِ روروں کو بھی سحرِ تجھے ملی
ریزہ ریزہ کر گئی، غم کے پہاڑ
اضطرابِ موجِ نوں پاتا ہوں میں
دلِ پکارا اٹھتا ہے اللہ العزیز
جاگ اٹھا آدمی سویا ہوا
کون غالب کے طرفداروں میں ہے

غبنہ روٹانے

غالب۔ ایک نیا انسان

کوشش پر بھی ہم نے اُن کی ستا، نہ پائی ہے

جن گہری نظروں میں سمندر کی گہرائی ہے

کل تک جس کی بیداری تھی ہر دعوے کی دلیل

آج بھی ہے وہ ذہن ہمارے خوابوں کی قدریں

کل تک گردوں کی فاحش تھی جس کی منکر بلند

آج بھی ہیں ہر دم و انجسٹم اس کے نزدیک

کل تک اپنے دل میں اُتارے جس نے اپنے تیر

آج بھی ہے وہ خود ہی اپنے خوابوں کی تعبیر

کل تک جس کا شعر تھا شبنم حیرت کا سامان

آج بھی ہے وہ مشاعرِ فردا ایک نیا انسان

حزیرِ لدھیانوی

مرزا غالب

اُس کے نقشے تھے زندگی افروز
بارغِ ہستی کا عذیب تھا وہ
دیوِ دہما دہری کے دور میں بھی
کتنے انسان کے قریب متلاوہ

اُس کے ہر شعر میں تھا سحرِ حلال
حلقِ معنی تھی مشاعری اُس کی
خلقوں کے جسگر کو چسپیر بھی
مہلِ خورشیدِ روشنی اُس کی

لیکن اس روشنی کو ڈال دیا
زرِ پرستوں نے قبرِ زنداں میں
یوں بھی ڈھاتے ہیں علمِ اہلِ ستم
یوں بھی ہوتا ہے بزمِ دوداں میں

جانے کب سے یہ رسم جاری ہے
آج وہ 'کل ہمارے' جاری ہے

زیت کا پاسدار تھا غالب
مقبلِ رہنما رستِ غالب
شیرِ ظلمتِ شکار تھا غالب
روشنی کا منار تھا غالب
اُس کے دم سے تھی شاہِ سرو قدوں
کشتہٴ زخمِ وار تھا غالب

ہاتھ ہوتے رہے قلمِ پیر بھی
داستانِ جنوں لکھی اُس نے
زیت تھی انقلاب کی تصویر
پھر بھی ہنس کر گزار دی اُس نے

عرفی و انوری کا ہمِ پایہ
ثانیِ صائب و کلیم و اسیر
میر و بیہل کی غفلتوں کا ایس
افقِ شعر کا تھا ماوِ منیر

۲۰۷۰ اکبرؑ بچا دے

نذرِ غالب

اسے نذام کا ہرٹا فتنہ معصومہ مرزا غالبؑ کا ہے۔ ضرور ہے
شعرِ محبت کے شے کہہ دے کہہ دے عشقِ معصومہ نذرِ محبت کا

تیری غفلت کے مقابل کس کا روشن ہر چہ	موت کے آتشِ دیدہ تھا، حلقہ تری زنجیر کا
تیرے نافرمان اس کے عقیدوں سے سدا لگا کئے	قتل فرمادی ہے جس کی شوخی تفسیر کا
ناخوشیِ جملی تو صحت پر روانہ صفت	مدعا عشقا تھا تیرے عالمِ تعمیر کا
تیری حقیقتات میں جہاں وقت مرگ رہا	کاغذی صحت پیر بہر سیرِ تصویر کا
تو سراپا درد تھا اور درد ہی کا رعب	دیکھ کر طرزِ تپا کس اہل دنیا جل گیا
کون پاتا تیرے الفاظ و معانی کا سرِ لوح	تیری آوازِ آنکھیں سے بالی صفا جل گیا
عالمِ سوزِ محبت میں جو بھولے سے کہی	نہج کو وحشت کا خیال آیا کہ صحرانِ جل گیا
تو کہ رفتہ رفتہ گئے و بھول گئی دھوپ میں	آتشِ خاموشی کی مانند گویا جل گیا
یہ نعرہ ہے اب تک مشعلِ راہِ وفا	برقی سے کہتے ہیں روشنی شمعِ ناظمِ خانہ ہم
ہم ترسے مداح تیرے معترف تیرے رب	تو چراغِ بزمِ اردو ہے تو ہیں پیرِ اندام ہم
حاشیہ بن کر ترسے اجمال کی تفصیل کا	ہیں لغزشِ جلوہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم
چاہتے ہیں ارتقاء سے رسمِ و راہِ دوستی	جانے تھے کائناتِ دل کو زنداںِ خانہ ہم
تیرا دل ہم کی شتم گارہ سے گلشن بن گیا	ناک میں کیا سوز تیا ہنگی اجنبی ہر گز نہیں
قلعہ دہلی میں روشنی ہو کچھ پتھیاں	مصلِ امروز میں سب داغِ نیاں ہر گز نہیں

غم کہہ کا حسنِ سحرِ دہلیسرا ہے
خفقِ بیاروفا دہلیسرا ہے

تذکرہ غلام عباس اور میرزا ملک کے علاوہ اور بھی کئی دوست اس ایہا کی کتاب کا فخر مقدم کرنے میں پیش پیش رہے چنانچہ ان کی دوستی جہد و جدی اور خوش مذاقی اور کمال آفاقی خصوصیت سے میرزا عزیز بھائی کا گزشتہ چھ ماہ تک ان سے جو کتاب کو کا پایا بنانے کی کوشش کی اور میرزا امین نادر بھائی مولوی الدین اور عبدالمجید بھائی نے اپنی اشک کو ششوں سے اس کے ہر ورق کو کتاب کی کیفیت دیکھ کر کتاب کی مشکل میں تھیں ہی نہ رہا۔

دیوان غالب کا اشاعت اس کی اہمیت اس کی دل آویزی اور اس کے میدان سے بغیر کبھی امتیاز کے میرزا شوق اور میرزا معتمد کو بہار دیا۔ یہ قطعی طور پر اس کوشش نے لوگوں کو آسٹ کی سادہ بدھ کے قریب کر دیا۔ ان دنوں ہندوستان میں جدید ہندوستان افیضی کا جس کی تحریک کا آغاز بنگال سے ہوا تھا پڑا چڑھا تھا۔ بنگال اسکول کی یہ تحریک میری قوم کے لئے یقیناً اجنبی تھی اس واسطے اہلیت نے بے متوجہ کیا۔ مگر اس لئے بھی کہ بنگال اسکول کی اس تحریک میں بدھ مت کی ترقی کی اسباب اور مغربیت کو پھیلانے کے ذرائع بہت زیادہ موجود تھے اور یہ نتیجہ امر تھا کہ قوم اسے اپنی آشتی اور دل آویزی میں وطم ہو جاتی اور کوئی ایسا جنگ پیدا نہ ہوا کہ ہم اپنی روایات کو پیچھے رہا کر سکتے۔ مسلمان اس تحریک سے بے خبر اور بے پڑا تھے۔ اور یوں جیسے وہ اس کی اہمیت سے بھی آگاہ نہ ہوں۔ وہ آرٹ کو دیکھ کر دیکھ کر جو مثل یاد نہ ہوئی مثل مصوروں نے ہنر پروری سے دین سے وسیع تر کر رکھی تھیں مدغم ہوئے تھے تقریباً ختم ہو چکی تھیں اور مسلمان اپنی ہزار سالہ روایات سے یوں بے خبر اور بے پروا تھے جیسے آرٹ نگاری ان کا ترکہ نہیں رہا۔ اس ایہا کی کتاب نے اور میرزا شخصاً جذباتوں نے دیوان غالب سے کیا خاص و عام دونوں کو آرٹ کے قریب لاکر کھڑا کر دیا۔ جس کی اثر ضرورت تھی۔

ایہا کی کتاب ایک اردو شاعر کا دلیرانہ جس کا میں نے ایک خاص ایڈیشن اپنے آرٹ کی مقبولیت کے مد نظر شائع کیا تھا اور جس کا بیشتر حصہ ان لوگوں نے خرید لیا تھا جس کو اردو زبان سے نفرت نہ تھی لیکن وہ اردو جاننے والے نہیں تھے خصوصیت سے ہمارا فی کوہ جہان نے مربع چٹائی کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور یہ قابل ذکر بات ہے کہ ہمارا فی کوہ جہان نے میرزا کے ایک آرٹ گیلری کا نام رکھ دیا اس طرح ہمارا جہان نے بھی مواد تیار کیا اور کتاب کی اشاعت میں مدد کی انیس اردو سے لگا تھا۔ کتاب چھپ گئی پھر میرزا عزیز کی شخصیت اور ذوق فطری سے کتاب کو مقبول ہوتی ہوئی اس کے ایسے غالب کی تمام تصویریں شہر و دی و شہر و دیو نے خرید کر میں اور وہ فروز مار کر بیچ گئیں۔ اس کے بعد ہر اہل نظر نے اور خود میرزا نصیر نے موسیٰ کیا کہ علامہ اقبال کا ایک صورت ایڈیشن شائع کرنا میرزا فرائض میں شامل ہے۔ میں نے اپنی ایک چوڑی سے دیوان ایک اور کوشش نقش چٹائی کی صورت میں کی اس میں بھی میرزا عزیز بھائی راجہ چٹائی کی آرزو شامل تھی۔ یہ پاکٹ ڈیٹیشن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور مقصد مقبول تھا کہ مربع چٹائی سے بھی بعض صورتوں میں بہت سے گئے۔ مربع چٹائی کی طرز میں نے علامہ کے صورت ایڈیشن کا نام مل چٹائی رکھا ہے اور بے شک ان چھ چھ کوشش بھی کلارڈ باؤنڈ ہوگی اور حرام و حرام سے جو صورتیں یاد رکھیں گے اور صورت اقبال کے شاعر کا نام اس کے اسلامی جذبے کی ترقیاتی اس وقت تک عمل چٹائی کا نام سے چھپ رہی ہے ایک فوقی نظر دار اور خود چاہے گا۔

ان واقعات کے اظہار کا صرف ایک ہی مطالبہ کر رہا ہوں کہ ایہا کی کتاب ان اہمات کا وجود ہے جو شاعر نے آپ بیتی کی ترقیاتی میں بیان کئے ہیں۔ جو غالب کا حصہ تھا۔ اب بھلے اکثر یہی کہتے ہیں کہ اگر گزشتہ عبد الرحمن بخاری دیوان غالب کو دیکھنا حد تک ہا کہ کر بھی اپنی تنقید کا آغاز کرتے تو حق کیا نہ تھے۔ غالب کے ایہا کی یہ تک جھٹلا نہیں گیا۔ دیکھو اور دیکھو دونوں انسانوں کو اس نے قہر کیا۔ اور کئے اہل نظر میں کے جنہوں نے غالب کے جذبات سے وہ ایسا نہ عشق کیا۔ غالب کا وہ شعر جس نے مجھے اپنا جاننا ہے وہی نظر میں ہے۔

ص - ل

اخبار غالب

مرزا غالب کے تاجکستان کے ممتاز ادیب عبداللہ جان غفور کی مستند کتاب ایک صفحہ
یہ کتاب تاجکستان کے علاوہ چیکوسلواکیہ کے نقابہ میں بھی شامل ہے
پراگ سے ہاں مارکٹ کا اردو میں خط ۱

کراچی - افکار کے خصوصی معاون آغا شہزاد حسین نے غالب کے شعری کتبستان میں پروفیسر یان لڈک کو پہلی حد تک
جہاں دونوں کو ملو ایک کے علوم مشرقی کے ادارے سے وابستہ ہیں۔ پروفیسر یان لڈک نے غالب پر عبداللہ جان غفور
کی کتاب کے سلسلے میں جو تصدیقات آغا صاحب کو بھیجی ہیں وہ یہ ہیں پروفیسر موصوف کا خطاطی ہے - اور غفور
میں لڈک کا تحریر ہے -

۷۵	ادبیات غالب	۳۲	مقدمہ
۱۳۶	خاتمہ	۱۶	زبان غالب
۱۳۸	ملکات	۳۳	حیات غالب

ادبیات استفادہ — ۱۳۸ — کئی جلد خاتمہ پر
پروفیسر یان لڈک نے غفور کی کتاب کا ایک شعری نقل کیا ہے جو ان کے کس تحریر میں نہیں کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب
تاجکستان کے خاتمہ پر ملو ایک کے ایک کو بھیج دیا جاتا ہے -

مرزا اسد اللہ غالب در تاریخ ادبیات اردو و فارسی زبان ہندستان
از جلد آن شاعران بلند پایہ است ، کہ اشعار خود را با تصویر
رہائی غایا ہیں پیشقدم و ہائیای منضیتی طبقہ ہاں ممتی ہراندہ کردہ است -
غالب در تاریخ ادبیات اردو با واسطہ اثر ہاں منصور اردو بیش
کہ آہا اسان از مکتوب و تفریق با جارت اند نیز مرقعہ
غالب نمبر ۳۳۶

بہترین دعاؤں، اور نیکے سناؤں

۵۰ سناؤں

سناؤں

ڈائریکٹ شامل اینڈ پرنٹنگ ملز لمیٹڈ

۱۴/ ڈی۔ ایس۔ آئی۔ ٹی۔ ای۔ مشکو پیر روڈ، کراچی

فون: ۷۹۷۲۸ - ۷۹۷۳۸ ۱۹-۷۹